جی ایس پی پلس اسکیم

اور

پاکستان میں میعاراتِ محنت پر عملدرآمد کے چیلنجز

عبوری رپورٹ برائے سال 2016ء

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن

فہرست

صفحہ نمبر

پیش لفظ: پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی عبوری رپورٹ 2016ء رپورٹ
برائے جی ایس پی پلس اور پاکستان میں معیارات محنت کی صورتحال I

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی گزشتہ رپورٹ (2014-2015) کا سرسری جائزہ iii

جی ایس پی پلس کے اطلاق کے بعد یورپی کمیشن کی طرف سے پاکستان کے
بارے میں جاری کردہ پہلی رپورٹ کے اہم نکات vi

تنظیم سازی اور اجتماعی سودا کاری (کنونشنز 87 اور 98) vi

جبری مشقت (کنونشنز 29 اور 105) vii

بچوں کی مشقت کی بدترین شکلیں اور کام کرنے کی کم از کم عمر (کنونشنز 138 اور 182) vii

امتیازی سلوک کا خاتمہ (کنونشنز نمبر 180 اور 111) vii

آئی ایل او کی ایکسپرٹ کمیٹی (Committee of Experts on the Application of
Conventions and Recommendations) کی طرف سے حکومت پاکستان سے مطلوب
وضاحتیں اور معلومات ix

پاکستان سے مطلوب وضاحتیں اور معلومات ix

لیبر انسپکشن کنونشن نمبر 81 ix

مساوی کام کے مساوی معاوضہ کا کنونشن نمبر 100 ix

ملازمتوں اور پیشوں میں امتیازی سلوک کا کنونشن نمبر 111 ix

باب 1: صوبائی آئینی منتقلی اور شعبہ محنت کے معاملات 01

پنجاب 01

خیبر پختونخواہ 02

بلوچستان 03

صوبہ سندھ 04

مرکزی اور صوبائی قوانین برائے صنعتی تعلقات (Industrial Relations Acts) 04

صفحہ نمبر

سہ فریقی موثر مشاورات کے بغیر قانون سازی 07
محکمہ محنت کی استعداد کار 08
لیبر انسپکشن (Labour Inspection) کی کارکردگی 09
ایکسپورٹ پراسسنگ زونز (Export Processing Zones) 11
کم از کم اجرت کے تعین کے لئے نظام (Minimum Wage Board) اور ان کی کارکردگی 12
ای او بی آئی (EOBI) میں کارکنان کے اندراج کی صورتحال 16
سوشل سکیورٹی (Social Security) 18
جی ایس پی پلس کے بعد لیبر جوڈیشنری (Labour Judiciary) کی صورتحال 19
نجکاری اور ٹریڈ یونین تحریک پر اثرات 19
افرادی قوت کی برآمد 24
پاکستان ورکرز کنفیڈریشن اور یورپی کمیشن کی سابقہ رپورٹس کے بعد کی صورتحال 27

باب نمبر 2: پنجاب کے تین اضلاع میں معیارات محنت پر عملدرآمد کی صورتحال 28

پنجاب کے تین اہم اضلاع، لاہور، فیصل آباد اور سیالکوٹ میں سال 2015ء اور 2016ء میں لیبر انسپکشن کی صورتحال 29
پنجاب سوشل سکیورٹی 30
ضلع لاہور، فیصل آباد اور سیالکوٹ میں معیار محنت جانچنے کیلئے ایک فوری سروے کے نتائج 33
ضمیمہ 1: سروے کا طریقہ کار و دورانیہ 38
ضمیمہ 2: سروے فارم برائے معلومات ایکسپورٹ انڈسٹری 39
حرفِ آخر 40
حوالہ جات 41
پاکستان ورکرز کنفیڈریشن 42

جدول کی فہرست

صفحہ نمبر

جدول 1.1: صوبہ پنجاب میں نافذ کردہ قوانین محنت 01

جدول 1.2: صوبہ خیبر پختونخواہ میں نافذ کردہ قوانین محنت 02

جدول 1.3: صوبہ بلوچستان میں مجوزہ قوانین محنت 03

جدول 1.4: صوبہ سندھ میں نافذ کردہ قوانین محنت 04

جدول 1.5: چاروں صوبائی اور وفاقی صنفی تعلقات ایکٹس میں بعض اہم شقوں کا تقابلی جائزہ 05

جدول 1.6: ایکسپورٹ پراسسنگ زونز کے بارے میں اہم اعداد و شمار 12

جدول 1.7: سرکاری اعلان کردہ غیر ہنر مند کارکنوں کی کم از کم اجرتوں کا رجحان ظاہری (Nominal) اور حقیقی (Real) اجرتوں کا موازنہ 13

جدول 1.8: مختلف شعبوں میں ادا کردہ اوسط اجرتیں اور ان اجرتوں میں صنفی امتیاز کا تناسب 14

جدول 1.9: پاکستان ورکرز فیڈریشن (PWF) پانچ ممبران پر مشتمل (میاں بیوی، 3 بچے) ایک محنت کش خاندان کی ماہانہ بنیادی مالی ضروریات کا خلاصہ 15

جدول 1.10: پاکستان بھر میں EOBI کے حوالے سے اعداد و شمار 16

جدول 1.11: 2011ء سے 2015ء تک بیرون ممالک جانے والے پاکستانیوں کی تعداد 24

جدول 1.12: بیرون ممالک جانے والے کارکنان کی تعداد بلحاظ اہلیت 24

جدول 1.13: بیرون ملک جانے والے کارکنوں کی صوبہ وار تقسیم 25

جدول 2.1: 2015ء میں پنجاب کے تینوں اضلاع میں فیکٹریز کی انسپکشن کی رپورٹ 29

جدول 2.2: ضلع لاہور میں ای او بی آئی میں مزدوروں کی رجسٹریشن اور پنشنز کی صورتحال 30

جدول 2.3: فیصل آباد ریجن کی ای او بی آئی میں رجسٹریشن اور پنشنز کی صورت حال 30

جدول 2.4: ضلع سیالکوٹ میں ای او بی آئی کی رجسٹریشن اور پنشنز کی صورتحال 30

جدول 2.5: صوبہ پنجاب میں سوشل سیکیورٹی کے اعداد و شمار 31

جدول 2.6: برآمدی منصوعات تیار کرنے والے اداروں اور فیکٹریوں میں ملازم مرد اور خواتین کارکنوں کی تعداد اور ای او بی آئی اور سوشل سیکورٹی میں رجسٹرڈ کارکن (سروے کے نتائج) 33

ٹیکسٹ باکس کی فہرست

صفحہ نمبر

باکس 1.1: صوبہ پنجاب میں بچوں کی مزدوری اور بچوں کی جبری مشقت کے قوانین 02
باکس 1.2: تیسری یونین کی رجسٹریشن کی شرائط کے ذریعے حقیقی نمائندہ یونین کی رجسٹریشن کیلئے مشکلات 07
باکس 1.3: گڈانی شپ بریکنگ یارڈ (Gaddani Ship Breaking Yard) میں خوفناک حادثہ 11
باکس 1.4: پی آئی اے کے ملازمین پر نجکاری کے اثرات 21
پی ٹی سی ایل کی نجکاری اور مزدوروں پر اثرات 21
سکول ٹیچرز کی نجکاری کے خلاف جدوجہد 22
لیڈی ہیلتھ ورکرز (Lady Health Workers) کی جدوجہد 22
نرسوں کی جدوجہد 23
ٹیوٹا (Tevta) ملازمین کی عارضی مزدوروں کو مستقل کروانے کی جدوجہد 23
پنجاب پارکس اینڈ ہارٹیکلچر اتھارٹی کے مزدوروں کی جدوجہد 23
باکس 1.5: مائیگرنٹ ورکرز (Migrant) کے حقوق 26
باکس 2.1: پنجاب حکومت کے کچھ اہم پروجیکٹس (Projects) 31

گراف کی فہرست

گراف 1: سروے کردہ اداروں میں اندرون فیکٹری اور بیرون فیکٹری تیار کردہ مصنوعات (پیداوار) کی صورت حال 34
گراف 2: سروے کردہ اداروں میں کم از کم اجرت اور سماجی مراعات کے حصول کی صورت حال اداروں کی فیصد تعداد جو مراعات حاصل کر رہے ہیں 34
گراف 3: فیکٹریوں میں ٹریڈ یونینز کی صورت حال فیصد تعداد جن اداروں میں ہاں میں جواب دیا گیا۔ 35
گراف 4: خواتین کارکنوں کے حالات کار اور صنفی امتیازات اداروں کی فیصد اور تعداد جن میں کارکنوں کا جواب ہاں میں تھا۔ 35
گراف 5: اداروں میں لیبر انسپکشن کی صورت حال اداروں کی فیصد تعداد جن میں کارکنوں نے ہاں میں جواب دیا۔ 36

پیش لفظ: پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی عبوری رپورٹ 2016ء

رپورٹ برائے جی ایس پی پلس اور پاکستان میں معیارات محنت کی صورتحال

جی ایس پی پلس اور اس کے ساتھ مشروط 27 عالمی کنونشنز پر عملدرآمد کے حوالے سے یورپی کمیشن کی معائنہ رپورٹ 2015ء سے ہر دو سال بعد جاری ہوا کرے گی۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان ورکرز کنفیڈریشن (PWC) نے بھی اپنی پہلی رپورٹ دو سال کی مدت پوری ہونے پر تحریر اور جاری کی تھی۔ البتہ سال 2016ء میں یہ طے پایا کہ جی ایس پی پلس کی رعایت کے تیسرے سال کے حوالے سے بھی ایک مختصر عبوری رپورٹ جاری کی جائے۔ جس میں سابقہ جاری کردہ رپورٹ کے اثرات کا جائزہ لیا جائے اور یورپی کمیشن کی جانب سے یورپی یونین کے لئے تیار اور پیش کردہ رپورٹ جس میں پاکستان کے بارے میں کل 27 کنونشنز پر عملدرآمد اور بالخصوص آئی ایل او کے آٹھ بنیادی لیبر معیارات پر عملدرآمد کے سلسلہ میں جو بحث کی گئی ہے اور جو نتائج نکالے گئے ہیں اس کا سرسری جائزہ لیا جائے اور اس کے اہم نکات کو رپورٹ کا حصہ بنایا جائے، تا کہ تمام متعلقہ فریقین، ٹریڈ یونینز، فیڈریشنز اور دیگر وہ حلقے جو ان امور سے دلچسپی رکھتے ہوں اس کے مندرجات سے آگاہ ہو سکیں اور اس امر کا اندازہ ہو سکے یورپی کمیشن جی ایس پی پلس کی شرائط پر عملدرآمد کے حوالے سے کس قدر سنجیدگی کے ساتھ نگرانی کا عمل جاری رکھے ہوئے ہے اور وہ کن معلومات پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی رپورٹ مرتب کرتا ہے۔

جہاں تک پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی سابقہ رپورٹ کے اثرات کا تعلق ہے تو اس رپورٹ کے مندرجات کو جی ایس پی پلس سے دلچسپی رکھنے والے تمام حلقوں میں پذیرائی ملی اور اس کاوش کو سراہا گیا اور اس رپورٹ میں مزدوروں، ٹریڈ یونینز اور فیڈریشنز کے لئے کافی ایسا معلوماتی مواد موجود تھا۔ جس سے ان کے شعور اور آگہی میں اضافہ ہوا اور وہ اس سے بہتر استفادہ کرتے ہوئے جی ایس پی پلس کے حوالے سے مزدوروں کو بہتر مراعات دلوانے ان کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرنے اور ان کو ریلیف دلوانے کی کوششوں میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

توقع تھی کہ جی ایس پی پلس کے حوالے سے رواں مالی سال میں پاکستان کی یورپی ممالک کو برآمدات سابقہ سال سے زیادہ ہونا چاہئیں تھیں اور ان سے ملک کو زیادہ زرمبادلہ کمانے کا موقع میسر تھا، لیکن بہت سی وجوہات کی بنا پر سال 16-2015ء میں صرف 20.802 بلین ڈالر مالیت کی برآمدات ہوسکیں، جبکہ گزشتہ مالی سال 15-2014ء میں ان کی مالیت 23,667 بلین ڈالر تھی اسی طرح ان کی مالیت میں 12 فیصد کمی واقع ہوئی، اگر چہ یہ عین ممکن ہے کہ بعض مصنوعات کی برآمدات پہلے سے کچھ بڑھی ہوں، لیکن مجموعی صورتحال کچھ زیادہ حوصلہ افزا نہیں رہی اور حکومت اور متعلقہ حلقوں کو اس بارے میں سنجیدگی سے غور کرنے اور ان وجوہات کو ترجیحی بنیادوں پر دور کرنے کی ضرورت ہے جو برآمدات میں کمی کا سبب بنیں۔

اس عرصہ میں حکومت پنجاب کی جانب سے بچوں کی مشقت اور جبری مشقت کے حوالے سے حساسیت میں اضافہ ہوا اور اس کے خاتمے کے لئے ٹھوس منصوبہ بندی اور عملی کام کیا گیا ہے۔ جو کہ یقیناً ایک مثبت قدم اور قابل ستائش ہے۔

اس رپورٹ کی ترتیب اس طرح سے ہے کہ اس کے ابتدائی حصے میں پاکستان ورکرز کنفیڈریشن (PWC) اور یورپی کمیشن کی گزشتہ رپورٹ کا مختصراً جائزہ لیا گیا ہے۔ حصہ دوم میں قوانین محنت کے حوالے سے قومی اور صوبائی سطح پر قانونی معاملات پر حکومتی پیش رفت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ساتھ ہی انتظامی معاملات میں خصوصاً وفاقی اور صوبائی محکمہ محنت کی استعداد کارکردگی اور لیبر انسپکشن کی صورتحال کو موضوع بنایا گیا ہے۔ چند کیس اسٹڈیز کے ذریعے چیدہ چیدہ شعبوں میں مزدور کے حالات کار اور مزدور مفادات کے مخالف پالیسی کا خصوصی تجزیہ کیا گیا ہے۔ حصہ سوم میں ایک سروے کی مدد سے پنجاب کے برآمداتی شعبے کے حوالے سے تین شہروں فیصل آباد، لاہور اور سیالکوٹ میں مزدوروں کے بنیادی حق تنظیم سازی اور اجتماعی سودا کاری پر زیادہ توجہ دی گئی ہے ساتھ ہی سوشل سیکورٹی اور ای او بی آئی میں مزدوروں کی رجسٹریشن اور لیبر انسپکشن کے معاملات کو سامنے لایا گیا ہے۔ سرکاری اداروں کی نجکاری اور اس کے مزدوروں اور ٹریڈ یونینز پر اثرات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ تا کہ یکطرفہ طور پر کی جانے والی نجکاری کے مضمرات سے آگاہی ہو سکے اور مزدوروں کے موقف کو بھی وزن دیا جائے۔

وقت اور وسائل کی کمی کے باعث دوسرے صوبوں کا اس رپورٹ میں تفصیلی احاطہ ممکن نہ ہوسکا۔ یہ رپورٹ نسبتاً مختصر ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اگلی دوسالہ رپورٹ زیادہ مفصل اور پاکستان بھر کے تمام مزدوروں کو درپیش مسائل اور مشکلات اور ٹریڈ یونینز تحریک کی صورتحال اور جی ایس پی پلس کے حوالے سے آٹھ بنیادی لیبر معیارات پر عملدرآمد اور اس کے مزدوروں پر اثرات کا بھرپور احاطہ کرے گی۔

اس رپورٹ کی تیاری اور اشاعت کے سلسلہ میں فریڈرک ایبرٹ اسٹفٹنگ (Friedrich Ebert Stiftung) کے پاکستان آفس کا پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کو بھرپور عملی تعاون میسر رہا ہے۔خصوصی طور پر ایف ای ایس(FES) کے پروگرام کوآرڈینیٹر اور ایڈوائزر جناب عبدالقادر کی تکنیکی مہارت شامل رہی ان کے عملی تعاون اور معاونت کے بغیر اس اہم کام کا پایہ تکمیل تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ رپورٹ کے مصنف محمد یعقوب ہیں اور شوکت علی چودھری ان کے معاون لکھاری ہیں۔ چودھری نسیم اقبال، ملک مختار اعوان اور سعد محمد نے ان کے ساتھ معاونت کرتے ہوئے رپورٹ کو حتمی شکل دی ہے۔

محمد ظہور اعوان

صدر، پاکستان ورکرز کنفیڈریشن

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی گزشتہ رپورٹ (2014-2015) کا سرسری جائزہ

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن (Pakistan Workers Confedration) جو کہ منظّم مزدوروں کی ایک وسیع اور نمائندہ تنظیم ہے جس میں صوبائی اور ملک گیر سطح کی 14 فیڈ ریشنز شامل ہیں کو بجا طور پر اس امر پر خوشی اور فخر ہے کہ کنفیڈریشن نے دسمبر 2015ء میں جی ایس پی پلس اور پاکستان کے مزدوروں کو درپیش مسائل اور مشکلات اور آئی ایل او کے آٹھ بنیادی لیبر معیارات پر عملدرآمد کی صورت حال کے حوالے سے ایک تفصیلی تحریری رپورٹ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر جاری کی اور یوں پاکستان کے منظّم وغیر منظّم تمام محنت کشوں کی ترجمانی کرنے کی کوشش کی۔

پاکستان کو یکم جنوری 2014ء سے 10 سال کے لئے جی ایس پی پلس کی رعایت کا حقدار قرار دیا گیا جس کی رو سے پاکستانی سرمایہ داروں کو یورپی یونین میں 6000 سے زائد اشیا بغیر کسی ڈیوٹی کے ایکسپورٹ کرنے کا حق حاصل ہو گیا اور دوسرے ممالک کے مقابلے میں ان کی مقابلاتی سکت بہتر ہونے کی بنا پر ان کے منافع میں اضافہ کا امکان بڑھا اور زیادہ زرمبادلہ کمانے کا بہتر موقع میسر آیا۔ رعایتی تجارت اور اس کا تسلسل ان 27 بین الاقوامی کنونشنز پر مؤثر عملدرآمد سے مشروط ہے، تاکہ جی ایس پی کے بنیادی مقاصد یعنی اچھی حکمرانی اور پائیدار ترقی کو ممکن بنایا جا سکے۔

لہٰذا حکومت پاکستان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ 27 بین الاقوامی کنونشنز پر مؤثر اور فوری عملدرآمد کو یقینی بنائے۔ ان میں سے اقوام متحدہ کے 7 انسانی حقوق کے کنونشنز ہیں۔ ماحولیات کے تحفظ کے 8 کنونشنز ہیں۔ بہتر حکمرانی وکرپشن کے خاتمے اور روک تھام کے 4 اور مزدوروں سے متعلقہ آئی ایل او کے 8 بنیادی لیبر کنونشنز شامل ہیں۔ پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی رپورٹ کو صرف آئی ایل او کے 8 بنیادی لیبر معیارات اور ان پر عملدرآمد کی صورت حال تک محدود رکھا گیا۔ یاد رہے کہ ان تمام 27 عالمی اور آئی ایل او کے کنونشنز کی حکومت پاکستان نے پہلے ہی توثیق کر رکھی ہے۔

کنفیڈریشن کی کمیٹی نے سب سے پہلے جی ایس پی پلس پر ایک معیاری کتابچہ شائع کر کے اس کو وسیع پیمانے پر تقسیم کیا تاکہ تمام یونینز فیڈ ریشنز اور دیگر متعلقہ حلقے جی ایس پی پلس کی رعایت اور اس کے ساتھ ریاست پاکستان کی ذمہ داریوں سے آگاہ ہو سکیں۔ ساتھ ایک معیاری سوالنامہ مرتب کر کے اہم صنعتی شہروں اور صنعتی علاقوں سے بذریعہ سروے زمینی حقائق تک پہنچنے کی کوشش کی۔

پاکستان کے مزدور طبقہ اور کنفیڈریشن کے لئے یہ امر باعث اطمینان ہے کہ ہماری گزشتہ سال جاری کردہ رپورٹ اور اس میں بیان کردہ حقائق کو تمام مزدور تنظیموں، سول سوسائٹی کی تنظیموں، حکومتی ایوانوں، صنعت کاروں، محکمہ محنت کے اہلکاروں اور دیگر دانشور حلقوں میں نہ صرف پڑھا گیا بلکہ اس کو وسیع پذیرائی ملی اور یوں متعلقہ فریقین کو بھی اس رپورٹ پر اپنی رائے کے اظہار پر مجبور ہونا پڑا۔ اگر ہم اس رپورٹ کے حوالے سے مختلف پہلوؤں پر غور کریں اور اس کی وجہ سے ہونے والے اثرات کا جائزہ لیں تو صورت حال کچھ یوں بنتی ہے۔

- ★ گزشتہ کئی عشروں پر مبنی عرصہ میں پاکستان کے مزدوروں اور ٹریڈ یونینز کی طرف سے یہ اپنی نوعیت کی اولین اور منفرد رپورٹ ہے۔ جس میں مزدوروں کو درپیش مسائل اور آئی ایل او کے 8 بنیادی معیارات پر عملدرآمد کی ناقص صورت حال کا بے لاگ تجزیہ کیا گیا ہے۔
- ★ اس رپورٹ نے یہ واضح کیا ہے کہ مزدور طبقہ ایک اہم فریق کی حیثیت سے تمام تر صورت حال سے بخوبی آگاہ ہے اور وہ حکومت اور آجروں کی بین الاقوامی ذمہ داریوں سے نابلد نہیں ہے کیونکہ ان ذمہ داریوں کو پوری کرنے کا براہ راست فائدہ مزدوروں کو ملتا ہے۔ اس لئے وہ حکومت اور آجروں کو اپنی ان بین الاقوامی ذمہ داریوں کا احساس دلاتا رہے گا۔
- ★ اس رپورٹ کی وجہ سے تمام متعلقہ فریقین اور بالخصوص مزدور تنظیموں کو جی ایس پی پلس اور آئی ایل او کے 8 بنیادی لیبر معیارات بارے بھرپور آگاہی ہوئی ہے اور وہ اپنے حقوق کے بارے میں پہلے سے زیادہ حساس ہوئے ہیں۔
- ★ کنفیڈریشن اور دیگر مزدور تنظیموں میں خود اعتمادی اور یہ احساس ابھرا ہے کہ وہ بھی بطور ایک فریق اپنا نقطہ نظر اہم ملکی اور بین الاقوامی اداروں تک پہنچا سکتے ہیں اور اس نقطہ نظر کی روشنی میں حکومت اور آجروں پر بین الاقوامی دباؤ بڑھ سکتا ہے۔ جس سے مزدوروں کے مسائل کے حل اور دادرسی کے امکانات بڑھ سکتے ہیں۔

- اس رپورٹ میں ان تمام بنیادی لیبر معیارات پر علیحدہ علیحدہ بحث کی گئی ہے اوران پر عملدرآمد کی ناقص صورت حال اور آجروں اور حکومتی گٹھ جوڑ کی بے لاگ نشان دہی کی گئی ہے اوران پر عملدرآمد کو کیسے یقینی بنایا جاسکتا ہے اس بارے میں ٹھوس تجاویز دی گئی ہیں۔

- تنظیم سازی اور اجتماعی سوداکاری کے حوالے سے مختلف رکاوٹوں اور آجروں کی طرف سے منفی حربوں اور ہتھکنڈوں کا ذکر کیا گیا ہے اورواضح کیا گیا ہے کہ نئی تنظیمیں کیوں وجود میں نہیں آرہیں۔ نیز مزدوروں کے عمومی بنیادی اورلازمی حقوق جن میں ملازمتوں کا تقرری نامہ، ای او بی آئی اور سوشل سکیورٹی میں رجسٹریشن، مستقل نوعیت کی ملازمتوں پر نام نہاد ٹھیکیداری نظام، عارضی و دہاڑی دار مزدوروں کی بھرتی اور ایسے ہی دیگر ہتھکنڈوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کی وجہ سے مزدوروں کو تنظیم سازی میں شدید مشکلات کا سامنا ہے اور مزدوروں کو مختلف خانوں میں بانٹ کر ان کی اجتماعی قوت کو منتشر کرنے کی منصوبہ بندی پر عملدرآمد ہو رہا ہے اور آجروں نے اپنی صوابدید کے مطابق ان کے درمیان اجرتوں اور مراعات کی تفریق پیدا کر رکھی ہے۔

- صنفی بنیادوں پر امتیازی رویوں اجرتوں اور مراعات میں تفاوت کا تفصیلی ذکر ہے۔ نیز اقلیتی مزدوروں کو بعض نچلے درجے کی ملازمتوں تک محدود رکھنے اور مختلف دیگر تعصّبات کی بنیاد پر امتیازی رویوں کی عکاسی کی گئی ہے۔

- بچوں کی مزدوری اور جبری مشقت کا تفصیلی ذکر موجود ہے اوران کے منفی اثرات زیر بحث لائے گئے ہیں، جبکہ ان کے مکمل خاتمہ کے لئے ٹھوس تجاویز دی گئی ہیں۔

- تمام لیبر قوانین پر عملدرآمد کا بنیادی عنصر اور ذریعہ موثر لیبر انسپکشن ہے۔ لیبر انسپکشن پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ محکمہ لیبر کے ملازمین اور لیبر انسپکٹرز کی تعداد آج بھی وہی ہے جو 1972ء میں تھی، جبکہ صنعتی وتجارتی اور دیگر اداروں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے اور محکمہ کے اہلکاروں اور لیبر انسپکٹرز کے پاس بنیادی سہولتوں کا بندوبست بھی ناپید ہے جبکہ ان کی تعلیم وتربیت، لیبر انسپکشن کے لئے مطلوب جدید ساز وسامان اور طریقہ کار کی مکمل تربیت بھی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں حکومتوں کی سنجیدگی کا یہ عالم ہے کہ 10 سال تک لیبر انسپکشن پر پنجاب میں مکمل پابندی اور سندھ میں بھی غیر اعلانیہ پابندی رہی ہے جس سے صنعتکاروں کے حوصلے بڑھے ہیں اور انہوں نے من مانے طریقوں سے قوانین کو نظر انداز کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک میں پے درپے جان لیوا حادثات رونما ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ جس میں سینکڑوں مزدوروں کی جانیں ضائع ہوئی ہیں۔ بہتر لیبر انسپکشن کے لئے رپورٹ میں ٹھوس اور جاندار تجاویز دی گئی ہیں۔ جن میں ایک مرکزی اتھارٹی کے تحت لیبر انسپکشن کا علیحدہ اور خودمختار شعبہ جس میں اعلیٰ تعلیم یافتہ پیشہ ور اور بہتر تنخواہوں اور مراعات پر لیبر انسپکٹرز کی بھرتی اوران کی باضابطہ تربیت اور ان کو اپنی صوابدید کی بنیاد پر کسی بھی لیبر انسپکشن کی مکمل آزادی اور تمام موجود صورتحال کی بلاروک ٹوک مکمل رپورٹنگ کا طریقہ کار تجویز کیا ہے۔

- گزشتہ کئی دہائیوں سے ملک میں غیر رسمی شعبے کے مزدوروں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ آج ان کی تعداد 73 فیصد کے قریب ہے ان مزدوروں کی تنظیم سازی ان پر لیبر قوانین کے اطلاق اوران کو رسمی شعبے کے مزدوروں کی طرح سماجی تحفظ کی اسکیم میں لانے کے بارے میں تفصیلی تجاویز موجود ہیں اوران مزدوروں کی تنظیم سازی کے لئے پیشہ ورانہ بنیاد پر شعبہ جاتی (Sector-Wise) اور عمومی (General) مزدور تنظیموں کی تشکیل کی قانون سازی پر زور دیا گیا ہے۔

- مزدوروں کے لئے نہایت ہی اہم سماجی تحفظ کے اداروں جن میں سوشل سکیورٹی، ای او بی آئی اور ورکرز ویلفیئر فنڈ کے ناقص انتظام، ان میں موجود خامیوں، ناقص منصوبہ بندی ان میں بے جا حکومتی صوابدیدی اختیارات اوراس کے نتیجے میں رشوت ستانی اور مزدوروں کے ان اہم ترین اداروں کی بھاری رقوم کا ذیاں زیر بحث لایا گیا ہے۔ ان اداروں کی تمام تر آمدن آجروں اور مزدوروں کی طرف سے ادا کردہ چندہ پر منحصر ہے، لیکن ان کی تمام تر ملکیت حکومت کے پاس ہے اور وہ مزدوروں اور آجروں کے نمائندے بھی اپنی مرضی سے منتخب کر کے کارروائی مکمل کرتی ہے جس سے ان اداروں سے مزدوروں کو بے شمار شکایات اور مشکلات ہیں ان میں بہتری لانے کے لئے تجاویز دی گئی ہیں۔

- لیبر عدلیہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے اور مزدوروں کے مقدمات کی طوالت اور انصاف کے حصول میں مشکلات اور رکاوٹوں کا ذکر ہے۔ نیز تجویز کیا گیا ہے کہ لیبر عدلیہ کو علیحدہ منظم کیا جائے اور ایسے حاضر سروس جج مقرر کئے جائیں جو لیبر قوانین اور بین الاقوامی سطح پر لیبر کنونشنز میں ہونے والی

تبدیلیوں اور رجحانات پر عبور رکھتے ہوں۔ نیز ورکر سے متعلقہ مقدمات ترجیحی بنیادوں پر کم از کم ممکنہ عرصہ میں نبٹائے جائیں۔

- مزدوروں کے بارے میں مختلف بڑی سیاسی پارٹیوں کے رویہ کے بارے میں ان کے مختلف الیکشنوں کے منشور سے چیدہ چیدہ نکات تحریر کئے گئے ہیں، تاکہ مزدوران کے دعوؤں کی حقیقت پہچان سکیں اوران کے تحریری منشوراوراس پرعملی اقدامات میں موجودفرق کومحسوس کرسکیں۔

رپورٹ کے آخر میں مزدور تنظیموں، ٹریڈ یونینز فیڈریشنز اور کنفیڈریشن کے لئے اگلے دوسال (17-2016ء) کے لئے ایجنڈا اوراہداف کا تفصیلی ذکر ہے۔اسی طرح مختلف متعلقہ فریق جی ایس پی پلس کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں کیسے پوری کر سکتے ہیں اس سلسلے میں مفصل تجاویز اور لائحہ عمل تجویز کیا گیا ہے۔اس رپورٹ کا مفصل مسودہ اردو میں شائع کیا گیا ہے تاکہ تمام مزدور تنظیمیں اس سے استفادہ حاصل کرسکیں۔البتہ رپورٹ کا خلاصہ انگریزی زبان میں بھی شائع کیا گیا ہے تاکہ بین الاقوامی ادارے اور متعلقہ افراد پاکستان میں مزدوروں کو درپیش مسائل اور چیلنجز سے آگاہ ہوسکیں اور یورپی یونین اوران کے نمائندے جی ایس پی پلس کے حوالے سے بہتر نگرانی کرسکیں۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہماری یہ رپورٹ یورپی کمیشن اور یورپی پارلیمنٹ کے سامنے پیش ہوئی اور اس سلسلہ میں کنفیڈریشن کے مرکزی صدر جناب ظہور اعوان نے اس کو موثر انداز میں پیش کیا ہے۔جس کو بے پناہ پذیرائی ملی ہے اور اس کو بین الاقوامی سطح پر بھی بہت سے متعلقہ نمائندگان نے پڑھا ہے اوران کو پاکستان کے مزدوروں کو درپیش مسائل اور چیلنجز سے آگاہی ہوئی ہے۔اس کا بہترین ردعمل یہ ہوا ہے کہ یورپی یونین کے اعلیٰ سطح کے وفود کنفیڈریشن کے نمائندوں سے باضابطہ گفتگو کرتے ہیں اوران معلومات کی روشنی میں حکومت کی توجہ ان مسائل کی طرف دلاتے ہیں جو زیر بحث آئے ہوں۔

رپورٹ کے آخر میں جو اہم اور مرکزی نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔وہ یہ ہے کہ جب تک مزدور طبقہ کو آزادانہ طور پر یونین سازی اور اجتماعی سودا کاری کا مکمل حق میسر نہ ہو معمولی سے معمولی حقوق کا حصول بھی ناممکن اور آجروں کی من مرضی پر منحصر ہے۔ اس لئے سب سے اہم اور بنیادی کام تنظیم سازی کی آزادی اور اجتماعی سودا کاری کے حق کا حصول ہے۔جس کے بغیر بنیادی لیبر معیارات پر عملدرآمد کا خواب حقیقت کا روپ نہیں دھار سکتا اور نہ ہی جی ایس پی پلس کے بنیادی مقاصد حاصل ہوسکتے ہیں۔

جی ایس پی پلس کے اطلاق کے بعد یورپی کمیشن کی طرف سے پاکستان کے بارے میں جاری کردہ پہلی رپورٹ کے اہم نکات

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی رپورٹ کے فوراً بعد یورپی کمیشن نے پاکستان کے بارے میں جی ایس پی پلس کے سلسلہ میں کل 27 کنونشنز پر عملدرآمد کے بارے میں یورپی پارلیمنٹ کے لئے جنوری 2016ء میں رپورٹ جاری کی ہے۔اس میں موجود آئی ایل او کے آٹھ لیبر معیارات پر عملدرآمد کے حوالے سے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

رپورٹ کے مطابق 2010ء میں 18ویں آئینی ترمیم کے بعد لیبر معیارات پر عملدرآمد کی ذمہ داری صوبوں پر منحصر ہے، جبکہ مرکز میں اوورسیز پاکستانیز اور ہیومن ریسورس ڈیویلپمنٹ کی وزارت ان کی نگرانی کا فریضہ ادا کرتا ہے۔صوبوں میں قانون سازی کا عمل جاری ہے۔ پاکستان میں لیبر قوانین پر عملدرآمد ایک اہم مسئلہ ہے۔ 2006ء میں جو لیبر انسپکشن پالیسی لاگو کی گئی ہے۔ اس کے نتائج بہت محدود ہیں۔ 340 لیبر انسپکٹر پورے پاکستان میں کسی بھی طرح موثر لیبر انسپکشن نہیں کر سکتے اور ان پر بھی آجروں کے ساتھ ملی بھگت اور کرپشن کے الزامات ہیں۔نیدرلینڈ کی مالی معاونت کے ساتھ آئی ایل او کے تعاون سے لیبر انسپکشن کو مضبوط کرنے اور لیبر انسپکٹرز کی ٹریننگ اور تکنیکی سامان مہیا کرنے کا پروجیکٹ جاری ہے۔آئی ایل او(ILO) کے ساتھ باوقار روزگار (Decent Work) پروگرام کے تحت 2010-15ء تک آئی ایل او کا تکنیکی اور عملی تعاون میسر رہا ہے۔اس پروجیکٹ کے تحت چار شعبوں پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔

1- لیبر قوانین میں اصلاح
2- انسانی وسائل کی ترقی پر زور تا کہ مناسب ملازمتوں کا حصول ممکن ہو۔
3- سماجی تحفظ کی سکیمیں جن میں غیر رسمی شعبے بھی شامل ہوں۔
4- سماجی معاملات پر سہ فریقی مشاورت اور مذاکرات۔

تنظیم سازی اور اجتماعی سودا کاری (کنونشنز 87 اور 98)

★ سب سے پہلے ان ملازمین اور اداروں کا ذکر اور ان پر تحفظات کا اظہار کیا گیا۔جن کو ان کنونشنز کے دائرہ کار سے باہر رکھ کر تنظیم سازی سے محروم کیا گیا ہے۔جیسے بعض سرکاری اداروں کے ملازمین، لازمی سروس کی زد میں آنے والے شعبے، زرعی شعبہ، صحت تعلیم اور حفاظت کے شعبے (Security Sectors) کے ملازمین اور وہ ملازمین جو معاشی ٹریڈ زونز (Economic Trade Zones) میں ہوں۔

★ پھیلے ہوئے وسیع غیر رسمی شعبوں میں بھی ٹریڈ یونین نہیں بن سکتی، کیونکہ اس کے لئے کوئی قانونی فریم ورک اور انجمن سازی کے قوانین موجود نہیں ہیں۔

★ رسمی شعبوں میں بھی مزدوروں کو ملازمت کے تقرری نامے نہیں دیئے جاتے اور ان کی سماجی تحفظ کے اداروں میں رجسٹریشن نہیں ہوتی جس سے وہ یونین کے ممبر نہیں بن سکتے۔

★ تنظیم سازی کے عمل کو پیچیدہ بنا دیا گیا ہے اور محکمہ محنت میں یونینز کی رجسٹریشن کے لئے مطلوبہ اہلیت وصلاحیت کا فقدان ہے۔

★ محکمہ محنت اور مالکان کی ملی بھگت سے کاغذی (جعلی) یونینز کی رجسٹریشن کا رجحان ہے اور حقیقی نمائندہ یونین سازی سے مزدوروں کو دور رکھنے کے لئے منفی ہتھکنڈے روا رکھے جاتے ہیں۔

مرکزی حکومت نے صنعتی تعلقات کمیشن کو 2012ء میں بحال کر دیا ہے۔مرکز اور صوبوں میں سہ فریقی مشاورتی کونسلز بنائی گئی ہیں جو محنت کی منڈی کے مسائل پر بحث کرتی ہیں اسی طرح ورکرز ویلفیئر فنڈ، کم از کم اجرت کے ویج بورڈ سہ فریقی سطح پر قائم ہیں، جبکہ دو فریقی ادارہ ورکرز ایمپلائرز بائی لیٹرل کونسل پاکستان (Workers Employers Bilateral Council of Pakistan-WEBCOP) بھی موجود ہے۔

چاروں صوبوں میں صنعتی تعلقات ایکٹ نافذ ہو چکے ہیں۔ پنجاب میں 50 مزدوروں سے کم کام کی جگہوں پر ٹریڈ یونین کی پابندی کا خاتمہ ہو چکا ہے۔سندھ میں زرعی شعبہ اور ماہی گیری میں صنعتی تعلقاتی قانون(IRA) لاگو ہو چکا ہے اور پنجاب میں گھروں میں کام کرنے والے ملازمین کے بارے میں پالیسی سازی جاری ہے۔ ایک ڈومیسٹک ورکرز یونین رجسٹرڈ ہو چکی ہے۔پاکستان ورکرز کنفیڈریشن بھی باہمی اتحاد اور مشاورت سے لیبر معیارات پر عملدرآمد کے لئے کوشاں ہے۔

جبری مشقت (کنونشنز 29 اور 105)

- ★ پاکستان جدید غلامی کے انڈکس 2014ء میں دنیا میں تیسرے نمبر پر ہے۔
- ★ زرعی شعبہ، بھٹہ خشت، قالین بافی، ماہی گیری اور کان کنی وغیرہ میں جبری مشقت موجود ہے۔ بھٹہ مالکان پیشگی قرضوں کے ذریعے مزدوروں کو جبری مشقت میں جکڑ لیتے ہیں۔
- ★ جبری مشقت چاروں صوبوں میں موجود ہے۔بعض اندازوں کے مطابق بھٹہ خشت میں 10 لاکھ سے زائد اور زراعت میں 18 لاکھ سے زائد کارکن، خواتین اور بچے جبری مشقت کا شکار ہیں۔
- ★ آئی ایل او کی ایکسپرٹ کمیٹی نے مطالبہ کیا ہے کہ چاروں صوبوں میں جبری مشقت کے خاتمہ کے لئے قانون سازی کی جائے۔
- ★ خیبر پختونخواہ میں جبری مشقت، ابالیشن ایکٹ 2015ء پاس کیا گیا ہے جو قرضوں تلے جکڑے ملازمین پر سے جبری مشقت کا خاتمہ کرتا ہے۔ پنجاب میں یہ ایکٹ منظوری کے آخری مراحل میں ہے۔
- ★ بلوچستان اور سندھ میں ایسی نئی پالیسیاں جیسا کہ پنجاب لیبر پالیسی برائے گھروں میں رہ کر کام کرنے والے ملازمین اور اس گروپ میں تشکیل کردہ نئی یونین جبری مشقت کی صورتحال میں بہتری لانے میں کردار ادا کرسکتی ہیں۔
- ★ پنجاب میں وزیر اعلیٰ نے جبری مشقت اور بچوں کی مشقت کے مکمل خاتمہ کا عہد کیا ہے اور صوبائی محکمہ محنت نے 50 ملین ڈالر کا پروجیکٹ شروع کیا ہے۔جس سے بھٹہ خشت اور زراعت میں سے اس مسئلے کو حل کیا جائے گا۔
- ★ بلوچستان نے بھی اسی طرز کا پروجیکٹ تشکیل دیا ہے اور اپنے بجٹ سے 400,000 روپے مختص کئے ہیں اور مرکزی حکومت اور آئی ایل او سے امداد کی درخواست کی ہے۔

بچوں کی مشقت کی بدترین شکلیں اور کام کرنے کی کم از کم عمر (کنونشنز 138 اور 182)

- ★ 1996ء کے سروے کے مطابق پاکستان میں 33 لاکھ کم عمر بچے مزدوری کر رہے تھے۔
- ★ بچوں کی مشقت ملک کے چاروں صوبوں میں موجود ہے، اگرچہ اس میں کمی کا رجحان ہے۔
- ★ بدترین شکل کی بچوں کی مشقت کے اعداد و شمار ناپید ہیں، تاہم یہ تمام ملک میں موجود ہے بالخصوص زراعت اور بھٹہ خشت میں۔
- ★ آئی ایل او کی ایکسپرٹ کمیٹی نے پاکستان سے مطالبہ کیا ہے کہ 14 سال سے کم عمر بچوں کی ہر قسم کی مزدوری پر اور 18 سال سے کم عمر بچوں کو مضر صحت قسم کے کاموں پر موثر پابندی لگائے۔
- ★ مرکزی حکومت نے ایک فوکل پرسن مقرر کیا ہے جو کہ مرکزی اور صوبائی سطح پر بچوں کی مشقت اور جبری مشقت پر ہونے والے تمام سابقہ کام سے آگاہی اور ریکارڈ مرتب کرے۔ پاکستان سے بچوں کی مشقت کے خاتمہ کی حکمت عملی وضع کرے اور صوبائی حکومتوں کو قانون سازی اور سروے کی ترغیب دے۔
- ★ مرکزی سطح پر ایمپلائمنٹ آف چلڈرن ایکٹ، 1991ء کی شکل میں موجود ہے۔جو ہر قسم کی بچوں کی مشقت پر پابندی لگاتا ہے۔
- ★ صوبے بھی اس بارے میں قانون نافذ کر رہے ہیں۔خیبر پختونخواہ حکومت نے بچوں کی مشقت کے خاتمہ کے لئے قانون سازی کے ساتھ لیبر انسپکشن کیلئے فنڈز مختص کئے ہیں، تاکہ خصوصی طور پر بچوں کی مشقت پر پابندی کی نگرانی کی جاسکے۔
- ★ صوبہ پنجاب میں یہ بل کابینہ کے سامنے پڑا ہے۔سندھ اور بلوچستان میں ابھی معرض التوا میں ہے۔

امتیازی سلوک کا خاتمہ (کنونشنز نمبر 180 اور 111)

- ★ مساوی مواقع اور ایک ہی طرح کی ملازمتوں میں مرد و خواتین کارکنان میں غیر مساوی سلوک اور صنفی امتیازات موجود ہیں۔
- ★ بہتر ملازمتوں تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے خواتین کم پیداواری زرعی شعبوں میں کام کرنے پر مجبور ہیں۔خواتین کارکنوں کو تعلیم کی کمی اور بیروزگاری اور یکساں کام کے یکساں معاوضہ جات جیسے چیلنجز درپیش ہیں۔
- ★ سرکاری شعبہ سے باہر خاص قانونی فریم ورک کی عدم موجودگی کی وجہ سے نجی شعبوں میں معاوضوں میں خاصا امتیاز موجود ہے۔جس کی طرف آئی ایل او کی ایکسپرٹ کمیٹی نے بھی نشاندہی کی ہے۔ اس سلسلے میں کچھ پیش

رفت بھی قابل ذکر ہے، مرکزی حکومت نے سہ فریقی مشاورت سے 2015ء میں امتیازی سلوک کے خلاف ایک ماڈل قانون تیار کیا ہے، تا کہ صوبائی حکومتیں اس کو منظور کرواسکیں۔

- ★ وفاقی محتسب سیکرٹریٹ، پاکستان ورکرز فیڈریشن اور ایمپلائیرز فیڈریشن نے اس سلسلے میں آگہی مہم کے لئے کئی ایک سیمینارز منعقد کئے ہیں۔
- ★ تمام صوبوں نے صنفی مسائل پر ایک فوکل پرسن مقرر کیا ہے، جو دیگر محکموں کے ساتھ صنفی مسائل پر مربوط کوشش جاری رکھے گا۔
- ★ حکومت پنجاب نے گھروں میں کام کرنے والے ملازمین کے بارے میں پالیسی مسودہ مکمل کرلیا ہے اور پنجاب میں ڈومیسٹک ورکرز یونین رجسٹرڈ ہو چکی ہے جس میں 90 فیصد خواتین ہیں۔
- ★ کام کی جگہ پر ڈے کیئر سنٹر(Day Care Centers) کا قیام، عورتوں کے سماجی رتبہ بارے صوبائی کمیشن کا قیام اور عورتوں کی مناسب نمائندگی کا ایکٹ 2014ء پنجاب میں اس بارے اہم پیش رفت کا اظہار کرتے ہیں۔
- ★ ہائرایجوکیشن کمیشن 9 قومی یونیورسٹیوں کے بزنس اور میڈیا کے نصاب میں صنفی امتیازات کو شامل کرنے پر کام کر رہا ہے۔
- ★ 750 صحافی اور ایڈیٹرز کو صنفی حساسیت کی رپورٹنگ کی تربیت دی گئی ہے۔ جس سے امتیازی رویوں اور کام کی جگہ پر جنسی طور پر ہراساں کرنے اور صنفی امتیاز کے خاتمہ کو مزید تقویت دے گی۔

رپورٹ کے مطابق پاکستان میں مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کے بارے میں بہت سنجیدہ مسائل درپیش ہیں۔ مستقبل کی ترجیحات کے حوالے سے جو قوانین موجود نہیں۔ ان کا اجراء اور دوسرا موجود قوانین اور آئندہ بننے والے قوانین پر عملدرآمد میں بہتری لانے کی فوری ضرورت ہے۔ یہ تمام قوانین آٹھ بنیادی لیبر معیارات سے ہی متعلقہ ہیں۔ ٹریڈ یونینز کی تعداد اور اجتماعی سوداکاری کی کوریج بہت ہی کم ہے مزدوروں کا ایک بہت کم حصہ ٹریڈ یونینز میں منظّم ہے اور فیڈریشنز کے سامنے بڑے اہم چیلنجز ہیں کہ کس طرح نئی یونینز کو رجسٹرڈ کروایا جاسکے اور کارکنان کے حقوق اور مفادات کا تحفظ کیا جاسکے اور حق ہڑتال کا استعمال کیا جا سکے۔ اگرچہ پاکستان میں جبری مشقت غیر قانونی ہے پھر بھی 2014ء کے گلوبل سلیوری انڈکس(Global Slavery Index) کے مطابق کئی لاکھ جبری مشقت کرنے والے موجود ہیں۔ اس کے علاوہ بچوں سے بھی چاروں صوبوں میں مشقت لی جاتی ہے۔ صنفی امتیاز کا فرق اپنی جگہ موجود ہے اور خواتین ورکرز کے حقوق کے لئے زیادہ اور بہتر عمل کی ضرورت ہے۔ اس امر کو ترجیح دینی چاہئے کہ موجودہ کوششوں کے ساتھ مستقبل میں کوششوں کو مزید تیز اور مربوط کیا جائے، تا کہ جی ایس پی پلس کے پہلے دو سالوں میں جن خامیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی ہوئی ہے ان پر قابو پایا جاسکے۔

کچھ اندازوں کے مطابق جی ایس پی پلس تمام متعلقہ فریقین کے لئے ایک ترغیبی عنصر ہے جو ان کو آئی ایل او کے بنیادی معیارات پر عملدرآمد کی طرف راغب کر رہا ہے۔ حکومت، صنعت کاروں اور مزدور تنظیموں نے جی ایس پی پلس کا خیر مقدم کیا ہے، جو ایک مفید عنصر کے طور پر محنت کی منڈی میں تمام فریقین کے درمیان تعاون بڑھانے اور باہمی بات چیت اور مذاکرات پر آمادہ کرتا ہے۔

آئی ایل او کی ایکسپرٹ کمیٹی (Committee of Experts on the Application of Conventions and Recommendations) کی طرف سے حکومت پاکستان سے مطلوب وضاحتیں اور معلومات

آئی ایل او کی ایکسپرٹ کمیٹی (CEACR) نے 2016ء میں حکومت پاکستان سے بعض اہم کنونشنز پر عملدرآمد کی صورتحال بارے بعض وضاحتیں اور معلومات طلب کی ہیں جو کہ مختصراً حسب ذیل ہیں۔

لیبر انسپکشن کنونشن نمبر 81

- ★ حکومت واضح کرے کہ مرکزی اتھارٹی کے تحت صوبوں میں باہمی تعاون اور مربوط انداز میں لیبر انسپکشن کی صورتحال کیا ہے اور مرکزی سطح پر لیبر انسپکشن کا خاکہ اور ترجیحات کیا ہیں۔ نیز اس سلسلے میں دیگر سوشل پارٹنرز آجر اور اجیر کو اعتماد میں لے کر ان کی موثر شرکت کو یقینی بنایا گیا ہے تو اس میں ان کا کردار کیا ہے۔
- ★ حکومت صوبہ سندھ میں مشترکہ ایکشن پلان پر عملدرآمد جاری رکھے اس بارے میں صحت وسلامتی کی پالیسی کو موثر بنانے کے لئے نئے قوانین کو کس حد تک اپنایا گیا ہے۔ حکومت یہ بھی مطلع کرے کہ نجی ادارے اور فرمز جو اداروں کا معائنہ کرکے سرٹیفکیٹ جاری کرتی ہیں۔ کتنی تعداد میں ہیں ان کا دائرہ کار کیا ہے اور کتنے اداروں کا معائنہ کرکے سرٹیفکیٹ جاری کرتی ہیں۔
- ★ حکومت مطلع کرے کہ صوبوں میں لیبر انسپکشن پر عملدرآمد میں رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے کیا اقدامات بروئے کار لائے گئے ہیں۔ نیز یہ بھی واضح کیا جائے کہ لیبر انسپکٹرز کو روکنے کے کتنے واقعات ہوئے ہیں اور رکاوٹوں کے ذمہ دار لوگوں کے خلاف کیا تادیبی کاروائی یا جرمانوں کی سزا ہوئی ہے۔

مساوی کام کے مساوی معاوضہ کا کنونشن نمبر 100

- ★ حکومت اس کنونشن پر عملدرآمد کے سلسلے میں عملی پیش رفت سے مطلع کرے اور اس سلسلہ میں سہ فریقی مشاورتی کمیٹی نے جو اقدامات اٹھائے ہوں وہ واضح کئے جائیں۔
- ★ حکومت اس امر کو مدنظر رکھے کہ خیبر پختونخواہ حکومت پے منٹ آف ویجز ایکٹ میں تنخواہ کی تعریف میں مساوی کام کے مساوی کا معاوضہ کے اصول پر امر پیرا ہے۔
- ★ حکومت مطلع کرے کہ خیبر پختونخواہ حکومت کی طرف سے پے منٹ آف ویجز ایکٹ میں تنخواہوں میں صنفی امتیاز کے خاتمہ کے لئے کن وجوہات اور عناصر کو مدنظر رکھا گیا ہے اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ یہ بھی واضح کیا جائے کہ دیگر صوبوں میں قانون سازی میں مرد اور خواتین کارکنوں کے امتیازی معاوضوں اور فرق کو ختم کرنے کے لئے کیا اقدامات کئے گئے ہیں، اگر کام مختلف نوعیت کے ہوں لیکن ان کی قدر یکساں ہو تو کیا مساوی معاوضوں کے اصول کو لاگو کیا ہے۔ نیز اس اصول کا اطلاق سرکاری اور نجی اداروں دونوں پر یکساں لاگو کیا گیا ہے۔
- ★ حکومت اس امر سے بھی مطلع کرے کہ خیبر پختونخواہ حکومت کم از کم اجرت مقرر کرنے میں کسی قسم کے صنفی امتیاز سے بالاتر ہو کر فیصلہ کرے اور صنفی امتیاز سے مبرا ہو کر کم از کم اجرتوں کے تعین کو یقینی بنائے۔
- ★ حکومت اس امر کے لئے مناسب اقدامات کرے کہ تمام صوبے قانون سازی میں خواتین کے کام کو تسلیم کریں اور اس سلسلے میں ہونے والی پیش رفت کو کمیٹی کے علم میں لایا جائے۔ نیز صوبائی ویمن ڈویلپمنٹ ڈیپارٹمنٹس نے سرکاری اور نجی اداروں میں ان اصولوں کو لاگو کرنے کے لئے جو اقدامات اٹھائے ہوں۔ ان کو واضح کیا جائے۔

ملازمتوں اور پیشوں میں امتیازی سلوک کا کنونشن نمبر 111

- ★ حکومت اس امر کو مدنظر رکھے کہ سہ فریقی مشاورتی کمیٹی کے تحت مرکز اور صوبوں میں ہونے والی نئی قانون سازی میں براہ راست یا بالواسطہ ایسے قوانین نہ بنیں جن میں مزدوروں کی ملازمتوں اور پیشوں میں کسی قسم کے امتیازات روا رکھے جائیں اور ملازمتوں اور پیشوں میں بھرتی کرنے

میں سیاسی وابستگی، نسلی ولسانی یا قومی امتیازات کو مدنظر نہ رکھا جائے اور اس بارے میں ہونے والی پیش رفت سے کمیٹی کو آگاہ رکھا جائے۔

- ★ حکومت خواتین ورکرز کو کام کی جگہ پر جنسی طور پر ہراساں کرنے اور ان کے تحفظ کے لئے کئے گئے اقدامات سے مطلع کرے اور حکومت پنجاب نے جو کام کی جگہ پر جنسی طور پر ہراساں کرنے کے حوالے سے ایکٹ 2010ء منظور کیا ہے۔ دوسرے صوبے بھی اس طرح قانون سازی کریں تاکہ مرد وخواتین کارکنوں کو جنسی طور پر ہراساں کرنے کے خلاف تحفظ مہیا ہو سکے۔ نیز یہ بھی مطلع کیا جائے کہ اس حوالے سے کتنی شکایات سامنے آئی ہیں اور ان کا کیا مداوا کیا گیا ہے اور ان کے ذمہ دار عناصر کے خلاف کیا پابندیاں لگائی گئی ہیں۔ مزید یہ کہ صوبائی ویمن ڈویلپمنٹ ڈیپارٹمنٹس نے اس سلسلہ میں عوامی سطح پر آگاہی مہم کو کس قدر بڑھاوا دیا ہے۔
- ★ حکومت اعداد و شمار سے مطلع کرے کہ عورتوں کی لیبر مارکیٹ میں شرکت کی صورتحال کیا ہے اور کتنی خواتین غیر رسمی شعبوں سے رسمی شعبوں میں داخل ہوسکی ہیں۔ حکومت لیبر مارکیٹ میں خواتین کی شرکت کو بڑھانے کے لئے خصوصی اقدامات کرے۔ نیز ڈومیسٹک ورکرز (ایمپلائمنٹ اینڈ رائٹس بل 2013ء) کو منظور کرنے کے سلسلے میں جو بھی معلومات ہوں کمیٹی تک پہنچائی جائیں۔
- ★ حکومت نے غیر مسلم اقلیتوں کے لئے مرکزی اور صوبائی سطح پر ملازمتوں کا جو کوٹہ مقرر کیا ہے۔اس کے اثرات سے مطلع کرے اس سلسلے میں اقلیتی مزدوروں مرد وخواتین کارکنان کو جن شعبوں میں ملازمتوں پر رکھا گیا ہے ان سے آگاہ کرے۔ حکومت یہ بھی مطلع کرے کہ اس سلسلے میں مرکزی سطح پر سہ فریقی مشاورتی کمیٹی نے کون سی سہولیات مہیا کی ہیں اور کیا اقدامات اٹھائے ہیں۔ آخر میں کمیٹی مطلع کرے کہ کن لوگوں کو شیڈولڈ کاسٹ (Scheduled Cast) سمجھا جاتا ہے۔ نیز یہ بھی واضح کیا جائے کہ ان میں غیر مسلم کتنے ہیں۔
- ★ حکومت بذریعہ اعداد و شمار مطلع کرے کہ ذات پات یا جنس کی بنیاد پر ملازمتوں میں پر پابندی کے قانون کے دلت(Dalits) لوگوں پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ کمیٹی اس سلسلے میں یہ بھی جاننا چاہتی ہے کہ مرکزی اور صوبائی حکومتوں نے دلت لوگوں کو محنت کی منڈی میں شرکت بارے میں امتیازی رویوں کے خلاف کیا اقدامات اٹھائے ہیں اور مرکزی سہ فریقی کمیٹی کا اس میں کیا کردار ہے۔
- ★ کمیٹی حکومت سے توقع کرتی ہے کہ وہ تمام اقلیتوں اور احمدیوں کے خلاف برداشت کے رویوں کو بڑھاوا دینے کے لئے فوری قانونی اور انتظامی اقدامات اٹھائے اور اس سلسلہ میں جو بھی پیش رفت ہو اس سے کمیٹی کو مطلع کرے نیز کمیٹی ایک بار پھر اس امر کا اعادہ کرتی ہے کہ وہ مذہبی اقلیتوں کی ملازمتوں تک رسائی کی صورتحال سے مطلع کرے جیسا کہ آئین کی شق نمبر 260(3)(b) میں واضح کیا گیا ہے۔

باب 1: صوبائی آئینی منتقلی اور شعبہ محنت کے معاملات

آئین پاکستان میں انسانی حقوق بشمول محنت کشوں کے حقوق کی ضمانت موجود ہے۔ پاکستان نے آئی ایل او کے 36 کنونشنز کی توثیق کر رکھی ہے۔جن میں سے 33 کنونشنز لاگو ہیں جن میں مزدوروں کے بارے میں آٹھ بنیادی لیبر معیارات بھی شامل ہیں۔2010ء میں 18ویں ترمیم کے بعد لیبر قوانین کے اجراء کی ذمہ داری صوبوں کو سونپ دی گئی اور مرکزی لیبر قوانین مرکزی دارالخلافہ اسلام آباد اور وفاق کے زیرانتظام قبائلی علاقوں تک محدود ہو گئے ہیں۔18ویں ترمیم کے بعد صوبوں میں جو قانون سازی ہوئی ہے۔ذیل میں ان کی تفصیل درج ذیل کی جارہی ہے۔

پنجاب

18ویں آئینی ترامیم کے بعد صوبوں میں قانون سازی کے بعد صوبہ پنجاب نے سب سے زیادہ لیبر قوانین سابقہ مرکزی قوانین سے ہی اپنائے (Adapt) ہیں، جبکہ صنعتی تعلقاتی ایکٹ(PIRA) 2010ء کی صورت میں نیا قانون بنایا اور لاگو کیا ہے۔اس کے علاوہ 2016ء میں بچوں کی مزدوری اور جبری مشقت کے خاتمہ کے لئے دو اہم قوانین بنائے اور لاگو کئے گئے ہیں۔ان میں ایک قانون دی پنجاب، پروہبیشن آف چائیلڈ لیبرایکٹ برک کلن آرڈیننس 2016ء ہے۔صوبہ پنجاب نے ابھی تک جو قوانین نافذ کئے ہیں۔وہ درج ذیل ہیں۔

جدول 1.1:صوبہ پنجاب میں نافذ کردہ قوانین محنت

- ★ پنجاب انڈسٹریل ریلیشن ایکٹ 2010ء
- ★ دی فیکٹریز(ترمیمی) ایکٹ 2012ء
- ★ دی پنجاب انڈسٹریل اینڈ کمرشل ایمپلائمنٹ(سٹینڈنگ آرڈر)(ایمنڈمنٹ)2012ء
- ★ دی ایمپلائمنٹ(ریکارڈ آف سروسز)ایمنڈمنٹ ایکٹ 2011ء
- ★ دی منی مم ویجز(ایمنڈمنٹ) ایکٹ 2012ء
- ★ دی روڈ ٹرانسپورٹ ورکرز(ایمنڈمنٹ) ایکٹ 2012ء
- ★ دی ایمپلائمنٹ آف چلڈرن(ایمنڈمنٹ) ایکٹ 2011ء
- ★ دی پنجاب بانڈڈ لیبر سسٹم(ابالیشن)(ایمنڈمنٹ) ایکٹ 2012ء
- ★ دی پنجاب میٹرنٹی بینی فٹس(ایمنڈمنٹ) ایکٹ 2012ء
- ★ دی پنجاب ورک مینز کمپن سیشن(ایمنڈنٹ) ایکٹ 2013ء
- ★ دی پنجاب ایمپلائز سوشل سکیورٹی(ایمنڈمنٹ) ایکٹ 2013ء
- ★ دی پنجاب پے منٹ آف ویجز(ایمنڈمنٹ) ایکٹ 2014ء
- ★ دی پنجاب منی مم ویجز فار ان سکلڈ ورکرز(ایمنڈمنٹ) آرڈیننس 2013ء
- ★ ایمپلائز کاسٹ آف لونگ(ریلیف)(ایمنڈمنٹ) ایکٹ 2013ء
- ★ دی پنجاب شاپ اینڈ اسٹیبلشمنٹس(ایمنڈمنٹ) آرڈیننس 2014ء
- ★ دی پنجاب پروہبشن آف چائیلڈ لیبرایٹ برک کلن آرڈیننس 2016ء
- ★ دی رسٹرکشن آف ایمپلائمنٹ آف چلڈرن آرڈیننس 2016ء

یہ تمام قوانین سابقہ مرکزی قوانین سے ماخوذ ہیں۔صرف Punjab PIRA) (Industrial Relation Act میں ابتدا میں 50 مزدوروں تک یونین بنانے کی پابندی تھی جو بعد میں ختم کر دی گئی اور اب یونین کی مجلس عاملہ میں اسی نسبت سے خواتین کارکن شامل ہوں گی جتنی کہ ادارہ میں ان کی مکمل تعداد ہے۔ان میں ایک قانون دی پنجاب پروہبیشن چائیلڈ لیبرایکٹ برک کلن آرڈیننس 2016ء ہے۔اس آرڈیننس کی شکل میں بچوں سے جبری مشقت کے خاتمہ اور بھٹہ خشت پر دی جانے والی پیشگی رقوم کو قانونی شکل دی گئی ہے(اگرچہ عدالت عظمیٰ کے فیصلے کے مطابق ہر قسم کی پیشگی رقم دینے پر پابندی ہے)۔اس کے علاوہ بچوں کی ملازمت پر پابندی کا آرڈیننس 2016ء نافذ کیا ہے۔اس کی بعض دفعات مثبت ہیں اور ملازمت میں بچوں کی عمر 14 سال سے بڑھا کر 15 سال کردی گئی ہے۔

بھٹہ خشت پر بچوں کی مشقت کا ذمہ دار صرف بھٹہ مالک نہیں ہوگا۔ان کے والدین کو بھی ذمہ دار قرار دیا جائے گا جو کہ قابل سزاوار ہوں گے۔گھروں میں رہ کر کام کرنیوالے کارکنان اور گھریلو ملازمین کی پالیسی کابینہ نے منظور کرلی ہے صحت و سلامتی(Occupational safety and Health) کے حوالے سے قانون ابھی ڈرافٹ مسودہ کی شکل میں ہے۔یہ تمام قوانین بغیر کسی معنی خیز سہ فریقی مشاورت کے بغیر مرتب ہوئے ہیں اس کے علاوہ ان قوانین کو اسمبلی میں پیش کرنے کے بجائے آرڈیننس کے ذریعے نافذ کیا گیا ہے۔

باکس 1.1: صوبہ پنجاب میں بچوں کی مزدوری اور بچوں کی جبری مشقت کے قوانین

حکومت پنجاب نے بھٹہ خشت سے بچوں کی مزدوری کے خاتمہ کے لئے ایک اہم پروجیکٹ شروع کر رکھا ہے۔ جس کے تحت ابتداء میں تمام بھٹوں کا سروے کروایا گیا اور وہاں پر موجود بچوں کی مزدوری کا اندازہ لگایا گیا۔ فی الحال یہ پروجیکٹ 10 اضلاع تک محدود ہے اور اب اس میں دو مزید اضلاع شامل کئے گئے ہیں، جبکہ بعد ازاں اس کا دائرہ کار پورے صوبے میں پھیلایا جا رہا ہے۔ 50 ملین ڈالر کے اس پروجیکٹ کے تحت بھٹہ خشت پر کام کرنے والے مزدور بچوں کو قریب ترین سکولوں میں داخلہ دلوایا گیا ہے اور یا پھر خصوصی غیر رسمی رجسٹرڈ سکولوں کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ ان بچوں کی کتابوں، وردیوں اور سفری اخراجات صوبائی حکومت برداشت کر رہی ہے۔ بچوں کو ایک ہزار روپے ماہوار ادا کئے جاتے ہیں، جبکہ داخلہ کے وقت والدین کو دو ہزار روپے فی بچہ ادا کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ 14 سے 18 سال تک کے بچوں کو ہنر مند بنانے کے لئے پیشہ وارانہ تربیت کا بندوبست کیا جاتا ہے۔

بچوں کی مشقت اور بچوں سے جبری مشقت کے حوالے سے پنجاب میں یہ دو قوانین دی پنجاب رسٹرکشن آف ایمپلائمنٹ آف چلڈرن ایکٹ 2016ء اور دی پنجاب بانڈڈ لیبر سسٹم (ابالیشن) ایکٹ بہت اہم ہیں اور اب چونکہ بچوں کی محنت مشقت کے حوالے سے مالکان کے ساتھ ساتھ والدین کو بھی ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے اس لئے اس کے کافی مثبت اثرات پڑے ہیں۔ حکومت پنجاب نے اس پروجیکٹ میں غیر سرکاری تنظیموں کو بھی شریک کیا ہے جو ان بچوں کو ان کی رہائش سے سکولوں تک لانے اور لے جانے کا بندوبست کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ اب حکومت نے پٹرول پمپس، ورکشاپوں اور ہوٹلز میں بھی بچوں کی مشقت کا سروے شروع کر رکھا ہے، تاکہ ان جگہوں پر موجود کام کرنے والے بچوں کی تعداد کا اندازہ لگایا جا سکے اور ان کے حوالے سے کوئی ٹھوس منصوبہ بنایا جا سکے، لیکن جب تک حکومت بحیثیت مجموعی بچوں کی مشقت کے خاتمے کے لئے بھرپور مہم اور اقدامات نہ کرے۔ اس کا مکمل خاتمہ ناممکن ہے۔ اب بھی مختلف اداروں، قالین بافی، کان کنی، زرعی شعبہ اور گھروں میں کام کرنیوالے ملازمین کی شکل میں کام کرنے والے بچے موجود ہے اور اس کا تدارک تبھی ممکن ہے جب حکومت آئین کے آرٹیکل 25A کے تحت سولہ سال تک کے تمام بچوں کو لازمی اور مفت تعلیم دے۔ اسکے لئے تعلیمی بجٹ بڑھانا ضروری ہے۔ پیشہ وارانہ تربیت کے زیادہ تعداد میں ادارے قائم کئے جائیں۔ نیز بیروزگاری کا خاتمہ کیا جائے اور اجرتوں اور پنشنز کا ایسا معیار ہو کہ اوسط کنبہ کے خاندانوں کی مناسب گزر بسر ہو سکے، اگرچہ بھٹہ خشت میں اُٹھایا گیا یہ قدم قابل ستائش ہے، لیکن بحیثیت مجموعی بچوں کی مشقت کے خاتمہ میں یہ ایک چھوٹا حصہ ہے جس کو تمام شعبوں تک بڑھانا ضروری ہے۔

پنجاب میں بھٹوں پر بچوں کی مزدوری کے بارے میں مندرجہ ذیل اعداد و شمار پنجاب اسمبلی میں پیش کئے گئے

2016ء تک پنجاب کے بھٹوں پر 124,000 بچے مزدوری کر رہے تھے، جن کی عمر 15 سال سے کم تھی۔

بچوں سے کام لینے کے جرم میں 787 مالکان کو گرفتار کیا گیا۔

بچوں سے کام لینے کے جرم میں 219 بھٹوں کو سیل کیا گیا۔

کل 8734 بھٹوں پر چھاپے مارے گئے، جن میں 15 سال سے کم عمر 772 بچے کام کرتے پائے گئے۔

پنجاب کے 19 اضلاع میں کل 62 ورکرز ویلفیئر سکول کام کر رہے ہیں لاہور 6، شیخوپورہ 7، گوجرانوالہ 8، ساہیوال 1، گجرات 3، سیالکوٹ 4، فیصل آباد 6، خوشاب 4، ملتان 4، مظفر گڑھ 2، ڈیرہ غازی خان 2، بہاولپور 3، رحیم یار خان 2، راولپنڈی 2، جہلم 2، خانیوال 1، لیہ 1، قصور 2، سرگودھا 2۔

خیبر پختونخواہ

خیبر پختونخواہ نے تمام قوانین محنت باقاعدہ اسمبلی کے ذریعے قانون سازی کرکے منظور کئے ہیں۔ اس لئے تمام ایکٹس (ACTS) کہلاتے ہیں۔

جدول 1.2: صوبہ خیبر پختونخواہ میں نافذ کردہ قوانین محنت

- ★ دی خیبر پختونخواہ انڈسٹریل ریلیشنز ایکٹ 2010ء
- ★ دی خیبر پختونخواہ (I&CE) سٹینڈنگ آرڈرز ایکٹ 2013ء
- ★ دی خیبر پختونخواہ انڈسٹریل سٹیٹکس (Statistics) ایکٹ 2013ء
- ★ دی خیبر پختونخواہ میٹرنٹی بینی فٹس ایکٹ 2013ء
- ★ دی خیبر پختونخواہ مینیمم ویجز ایکٹ 2013ء
- ★ دی خیبر پختونخواہ پےمنٹ آف ویجز ایکٹ 2013ء
- ★ دی خیبر پختونخواہ ورکرز کمپنسیشن ایکٹ 2013ء
- ★ دی خیبر پختونخواہ فیکٹریز ایکٹ 2013ء
- ★ دی خیبر پختونخواہ پروہیبیشن (Prohibition) آف ایمپلائمنٹ آف چلڈرن ایکٹ 2015ء
- ★ دی خیبر پختونخواہ بانڈڈ لیبر سسٹم (ابالیشن) ایکٹ 2015ء
- ★ دی خیبر پختونخواہ شاپس اینڈ اسٹیبلشمنٹ ایکٹ 2015ء

صوبہ خیبر پختونخواہ میں چونکہ تمام قانون سازی اسمبلی کے ذریعے ہوئی ہے۔ اس لئے اکثر قوانین کافی بہتر ہیں۔ جیسے بچوں کی مزدوری جبری مشقت دونوں کو ایک ایکٹ میں شامل کیا گیا ہے اور اس میں لیبر انسپکشن کا ادارہ متعارف کروایا گیا ہے جو کہ بہتر قانون ہے کم از کم اجرتوں کے قانون میں صنعتی اور کمرشل اداروں کے ساتھ فیکٹریز کو بھی شامل کیا گیا ہے جبکہ بچوں کی مزدوری کے خلاف موثر اور بہتر قانون بنایا گیا ہے۔ اسی طرح ورکرز کمپنسیشن ایکٹ کو بھی تمام صنعتی تجارتی اداروں اور

فیکٹریوں کے ملازمین تک لاگو کیا گیا ہے، جو کہ بہتر قانون ہے۔البتہ خیبر پختونخواہ میں غیر رسمی شعبوں جن میں زرعی مزدور اور گھروں میں رہ کر کام کرنے والے مزدوروں اور گھروں میں کام کرنیوالے مزدوروں (Domestic Workers) کو قوانین سے باہر رکھا گیا ہے ان کے بارے میں قانون سازی کر کے ان مزدوروں کو بھی تنظیم سازی اور سوشل سکیورٹی وغیرہ کے دائرہ کار میں لانے کی ضرورت ہے۔

بلوچستان

صوبہ بلوچستان میں ماسوائے دی بلوچستان انڈسٹریل ریلیشنز ایکٹ 2010ء باقی تمام قوانین فی الحال ڈرافٹس کی شکل میں ہیں۔ یہ ڈرافٹ ابھی سہ فریقی کمیٹیوں میں بھی زیر بحث نہیں لائے گئے۔ جن قوانین کے مسودہ جات تیاری کے مراحل میں ہیں۔ ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

جدول 1.3: صوبہ بلوچستان میں مجوزہ قوانین محنت

- ★ ایمپلائمنٹ کاسٹ آف لونگ ریلیف بل
- ★ ایمپلائمنٹ (ریکارڈ آف سروس) بل
- ★ پروبیشن (Prohibition) آف ایمپلائمنٹ آف چلڈرن بل
- ★ ایسنشل (Essential) پرسانل بل
- ★ مینمم ویجز بل
- ★ سٹینڈنگ آرڈرز بل
- ★ انڈسٹریل اینڈ کمرشل ایمپلائمنٹ بل
- ★ انڈسٹریل سٹیٹکس (Statistics) بل
- ★ ورک مین کمپن سیشن (Compensation) بل
- ★ ورکرز چلڈرن ایجوکیشن بل
- ★ ایمپلائز کاسٹ آف لونگ (ریلیف) بل

بلوچستان میں صوبائی سطح پر صنعتی تعلقاتی ایکٹ میں صوبائی سطح پر بھی صنعتی تعلقات کمیشن کا تصور دیا گیا ہے، جبکہ مرکزی سطح پر بھی صنعتی تعلقات کمیشن قائم ہے۔ دی بلوچستان انڈسٹریل ریلیشنز بل 2014ء کے ڈرافٹ میں تنظیم سازی اور اجتماعی سوداکاری کی بنیادی روح برقرار ہے۔ البتہ اس میں لازمی ثالثی (Compulsory Arbitration) کا نیا تصور پیش کیا گیا ہے جو کہ فریقین کی باہمی رضا مندی کے خلاف حق ہڑتال کی نفی ہے۔ اسی طرح ایسے صنعتی تنازعات جو کہ ایک سے زائد صوبے کی بنیاد پر ہوں ان کے لئے ثالثی (Conciliation) کیلئے سہ فریقی مذاکراتی ادارہ اور لیبر محتسب کا تصور دیا گیا ہے جو کہ ایک طرح سے لیبر کورٹ اور لیبر اپیلیٹ ٹربیونل کے متوازی ادارہ بن جائے گا اور ایک ہی مقصد کے لئے کئی ایک فورم بن جانے سے کئی پیچیدگیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ ایک سے زائد صوبوں سے متعلق صنعتی تنازعات کے معاملات کو حل کرنے کے لئے کوئی بھی بل 2014ء میں موت اور مکمل معذوری کا معاوضہ چھ لاکھ روپے تک بڑھا دیا گیا ہے جو کہ قابل ستائش ہے، لیکن سیکشن 4 میں بالغ اور بچوں کے معاوضہ (Compensation) کو عمر اور تنخواہ کے ساتھ منتھی کیا گیا ہے جو کہ بچوں کی مزدوری پر پابندی کے خلاف ہے۔ دی بلوچستان فیکٹریز بل 2014ء میں پیشہ ورانہ سیفٹی اور ہیلتھ آفیسر رکھنے کی ذمہ داری مالک پر ہے۔ دی بلوچستان پیمنٹ آف ویجز بل 2014ء کے ڈرافٹ میں قانون کا دائرہ کار تعلیمی اداروں، ہسپتالوں اور گھروں میں رہ کر کام کرنے والے مزدوروں تک بڑھایا گیا ہے۔ البتہ گھروں میں رہ کر کام کرنے والے مزدوروں کی تشریح واضح نہیں ہے۔ دی بلوچستان ایمپلائمنٹ آف چلڈرن (پروبیشن اینڈ ریگولیشن بل 2014ء میں بچوں کی ملازمت کے لئے پرکشش پروگرام کی منظوری دی گئی ہے جو کہ بچوں کی ملازمت اور مزدوروں کے آئی ایل او کے کنونشن کی نفی ہے۔ دی بلوچستان انڈسٹریل اینڈ کمرشل ایمپلائمنٹ (سٹینڈنگ آرڈر بل 2014ء) بہت بہتر ڈرافٹ ہے یہ قانون تمام صنعتی اور تجارتی اداروں پر لاگو ہوگا۔ جن میں دس یا دس سے زائد مزدور ملازم ہوں گے جبکہ سابقہ قانون میں یہ تعداد 20 یا اس سے زائد تھی، جبکہ 50 یا اس سے زائد ورکرز پر گریجوایٹی، گروپ انشورنس اور گروپ ترغیب (Incentive) سکیمز کا اطلاق ہوتا تھا، جبکہ گریجوایٹی کی رقم 40 دن کی تنخواہ سے بڑھا کر 60 دن کی تنخواہ کے برابر کر دی گئی ہے جو کہ قابل ستائش ہے۔ بیروزگاری الاؤنس کا ایک نیا تصور دیا گیا ہے جو کہ ڈاؤن سائزنگ کی صورت میں مالک (Employer) مزدوروں کو ایک سال سے پانچ سال تک ادا کریگا برطرفی کی صورت میں نوٹس دینے کی مدت ایک ماہ سے بڑھا کر تین ماہ کر دی گئی ہے۔ دی بلوچستان ورکرز چلڈرن ایجوکیشن اینڈ اسٹیبلشمنٹ آف ایجوکیشن انسٹیٹیوشنز 2014ء میں قانون کا دائرہ کار ہر گھر تک لاگو کیا گیا ہے اور ہر گھر جس میں گھر کا فرد کمائی کر رہا ہے۔ 100 روپے سالانہ ایجوکیشن سیس ادا کرے گا اور ہر مزدور جو کسی بھی ادارہ میں ملازم ہوگا تنخواہ کا 5 فیصد بطور ایجوکیشن سیس ادا کرے گا۔ یعنی ہر گھرانہ بچوں کی تعلیم کے لئے ایجوکیشن سیس ادا کرے گا۔ آئین پاکستان میں مفت تعلیم کی گارنٹی دی گئی ہے۔ یہ قانون اس کی بنیادی روح کے منافی ہے۔

سندھ

صوبہ سندھ نے کل دس لیبر قوانین کا اجراء کیا ہے۔ تمام قوانین ایکٹ کی شکل میں ہیں۔

جدول 1.4: صوبہ سندھ میں نافذ کردہ قوانین محنت

- ★ دی سندھ انڈسٹریل ریلشنز ایکٹ 2013ء
- ★ دی سندھ ورکرز ویلفیئر فنڈ ایکٹ 2014ء
- ★ دی سندھ ایمپلائیز اولڈ ایج ایکٹ 2014ء
- ★ دی سندھ ٹرمز اینڈ کنڈیشنز آف ایمپلائمنٹ (سٹینڈنگ آرڈر) ایکٹ 2014ء
- ★ دی سندھ فیکٹریز ایکٹ 2015ء
- ★ دی سندھ ورکرز کمپنسیشن (compnsation) ایکٹ 2015ء
- ★ دی سندھ کمپنیز پرافٹ (ورکرز پارٹی سپیشن) ایکٹ 2015ء
- ★ دی سندھ شاپ اینڈ اسٹیبلشمنٹ ایکٹ 2015ء
- ★ دی سندھ ایمپلائز سوشل سکیورٹی ایکٹ 2016ء
- ★ دی سندھ منی مم ویجز ایکٹ 2016ء

دی سندھ کمپنیز پرافٹ (ورکرز پارٹی سی پیشن) ایکٹ 2015ء میں مزدوروں پر لاگو ہونے والی دفعہ میں مزدوروں کی تعداد کو 50 سے بڑھا کر 100 کر دیا گیا ہے اس سے بہت سے مزدور محروم رہ جائیں گے۔ البتہ مزدوروں کی کیٹگریز جو اس منافع کے شیئرز سے مستفید ہونگے ان کو حکومت کی طرف سے اعلان کردہ کم از کم تنخواہ سے منتہی کر دیا گیا ہے جو کہ قابل تحسین ہے۔ ورکرز ویلفیئر فنڈ ابھی تک مرکزی گورنمنٹ کی تحویل میں ہے اور یہ ایکٹ مرکزی ورکرز ویلفیئر فنڈ کے متوازی ہے اور ابھی تک فیڈرل قانون ہی جاری ہے اس لئے یہ ایکٹ فی الحال بے اثر ہی رہے گا۔ اس کے علاوہ چونکہ یہ ایکٹ سندھ پر لاگو ہے اور ایسی کمپنیاں جن کا حقیقی کاروبار دوسرے صوبے یا اسلام آباد میں ہے اور محض مرکزی دفتر سندھ میں اس شکل میں اس فنڈ کو جمع کرنے یا اس کی تقسیم پر تنازعات جنم لے سکتے ہیں۔ مزدوروں میں منافع کی رقم کی تقسیم کے بعد بقایا رقم ورکرز ویلفیئر فنڈ آرڈیننس 1971ء کیں تحت مرکزی حکومت کے پاس جمع ہوتی ہے، جبکہ سندھ گورنمنٹ نے اپنا ایکٹ نافذ کیا ہے۔ یہ ایک الجھاؤ اور پیچیدگی ابھی تک موجود ہے۔ سندھ ورکرز ویلفیئر فنڈ ایکٹ 2014ء سندھ گورنمنٹ نے ورکرز ویلفیئر فنڈ ایکٹ 2014ء نافذ کر کے مرکزی ورکرز ویلفیئر فنڈ آرڈیننس کو منسوخ کر دیا ہے اس سلسلہ میں آجروں اور مزدوروں میں یہ الجھاؤ موجود ہے کہ وہ مرکزی حکومت کو فنڈ دیں یا صوبائی حکومت کیونکہ یہ صورتحال ایک متوازن قانون کی سی ہے یہ سقم موجود ہے۔ دی سندھ ایمپلائیز اولڈ ایج بینی فٹس ایکٹ 2014ء کے نفاذ کے باوجود یہ متنازعہ صورت حال موجود ہے کہ مرکزی حکومت اور صوبوں میں EOBI کے فنڈز (Funds) کیسے تقسیم ہوں یا مرکزی ہی میں رہیں اور ان کے انتظامیہ امور کون چلائے گا۔ فی الحال یہ فنڈز مرکزی حکومت کی تحویل میں ہیں اور مزدور تنظیموں کی اکثریت بھی اس کو مرکز میں ہی رکھنے کی حامی ہے۔ اس لحاظ سے سندھ حکومت کا یہ ایکٹ ابھی نافذ العمل نہیں ہو سکتا۔ اس ایکٹ کے نفاذ کے باوجود یہ سوالات اور معاملات موجود ہیں کہ EOBI کے اثاثہ جات کس حکومت کی تحویل میں رہیں۔ ان فنڈز (Funds) کے انتظامی امور کیسے طے ہوں گے۔ ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں جانے والے مزدوروں کی پنشن کے معاملات کیسے طے ہوں گے۔ موجودہ صورتحال میں ای او بی آئی کے فنڈز کی صوبائی سطح پر وصولی اور ان کی انتظامی امور مرکزی اور صوبائی حکومت کے مابین پیچیدگیوں کا باعث بن سکتے ہیں اور حالات وواقعات سے ظاہر ہے کہ اس صورت میں تمام متعلقہ فریق بھی یکسو اور مطمئن نظر نہیں آتے۔ دی سندھ انڈسٹریل ریلشنز ایکٹ 2013ء یہ قانون نسبتاً بہتر ہے کیونکہ اس کا دائرہ کار زرعی شعبہ، ماہی گیری اور تعلیمی اداروں تک بڑھایا گیا ہے۔ دیگر اس کے جملہ دفعات زیادہ تر پرانے صنعتی تعلقاتی ایکٹ ہی ماخوذ ہیں۔ دی سندھ مینمم ویجز ایکٹ بھی کافی حد تک بہتر اور تمام صنعتی، تجارتی اداروں اور فیکٹریز پر لاگو ہوتا ہے۔ دی سندھ ٹرمز آف ایمپلائمنٹ (سٹینڈنگ آرڈرز ایکٹ 2015ء) نیا قانون بہت بہتر ہے اور اس کا دائرہ ہر کار صنعتی تجارتی اور فیکٹری کے ملازم 10 مزدوروں تک پھیلایا گیا ہے اور ان کو بونس، گریجوایٹی اور لازمی گروپ انشورنس کے فوائد سے مستفید ہونے کا حق دیا گیا ہے۔ اسی طرح 20 یا اس سے زائد ملازمین والے صنعتی وتجارتی اداروں میں پرائیویٹ سکولز، تعلیمی اداروں اور ہسپتالوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

مرکزی اور صوبائی قوانین برائے صنعتی تعلقات (Industrial Relations Acts)

محنت کے معیارات اور محنت کشوں کے حقوق کے حوالے سے صنعتی تعلقات کے قوانین بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان قوانین کے ذریعے تنظیم سازی اور اجتماعی سوداکاری، ٹریڈ یونین کی تشکیل فیڈریشن اور کنفیڈریشن کی تشکیل

سے متعلق طریقہ کار کا تعین ہوتا ہے۔ جہاں ایک طرف یہ قوانین محنت کشوں کو منظّم ہونے اور ایک اجتماعی قوت بننے میں مددگار رہوتے ہیں، وہاں آجروں کو بھی اپنی تنظیم بنانے اور اپنے حقوق واختیارات استعمال کرنے کی وضاحت کرتے ہیں۔ کارکنوں اور آجروں کے مابین تعاون اور کشمکش کی تمام شکلوں کا انحصار صنعتی تعلقات کے قوانین کے دائرہ کار کا اہم جزو ہے، انہی قوانین کے ذریعے حق ہڑتال کا استعمال یا تالہ بندی کے اختیارات کا تعین ہوتا ہے اور کارکنوں یا آجروں کی طرف سے غیر منصفانہ اور غیر قانونی اقدامات قابل تعذیر اور قابل گرفت ہوتے ہیں اور لیبر کورٹ اور اپیلٹ ٹربیونل میں انفرادی اور اجتماعی تنازعات کے حل کا نظام وضع کیا گیا ہے ذیل میں ہم چاروں صوبوں کے صنعتی تعلقات ایکٹس کی اہم شقوں کا تقابلی جائزہ پیش کررہے ہیں۔

جدول 1.5: چاروں صوبائی اور وفاقی صنفی تعلقات ایکٹس میں بعض اہم شقوں کا تقابلی جائزہ

عنوان	صوبہ پنجاب	صوبہ سندھ	صوبہ خیبر پختونخواہ	صوبہ بلوچستان	وفاق
یونین کی مجلس عاملہ (Exective body) میں اوٹ سائیڈرز (Out Siders) کی تعداد	20فیصد	25فیصد	25فیصد	25فیصد	25فیصد
یونین کی منسوخ کی شرط	اگر یونین رجسٹریشن کے دو ماہ کے اندر ریفرنڈم کے لیے درخواست نہ دیں۔ بشرطیکہ پہلے سی بی اے (CBA) موجود نہ ہو۔	صوبہ سندھ میں ایسی کوئی شرط نہیں	اگر یونین دو ماہ کے اندر رجسٹریشن کے بعد ریفرنڈم کی درخواست نہ دے بشرطیکہ سی بی اے موجود نہ ہو	اگر یونین رجسٹریشن کے دو ماہ کے اندر ریفرنڈم کے لیے درخواست نہ دیں۔ بشرطیکہ پہلے سی بی اے موجود نہ ہو۔	اگر یونین رجسٹریشن کے دو ماہ کے اندر ریفرنڈم کے لیے درخواست نہ دیں۔ بشرطیکہ پہلے سی بی اے موجود نہ ہو۔
ریفرنڈم میں ووٹ کی فیصد کے حساب سے	اگر مسلسل دو ریفرنڈم میں 15 فیصد سے کم ووٹ لے تو منسوخ ہوجائے گی	ایسی کوئی شرط نہیں	اگر ایک بار ریفرنڈم میں 15 فیصد سے کم ووٹ حاصل کرے تو منسوخ ہو جائے گی	اگر ایک ہی بار ریفرنڈم میں 15 فیصد سے کم ووٹ حاصل کرے تو منسوخ ہوجائے گی۔	اگر ریفرنڈم میں 10 فیصد سے کم ووٹ حاصل کرے تو منسوخ ہوجائے گی۔
خواتین کارکنوں کی یونین کی مجلس عاملہ میں لازمی نمائندگی	جس قدر تعداد خواتین کارکنوں کی ملازم ہو اسی نسبت سے مجلس عاملہ میں لازمی نمائندگی	ایسی کوئی شرط نہیں	ایسی کوئی شرط نہیں	ایسی کوئی شرط نہیں	خواتین ورکرز کے تناسب سے مجلس عاملہ میں لازمی نمائندگی۔
زراعت اور فشریز میں یونین سازی کی	کوئی نہیں	سندھ میں زرعی کارکنوں اور فشریشز میں ٹریڈ یونین کی اجازت ہے۔	نہیں	نہیں	نہیں

عنوان	صوبہ پنجاب	صوبہ سندھ	صوبہ خیبرپختونخواہ	صوبہ بلوچستان	وفاق
صوبائی سطح پر نیشنل انڈسٹریل ریلیشنز National Relations Commision	نہیں ہے	نہیں ہے	نہیں ہے	صوبائی سطح پر این آئی آر سی موجود ہے۔	وفاقی سطح پر این آئی آر سی موجود
انڈسٹری وائز یونین (Industaral Union)	نہیں ہے	نہیں ہے	نہیں ہے	صوبائی این آر سی انڈسٹری وائز یونین رجسٹرڈ کر سکتا ہے۔	نہیں ہے
فیڈریشن کی رجسٹریشن	دو یا دو سے زائد رجسٹرڈ یونین فیڈریشن رجسٹرڈ کروا سکتی ہیں	دو یا دو سے زائد رجسٹرڈ یونینز فیڈریشن بنا سکتی ہیں۔	دو یا دو سے زائد یونینز فیڈریشن بنا سکتی ہیں۔	دو یا دو سے زائد یونینز فیڈریشن بنا سکتی ہیں۔	دو یا دو سے زائد یونینز فیڈریشن بنا سکتی ہیں۔
کنفیڈریشن کی رجسٹریشن	دو یا دو سے زائد رجسٹرڈ فیڈریشنز کنفیڈریشن بنا سکتی ہیں۔	کنفیڈریشن کا ذکر نہیں ہے۔	دو یا دو سے زائد فیڈریشن بنا سکتی ہیں	دو یا دو سے زائد رجسٹرڈ فیڈریشنز کنفیڈریشن بنا سکتی ہیں	چار رجسٹرڈ یونینز جن کا تعلق دو یا دو سے زائد صوبوں سے ہے فیڈریشن یا کنفیڈریشن بنا سکتی ہیں۔
تیسری یونین کی رجسٹریشن	کل مزدوروں کا 20 فیصد	کل مزدوروں کا 20 فیصد	کل مزدوروں کا 20 فیصد	کل مزدوروں کا 20 فیصد	کل مزدوروں کا 20 فیصد

اگر ہم اس تقابلی جائزہ کو تحریر میں لائیں تو یہ صورتحال سامنے آتی ہے۔ آئی ایل او، پاکستان کی مزدور تحریک بشمول پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کے بعد یورپی یونین کی 2016 کی رپورٹ برائے جی ایس پی پلس میں واضح طور پر تنقید کی گئی ہے کہ درج ذیل اداروں کے ملازمین حقِ انجمن سازی اور صنعتی تعلقات کے قوانین کے اطلاق سے محروم ہیں اور تمام مرکزی و صوبائی ایکٹ میں یہ قدغنین یکساں ہیں۔

- ★ پولیس، ڈیفنس سروسز آف پاکستان وہ تنصیبات جو کہ مسلح افواج کے تصرف میں ہوں یا ان سے منسلک ہوں اور وفاقی حکومت کے تحت آرڈیننس فیکٹری۔
- ★ وہ جو ریاست کی ایڈمنسٹریشن میں ہوں علاوہ ریلوے اور پاکستان پوسٹ کے کارکنوں کے۔
- ★ پی آئی اے کارپوریشن کے سیکیورٹی سٹاف کے ممبران جو گریڈ 5 سے کم تنخواہیں نہ وصول کر رہے ہیں اور ایئر لائنز کی سیکیورٹی سٹاف وغیرہ جن کو حکومت بذریعہ نوٹیفکیشن واضح کرے۔
- ★ پاکستان سیکیورٹی پرنٹنگ کارپوریشن اور سیکیورٹی پیپرز لمیٹڈ۔
- ★ ایسے ادارے جو بیمار، ذہنی معذور وغیرہ کا علاج کرتے ہیں ماسوائے ان کے جو کمرشل بنیادوں پر کام کر رہے ہیں۔
- ★ واچ اینڈ وارڈ، سیکیورٹی اور فائر سروسز سٹاف جس کا تعلق آئل ریفائنری اور ایئرپورٹ سے ہو۔
- ★ قدرتی گیس اور مائع پٹرولیم گیس کی پیداوار، ترسیل اور تقسیم کی سیکیورٹی اور ائر سروسز پر مامور افراد۔
- ★ وہ ادارے جو تعلیم اور ہنگامی حالات میں خدمات سرانجام دیتے ہوں ماسوائے ان اداروں کے جو کمرشل بنیادوں پر کام کر رہے ہیں۔

آئینی اور آئی ایل او کے معیارات کے تحت صنعتی، تجارتی اور دیگر اداروں کے ان تمام ملازمین اور کارکنوں کو تنظیم سازی اور اجتماعی سودا کاری کی آزادی حاصل ہونی چاہئے اور صرف انتظامیہ سے وہ ارکان جن کو کسی کو ملازمت میں رکھنے یا ملازمت سے برخاست کرنے کے اختیارات ہوں۔ ان کو ٹریڈ یونین سے باہر ہونا

چاہیئے ,لیکن یہ ایک المیہ ہے کہ ہمارے قوانین میں ابھی تک کارکنوں اور انتظامیہ کی تعریف میں بعض ابہام پائے جاتے ہیں۔ نیز بعض اداروں کو خواہ مخواہ ٹریڈ یونین قوانین سے باہر رکھا گیا ہے، حالانکہ ماسوائے فوج اور پولیس کے تمام اداروں میں کام کرنے والے ملازمین اور کارکنوں کو تنظیم سازی کا حق ہونا چاہیئے اور یہی ہمارے ملک کے 1973ء کے آئین کی حقیقی روح ہے۔ اس لئے ماسوائے فوج اور پولیس جن اداروں وکارکنوں کو تنظیم سازی کے حق سے محروم رکھا گیا ہے۔ ان کا یہ حق بحال ہونا ضروری ہے اور یہی آئی ایل او کے کنونشن 87 اور 98 کی حقیقی روح کی عکاسی کا مظہر ہوگا۔

- ★ تمام صوبوں اور وفاق میں تیسری یونین کی رجسٹریشن کے لئے کل مزدوروں کی 20 فیصد ممبر شپ لازمی ہے، اگر پہلے سے موجود دو یونینز مالکان کے ایما پر بنی ہوں تو حقیقی نمائندہ یونین کی رجسٹریشن کافی مشکل ہو جاتی ہے۔
- ★ یونین کی مجلس عاملہ میں خواتین کی نمائندگی ان کی ادارہ میں تعداد کی نسبت وفاق اور پنجاب میں لازمی ہے، جبکہ باقی صوبوں میں نہیں ہے۔
- ★ سندھ میں یونین کی رجسٹریشن کے بعد دو ماہ کے اندر اندر ریفرنڈم کے لئے درخواست کی کوئی شرط نہیں ہے، جبکہ دیگر صوبوں اور وفاق میں یہ شرط موجود ہے بشرطیکہ پہلے سے موجود سی بی اے نہ ہو اور نئی یونین دو ماہ کے اندر اندر ریفرنڈم چیلنج نہ کرے تو منسوخ ہو جائے گی۔
- ★ صوبہ پنجاب میں دو لگاتار ریفرنڈم میں 15 فیصد سے کم ووٹ لینے والی یونین منسوخ ہو جائے گی، جبکہ دیگر تین صوبوں میں ایک ہی ریفرنڈم میں 15 فیصد سے کم ووٹ لینے والی یونین منسوخ ہو جائے گی، جبکہ وفاق میں 10 فیصد سے کم ووٹ لینے والی یونین منسوخ ہوگی۔
- ★ زراعت اور ماہی گیری میں صرف صوبہ سندھ میں تنظیم کی آزادی ہے۔ دیگر صوبوں اور وفاق میں نہیں ہے۔
- ★ ابھی تک غیر رسمی شعبوں (ماسوائے سندھ زرعی کارکنوں اور ماہی گیری کے) دیگر شعبوں ہوم بیسڈ ورکرز، گھروں میں جا کر کام کرنے والے مزدوروں اور دیگر شعبوں میں مزدور قوانین کا اطلاق نہیں ہے۔
- ★ یہاں اس امر کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ صوبہ سندھ میں کسی ادارے کی قانونی تشریح یوں کی گئی ہے۔ کوئی دفتر، فیکٹری، سوسائٹی، فرم کمپنی، دوکان، زرعی دفتر، تعلیمی ادارہ اور ماہی گیری سے متعلق کوئی بھی ایسا دفتر یا ادارہ جو کہ صوبہ سندھ میں واقع ہو۔ براہ راست یا ٹھیکیدار کے ذریعے کارکن بھرتی کرتا ہو۔

باکس 1.2: تیسری یونین کی رجسٹریشن کی شرائط کے ذریعے حقیقی نمائندہ یونین کی رجسٹریشن کیلئے مشکلات

صنعتی تعلقات کے قوانین میں پہلی دو یونینز کی رجسٹریشن کے لئے مزدوروں کی لازمی تعداد کا کوئی تعین نہیں ہے کوئی پانچ دس یا پندرہ بیس کارکن یونین کی تشکیل اور عہدیدار منتخب کر کے رجسٹریشن کیلئے کاروائی رجسٹرار کے پاس جمع کروا سکتے ہیں کم ممبران اور عہدیداران کو مالکان کی طرف سے ڈرا دھمکا کر یا لالچ دے کر یونین سازی سے منحرف کروانا یقیناً مشکل ہوتا ہے کیونکہ تھوڑی تعداد میں زیادہ تر پرعزم اور با اعتماد ارکان شامل ہوتے ہیں جبکہ تیسری یونین کے لئے کم از کم بیس فیصد ممبران کی شرط کی وجہ سے زیادہ کارکنان پر یونین مشتمل ہوتی ہے اولاً تو اتنی تعداد میں کارکنوں کو جبرً اور بے روز گاری کے حالات میں منظم اور قائل کرنا ہی مشکل کام ہے اور پھر ان کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے مالکان ان میں چند ایک کارکنوں کو دھونس دھاندلی یا لالچ دے کر یونین کی تشکیل سے منحرف کروا کر بیان دلوا لیتے ہیں جس سے یونین کی رجسٹریشن کو مسترد کرنے کا جواز پیدا ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ تیسری یونین کی تشکیل ایک مشکل بلکہ ناممکن کام ہے اور فیڈریشنز اس سے اجتناب کرتی ہیں تا کہ مزدور خواہ مخواہ روزگار سے محروم ہو کر انتقامی کاروائی کا نشانہ نہ بن سکیں۔ PWC کی گزشتہ رپورٹ میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ تیسری یونین کی رجسٹریشن کے لئے 20 فیصد کی شرط کا خاتمہ کیا جائے ,لیکن یہ تا حال موجود ہے۔ جس کی وجہ حقیقی نمائندہ مزدور تنظیم سازی عملی طور پر یہ ناممکن ہے۔

سہ فریقی موثر مشاورات کے بغیر قانون سازی

اگرچہ 18ویں ترمیم کے بعد صوبوں نے قانون سازی کی ہے، لیکن یہ امر باعث حیرت اور باعث تشویش ہے کہ تمام صوبوں میں جو بھی قانون سازی ہوئی ہے۔ وہ محکمہ محنت کے اہلکاروں اور حکومت کی طرف سے یکطرفہ طور پر ڈرافٹ کر کے لاگو یا پاس کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں دیگر متعلقہ فریقین سے مشاورت کے عمل کو یکسر نظر انداز کیا گیا ہے، جبکہ توثیق شدہ آئی ایل او کنونشنز 144 کے مطابق قوانین سازی واصلاحات کے لئے متعلقہ فریقین کے ساتھ سہ فریقی مشاورت لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان قوانین میں بعض ایسی کمیاں اور خامیاں موجود ہیں جن کو آسانی سے دور کیا جا سکتا تھا۔ مثلاً پنجاب کے صنعتی تعلقات ایکٹ میں پچاس کارکنوں تک یونین سازی پر پابندی کا قانون قطعی غیر ضروری اور آئین پاکستان کے منافی اور آئی ایل او کے کنونشنز کی خلاف ورزی تھا اور جس کی وجہ سے پنجاب حکومت کو خواہ مخواہ تنقید کا نشانہ بننا پڑا اور بالآخر بعد از

خرابی بسیار یہ قانون ختم بھی کرنا پڑا۔اسی طرح دیگر صوبوں کے قوانین میں بہتری کی ایسی گنجائش موجود ہے جس سے کسی فریق کے مفادات پر کوئی زد نہیں پڑتی، لیکن چونکہ حکومتوں کا اکثر وطیرہ ہے کہ وہ سب کچھ یکطرفہ طور پر طے اور لاگو کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے دیگر متعلقہ فریقین سے موثر مشاورت کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔جس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ان قوانین پر عملدرآمد میں بعض بے جا قسم کی دشواریاں پیش آتی ہیں۔

18 ویں ترمیم کے بعد چونکہ قوانین اور یونینز کا دائرہ کار صوبوں تک محدود رہ گیا ہے، لیکن بعض اہم مزدور تنظیموں کو خراب کرنے یا ان کو پریشان کرنے کے لئے بعض مالکان ایک صوبے سے کسی دوسرے صوبے میں بھی ایک آدھ دفتر قائم کر لیتے ہیں اور تنظیم کو بین الاصوبائی بنا کر اس کی رجسٹریشن کو این آئی آر سی (NIRC) کی دائرہ کار میں لے جاتے ہیں۔جس سے یونین کو خواہ مخواہ صوبے سے این آئی آر سی میں رجسٹرڈ کروانا پڑتا ہے اور یونین کے سفری اخراجات بڑھ جاتے اور وقت کا ذیاں علیحدہ ہوتا ہے۔

18 ویں ترمیم کے بعد صوبہ سندھ نے ای او بی آئی اور ورکرز ویلفیئر فنڈ کے صوبائی قوانین باقاعدہ اسمبلی سے منظور کروائے ہیں۔فی الحال یہ ادارے مرکزی حکومت کی تحویل میں ہیومن ریسورس اور اوورسیز پاکستانیز کی وزارت کے تحت ہیں۔اس طرح یہ قوانین ایک طرح سے مرکز کے متوازی ہیں جس سے کئی پیچیدگیاں جنم لے رہی ہیں۔حکومت سندھ اور پنجاب حکومت نے سپریم کورٹ میں ان اداروں کو صوبائی تحویل میں دینے کے لئے اپیلیں کر رکھی ہیں جہاں پر مقدمات زیرِ التواء ہیں۔بہتر صورت حال یہ ہوگی کہ چاروں صوبائی حکومتیں اجتماعی مفادات کی کونسل (Council of Common Interest) میں اس مسئلہ کو باہمی مشاورت سے حل کریں، تاکہ 18 ویں ترمیم کے بعد کا عبوری دور ختم ہو اور جو بھی فیصلہ ہونا ہے وہ ایک بار کر لیا جائے۔اس سلسلہ میں صوبہ پختونخواہ اور بلوچستان کی صوبائی اسمبلیوں نے متفقہ قراردادیں منظور کر رکھی ہیں۔جن کے تحت ای او بی آئی اور ورکرز ویلفیئر فنڈ کو مرکزی حکومت کی تحویل میں رکھنے پر زور دیا گیا ہے۔ اسی طرح زیادہ تر نمائندہ مزدور تنظیمیں بھی ان اداروں کو مرکزی حکومت کی تحویل میں رکھنے کی حامی ہیں تاکہ تمام صوبوں اور مرکز کے مزدور یکساں طور پر ان اداروں سے مستفید ہوسکیں اور جن صوبوں میں ان اداروں کے لئے فنڈ زکم جمع ہوتے ہیں، تاہم مزدوروں کے ان اہم اداروں کے بارے میں مقدمات کا جلد از جلد فیصلہ ہونا چاہئے تاکہ لمبے عرصے سے موجود غیر یقینی کی صورتحال کا خاتمہ ہوسکے۔

آئینی منتقلی برائے 18 ویں ترمیم اور قوانین محنت کو درپیش چیلنجز کے ضمن میں اس امر پر تمام فریقین اور مرکزی صوبائی حکومتوں کے درمیان اتفاق ہے کہ ریٹائرڈ جسٹس شفیع الرحمٰن کمیشن کی سفارشات کے مطابق تمام قوانین محنت کو چھ قوانین (مسودات) میں اکٹھا کر لیا جائے۔چھ ممکنہ قوانین یہ ہو سکتے ہیں۔

- وہ جو صنعتی تعلقات کے زمرے میں آتے ہوں۔
- وہ جو اجرتوں کے تقرر اور ادائیگی سے متعلق ہوں۔
- وہ جو ملازمتوں اور حالات کار سے متعلقہ ہوں۔
- وہ جو پیشہ وارانہ صحت اور سلامتی کے بارے میں ہوں۔
- وہ جو انسانی وسائل کی ترقی کے بارے میں ہوں۔
- وہ جو مزدوروں کی فلاح و بہبود اور سماجی تحفظ سے متعلق ہوں۔

اس کے علاوہ تمام قوانین کو سادہ اور آسان زبان میں لکھنے کی ضرورت ہے اور قوانین میں مسلسل تحقیق اور ارتقا کی ضرورت ہے اور ہر قسم کی قانون سازی کے عمل میں تمام فریقین کے ساتھ مشاورت کا عمل لازمی اور پورا کرنا ضروری ہے۔

محکمہ محنت کی استعداد کار

اس امر سے تو سبھی بخوبی آگاہ اور تسلیم کرتے ہیں کہ صنعتی پیداوار اور پیداواری عمل کو ہموار اور تسلسل کے ساتھ رواں دواں رکھنا ملکی معیشت کے لئے انتہائی اہم ہے اور صنعتی پیداوار کے تسلسل کے لئے آجر اور اجیر کے مابین بہتر قابل عمل اور پائیدار تعلقات ہی صنعتی امن کی حقیقی ضمانت ہیں۔ان تعلقات کے لئے ضروری ہے کہ مزدوروں کے قوانین جیسے بھی ہیں ان پر ان کی حقیقی روح کے مطابق عملدرآمد کو یقینی بنایا جائے اور ان قوانین پر عملدرآمد کی تمام تر ذمہ داری محکمہ محنت کے حکام اور اہلکاروں پر منحصر ہے۔یہ محکمہ محنت ہی ہے جس کو مزدوروں کے بنیادی حقوق مثلاً تنظیم سازی اور اجتماعی سوداکاری کی آزادی، ملازمتوں پر تقرری نامہ اور ملازمین کا سروس ریکارڈ، کم از کم اجرت کے حصول کو یقینی بنانا، حالات کار اور اوقات کار کو قانونی دائرہ کار میں رکھنا، محنت کشوں کے لئے صحت و سلامتی کے لئے مناسب ماحول مہیا کرنا یا تنخواہ چھٹیوں کا قانون کے مطابق حصول، خواتین مزدوروں کے تحفظ اور ان کے دیگر حقوق پر خصوصی توجہ دینا، کم عمر بچوں کی غیر قانونی مزدوری کی نگرانی اور ان کو ملازمتوں سے دور رکھنا اور ایسے ہی تمام حقوق کو یقینی بنانا اور مزدوروں کے قوانین پر موثر عملدرآمد کروانا ہوتا ہے، لہٰذا جی ایس پی پلس پر موثر عملدرآمد کے سلسلہ میں محکمہ محنت کی استعداد اور کارکردگی کی بنیادی اہمیت ہے۔اس محکمہ کی فعالیت ہی جی ایس پی پلس پروگرام کی کامیابی سے مشروط ہے۔

لیکن عملی طور پر دیکھا جائے تو گزشتہ کئی دہائیوں سے حکومتوں کی آجر نواز پالیسیوؤں اور سرمایہ کاری کے لئے نام نہاد مناسب بہتر اور دوستانہ ماحول مہیا کرنے کے نام پر محکمہ محنت کی افادیت اوراہمیت دیگر محکموں کی نسبت کافی کمزور اور کم ہوکررہ گئی ہے۔ لمبے عرصہ تک لیبر انسپکشن پر غیر قانونی پابندی رہنے اوراب بھی کڑی شرائط کے ساتھ بحالی جیسے اقدامات کی وجہ سے محکمہ محنت کی کارکردگی مسلسل زوال پذیر ہے۔ یہ امر باعث حیرت اور باعث تشویش ہے کہ محکمہ محنت میں افرادی قوت آج بھی وہی ہے جو 1972ء میں تھی، جبکہ سبھی جانتے ہیں کہ اتنے لمبے عرصہ میں صنعتی اور تجارتی اداروں میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے نئے نئے صنعتی علاقے(Industral Estaets) وجود میں آئے ہیں شہروں کے پھیلاؤ کی وجہ سے فاصلے بہت بڑھ گئے ہیں اور مناسب افرادی قوت اور سفری سہولتوں کے بغیر ان تمام صنعتی وتجارتی اداروں میں مزدوروں کے حقوق کی دیکھ بھال اورنگرانی مزدوروں کے قانونی حقوق ومراعات کویقینی بنانا اور موثر لیبر انسپکشن کے ذریعے مزدوروں کے حقوق کو پائمال کرنے والے آجروں کا احتساب اوران کے خلاف تادیبی کاروائی کرنا محکمہ محنت کی استعدادکارکو بڑھائے بغیر ناممکن ہے۔ اگراداروں میں نمائندہ مزدور تنظیمیں موجود ہوں تو پھر بھی مزدور اپنی اجتماعی قوت کی وجہ سے عام لیبر قوانین پرعملدرآمد کروانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، لیکن چونکہ حکومتی پالیسیوؤں کی وجہ سے مزدور تنظیمیں رجسٹرڈ نہیں ہو پا رہیں لہذا قوانین پرعملدرآمد کی صورتحال انتہائی ابتری کا شکار ہے۔

جہاں تک مزدورتنظیموں کا تعلق ہے ان کی ہمیشہ خواہش رہی ہے کہ محکمہ محنت خود مختار موئژ اور فعال ہو اس کی استعدادکار بڑھے اس کے اہلکاروں کی تعداد مناسب حدتک بڑھائی جائے اوران کو جدید تقاضوں کے مطابق ہنر سکھایا جائے، تاکہ وہ اپنی تمام تر ذمہ داریاں احسن طریقے سے سرانجام دے سکیں۔ آج صورتحال یہ ہے کہ فیکٹریوں کی ناقص تعمیر، ہنگامی حالت میں مناسب اقدامات اور لازمی آلات اور سامان کی عدم موجودگی وغیرہ کی وجہ سے سنگین ترین حادثات اور خوفناک آگ لگنے جیسے واقعات بڑھ گئے ہیں جس میں سینکڑوں مزدور جان سے ہاتھ دھوبیٹھے ہیں۔

مشرف دورحکومت میں اقتدار کی مقامی سطح پر منتقلی کی وجہ سے محکمہ محنت کے تنظیمی ڈھانچہ کوصوبے اورضلعی سطح پر استوار کیا گیا تھا اور ضلعی ناظم کے تحت کردیا گیا تھا، لیکن مقامی حکومتوں کے خاتمہ کے بعد ناظموں کا عمل دخل ختم ہوگیا تھا اوراب مقامی حکومتوں کا نظام بھی تبدیل کردیا گیا ہے اورسابقہ کمشنری نظام بحال کردیا گیا ہے اوراس کی مناسبت سے محکمہ محنت کا بھی پرانا تنظیمی ڈھانچہ بحال کردیا گیا ہے۔ اگر ہم گزشتہ سال کے صوبہ پنجاب کے محکمہ محنت کے سالانہ بجٹ پر نظر دوڑائیں تو صوبہ پنجاب کی بجٹ دستاویزات کے مطابق 2014-2015ء کا بجٹ تقریباً 60 کروڑ روپے تھا۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس محکمہ کو اس قدر مالی وسائل حاصل نہیں جس قدر اس کی اہمیت اور افادیت ہے۔

لیبر انسپکشن (Labour Inspection) کی کارکردگی

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی گزشتہ رپورٹ میں لیبر انسپکشن پر ایک تفصیلی مضمون شامل تھا۔ جس میں لیبر انسپکشن کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے لیبر انسپکشن کومضبوط اور بہتر بنانے کے لئے اہم تجاویز دی گئی تھیں۔

یہ بات تمام فریقین جن میں آجر، اجیر اور حکومت شامل ہیں پر واضح ہے کہ پیداواری عمل اور صنعتی تعلقات میں لیبر انسپکشن کا کس قدر اہم اور لازمی کردار ہے، کیونکہ صرف لیبر انسپکشن کے ذریعے بعض اہم اموراور زمینی حقائق سامنے آسکتے ہیں۔ مثلاً

- ★ کیا کسی ادارہ یا فیکٹری کی بلڈنگ محفوظ اور وہ مقررہ معیار کے مطابق ہے اوراس سے کسی ناگہانی حادثہ کے امکانات کم سے کم ہیں۔
- ★ ہنگامی حالت میں اس سے باہر نکلنے اور ہنگامی حالات سے نبٹنے کے لئے مناسب سامان اورآگ پر قابو پانے جیسے آلات موجود ہیں۔
- ★ مزدوروں کی صحت وسلامتی کے لئے حالات کارمناسب ہیں اور پیشہ ورانہ بیماریوں سے محفوظ رہنے کا بندوبست موجود ہے۔
- ★ اگر فیکٹری میں کوئی بوائیلر (Boiler) لگا ہے تواس کا معائنہ اور باضابطہ سرٹیفکیٹ حاصل کیا گیا ہے۔
- ★ مزدوروں کے بنیادی حقوق کی نگہداشت ان کی کم ازکم اجرت کی ادائیگی، ملازمتوں پرتقرری نامے، قانون کے مطابق حالات کار اور اوقات کار کو یقینی بنایا گیا ہے۔
- ★ فیکٹری میں کینٹین (Canteen) کا بندوبست اور فیئر پرائس شاپ (Fair Price Shop) اور دیگر اہم لوازمات موجود ہیں۔
- ★ خواتین کارکنوں کا تحفظ اوران کے تمام حقوق کو یقینی بنایا گیا ہے۔
- ★ کم عمر بچوں کی بھرتی اور مزدوری کو روکنے کے لئے مناسب بندوبست کیا گیا ہے۔

یہ تمام امور جی ایس پی پلس پر عملدرآمد سے براہِ راست متعلق ہیں لہٰذا فوری ضرورت تھی کہ لیبر انسپکشن کو موثر بنایا جائے۔لیکن پاکستان میں محکمہ محنت جس کا لیبر انسپکشن بھی اہم حصہ ہے کی اہمیت اس امر سے واضح ہوجاتی ہے کہ محکمہ محنت اور لیبر انسپکٹرز کی جو تعداد 1972ء میں تھی آج بھی وہی ہے، حالانکہ اس عرصہ میں صنعتی اور تجارتی اداروں میں بے پناہ اضافہ ہوگیا ہے، شہر میں پھیل گئے ہیں صنعتی علاقوں تک رسائی کے فاصلے بڑھ گئے ہیں اور بغیر مناسب سفری سہولتوں کے فیکٹریوں اور اداروں کا معائنہ اور لیبر انسپکشن ممکن بھی نہیں ہے اور اتنی کم تعداد کے ساتھ لیبر انسپکٹرز مکمل دیانتداری اور یکسوئی کے ساتھ لیبر انسپکشن کرنا بھی چاہیں تو یہ ان کے بس میں نہیں ہے۔

اس پر بھی مزید قابل تشویش امر یہ ہے کہ ہمارے آجر حضرات اور حکومت کی نظر میں بھی لیبر انسپکشن کوئی اہمیت نہیں رکھتی اور ماضی میں آئی ایل او کے کنونشن 81 کی توثیق کے باوجود پنجاب میں لیبر انسپکشن پر اعلانیہ پابندی لگا دی گئی اور یہ پابندی 10 سال برقرار رہی، جبکہ صوبہ سندھ نے بھی پنجاب کی تقلید کی۔ اسی عرصہ میں تمام مزدور تنظیموں نے اس غیر قانونی پابندی پر شدید احتجاج کیا، لیکن بالآخر یہ پابندی اس وقت ختم ہوئی جب مختلف اداروں میں حادثات رونما ہوئے اور جن میں سینکڑوں مزدور جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، لیکن آج بھی لیبر انسپکشن بعض پابندیوں کے ساتھ بحال ہوئی ہے۔

ہم نے گزشتہ رپورٹ میں لیبر انسپکشن کے حوالے سے ٹھوس تجاویز دی تھیں جن میں اہم تجویز یہ تھی کہ لیبر انسپکشن کو ایک مرکزی اتھارٹی کے تحت علیحدہ منظّم کیا جائے اور لیبر انسپکٹر ایسے لوگ رکھے جائیں جن کی اس شعبہ میں مکمل مہارت اور تربیت کی جائے اور ان کو وہ تمام جدید سامان اور آلات مہیا کئے جائیں جو ایک حقیقی اور موثر لیبر انسپکشن کے لئے ضروری ہوں اور ان کو کسی بھی ادارہ یا فیکٹری کی حسب ضرورت لیبر انسپکشن کی مکمل آزادی ہو اور پھر دوران معائنہ جو بھی حقائق ان کی نظر میں آئیں ان کی بھرپور رپورٹنگ کرنے اور ان کو محکمہ کی ویب سائٹ (Web Sites) پر ظاہر کرنے کی کھلی چھٹی ہو تاکہ تمام متعلقہ فریق لیبر انسپکشن کے نتائج سے واقف ہوسکیں اور ایک شفاف صورت حال سامنے آسکے۔ صرف اسی طرح سے فیکٹریوں اور اداروں میں غیر قانونی اقدامات کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے لمبے عرصے کی حکمت عملی کے زاویہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ تمام متعلقہ فریقین کے حق میں ہے۔

لیکن جی ایس پی پلس کے تیسرے سال بھی لیبر انسپکشن میں کوئی بنیادی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے۔ فی الحال وہی پرانا نظام چل رہا ہے۔ البتہ لیبر انسپکشن پر نیدر لینڈ کے تعاون سے آئی ایل او اور حکومت پاکستان کا ایک پروجیکٹ چل رہا ہے جس میں لیبر انسپکٹرز کی تربیت کا سلسلہ جاری ہے، لیکن ابھی تک زمینی حقائق میں اس تربیت کا کوئی خاص عملی مظاہرہ نہیں ہوا اور نہ ہی لیبر انسپکشن میں کوئی قابل ذکر تبدیلی رونما ہوئی ہے۔

گزشتہ رپورٹ میں ہم نے لیبر انسپکشن کے بارے میں درج ذیل تجاویز دی تھیں۔ PWC آج بھی اپنی گزشتہ تجاویز کا اعادہ کرتی ہے۔

- ★ ایک آزاد اور خودمختار لیبر انسپکشن اتھارٹی کا قیام جو کسی اور محکمہ کی ذیلی شاخ نہ ہو۔
- ★ اعلیٰ تعلیم یافتہ پروفیشنل اور اپنے کام میں مکمل مہارت رکھنے والے لیبر انسپکٹرز ہی ملازمت پر رکھے جائیں۔
- ★ لیبر انسپکٹر کی مکمل ٹریننگ اور ان کی استعداد کار بڑھانے کا مستقل انتظام اور اس کے لئے کوئی باضابطہ ادارہ جو یہ کام کرے۔
- ★ لیبر انسپکٹر کو انسپکشن کے لئے کسی کی اجازت کی ضرورت نہ ہو اور وہ جب چاہے جس وقت چاہے کسی بھی ادارہ کی انسپکشن کرنے کا مجاز ہو۔
- ★ جو کچھ فیکٹری یا ادارے سے معلومات اکٹھی ہوں ان کو ویب سائٹ پر مشتہر کردیں تاکہ ان کی تصدیق زمینی حقائق کے مطابق کی جاسکے۔
- ★ اگر تمام متعلقہ فریق (Stakeholders) راضی ہوں تو لیبر انسپکشن کے لئے سہ فریقی کمیٹیاں بھی تشکیل دی جاسکتی ہیں، تاکہ ان کے حاصل کردہ نتائج پر کسی کو اعتراض کا موقع نہ مل سکے۔
- ★ لیبر انسپکٹرز کی تعداد اس قدر لازمی ہو کہ وہ تمام صنعتی و تجارتی اور دیگر اداروں کی آسانی سے انسپکشن کر سکیں اور ان کی ماہانہ سہ ماہی ششماہی سالانہ رپورٹس مرتب کرسکیں۔
- ★ لیبر انسپکٹر کو مناسب تنخواہیں اور دیگر وسائل مہیا ہوں تاکہ وہ آسانی سے خریدے نہ جاسکیں اور ٹرانسپورٹ اور دیگر ضروری آلات مہیا ہوں، تاکہ وہ تیزی سے حرکت کرسکیں۔
- ★ لیبر انسپکشن کے سلسلہ میں مالکان کے علاوہ ٹریڈ یونینز کو بھی صورتحال سے آگاہ رکھا جائے اور ان کی باضابطہ شرکت کو یقینی بنایا جائے۔

- ★ مرکزی اتھارٹی ہر سال لیبر انسپکشن کی ملک گیر رپورٹ شائع کرے، تا کہ تمام متعلقہ اندرونی و بیرونی ادارے اس سے آگاہ رہیں۔
- ★ لیبر انسپکشن کو روکنے والے مالکان اور انتظامیہ اور سیاسی عناصر کی بے جا مداخلت کے تمام دروازے بند رہنے چاہیئں۔
- ★ بدلتے ہوئے حالات میں صحت و سلامتی کے نئے آلات اور نئے طریقہ کار اور تدابیر پر مبنی لٹریچر تمام متعلقہ فریقوں کو مہیا کیا جائے۔
- ★ لیبر انسپکشن کا دائرہ کار رسمی شعبوں کے ساتھ غیر رسمی شعبوں تک بھی بڑھایا جائے۔
- ★ آئی ایل او کنونشن 81 حالات کار میں تبدیلیوں کی وجہ سے افادیت کھو بیٹھا ہے ضروری ہے کہ حکومت پاکستان اس کی جگہ جدید کنونشن نمبر 155 اور 186 کی توثیق کرے۔

باکس 1.3: گڈانی شپ بریکنگ یارڈ (Gaddani Ship Breaking Yard) میں خوفناک حادثہ

دنیا کے تیسرے بڑے شپ بریکنگ یارڈ میں یکم نومبر 2016ء کو ایک خوفناک حادثہ ہوا، جبکہ تیل کے لئے استعمال ہونے والے جہاز کو توڑنے کے عمل کے دوران ایسی خوفناک آگ بھڑک اٹھی جس کو تین دن تک بجھایا نہ جا سکا۔ اس خوفناک آگ کی وجہ سے 18 مزدور جل کر مر گئے، جبکہ 60 شدید زخمی ہوئے۔

گڈانی شپ بریکنگ یارڈ میں مزدور قوانین پر کسی طرح سے عملدرآمد نہیں ہوتا۔ مزدوروں کو ٹھیکیداری نظام کے تحت ملازمتوں پر رکھا جاتا ہے اور ان کو تنظیم سازی کی آزادی میسر نہیں ہے اور نہ ہی ان کو سوشل سکیورٹی اور ای او بی آئی میں رجسٹریشن کی سہولت ہے۔ یہاں پر مزدوروں کو صحت و سلامتی کے آلات بھی میسر نہیں ہیں کہ وہ خود کو حادثات سے محفوظ رکھ سکیں۔ یہاں پر لیبر انسپکشن کے ذریعے کبھی ان حالات کا تجزیہ نہیں کیا گیا کہ یہاں پر مزدوروں کو کیسے حالات میں کام کروایا جاتا ہے اور لیبر قوانین پر کس حد تک عملدرآمد کروایا جاتا ہے۔ مزدوروں کے اس قدر بے کسی کی حالت میں ہلاکت اس امر کی غماز ہے کہ صوبائی محکمہ محنت اور صوبائی حکومت مزدوروں کے بارے میں کس قدر حساس اور فکر مند ہے اور وہ مزدوروں کی صحت و سلامتی کے مسائل کو کس قدر اہمیت دیتی ہے۔ اس سارے المیہ کے بعد ان تمام ذمہ داروں کو جو مزدوروں کو ٹھیکیداروں اور منافع خوروں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر خود اپنی آئینی ذمہ داریوں کے لاتعلق ہو چکے ہیں ان کو بھی مالکان اور ٹھیکیداروں کے ساتھ بھرپور احتساب کے عمل سے گزارنا چاہئے تا کہ مزدوروں کے اس قدر سستے خون کا حساب لیا جا سکے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ گڈانی شپ بریکنگ یارڈ میں جب کام عروج پر ہو تو یہاں پر مزدوروں کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ جاتی ہے، جبکہ اکثر معمول کے حالات میں بھی ان کی تعداد تین ہزار سے پانچ ہزار کے درمیان موجود ہوتی ہے اتنی بڑی تعداد میں مزدوروں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لئے مناسب اقدامات نہ ہونا بذات خود ایک المیہ سے کم نہیں ہے۔

ایکسپورٹ پراسسنگ زونز (Export Processing Zones)

حکومت نے ایکسپورٹ بڑھانے کے لئے ملک کے مختلف حصوں میں ایکسپورٹ پراسسنگ زونز قائم کئے ہیں جہاں پر سرمایہ کاری کرنے والوں کو بہت سی سہولیات اور مراعات سے نوازا گیا ہے۔

ان زونز کو وزارت انڈسٹری کے تحت ایک خود مختار ادارہ (Export Prossing Zone Authority) کنٹرول کرتی ہے۔ زونز میں موجود اداروں پر بجلی اور گیس کا کوئی ٹیکس نہیں ہے۔ ان میں سرمایہ کاری کی کوئی حد نہیں ہے۔ مشینری منگوانے پر بھی سرمائے کی کوئی قید نہیں ہے۔ یہاں پر مزدور قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا اور یہ صرف مجاز اتھارٹی کی مرضی سے لاگو ہو سکتے ہیں۔ ان زونز میں گارمنٹس، سپورٹس، کیمیکلز، الیکٹرک، لیدر، پلاسٹک، فوڈ پراسیسنگ، فرنیچر اور کھلونے بنانے کے کارخانے ہیں۔

ان زونز کی پالیسی اور مزدور قوانین کے عدم نفاذ میں جی ایس پی پلس کے بعد بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی اور ان میں کام کرنے والے مزدور بدستور یونین سازی اور دیگر مزدور قوانین سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ ان اداروں میں اجرتوں کے معیار اور دیگر سہولیات بارے صورتحال غیر واضح ہے۔

ایکسپورٹ پراسسنگ زونز اتھارٹی آرڈیننس 1980ء اور ایکسپورٹ پراسسنگ زون (کنٹرول ایمپلائمنٹ) ایکٹ 1982ء کے مطابق ان زونز میں آئی آر او (صنعتی تعلقاتی آرڈیننس) کا اطلاق نہیں ہوتا ہے اس لئے یہاں پر تنظیم سازی اور اجتماعی سودا کاری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ یہ زونز درج ذیل قوانین محنت کے دائرہ کار سے بھی باہر ہیں۔

- ★ ورک مینز کمپنسیشن ایکٹ 1923ء
- ★ فیکٹریز ایکٹ 1934ء
- ★ پے منٹ آف ویجز ایکٹ 1936ء

- ★ کم ازکم اجرتوں کا آرڈیننس 1961ء
- ★ پروفیشنل ایمپلائیز سوشل سکیورٹی آرڈیننس 1965ء
- ★ ویسٹ پاکستان انڈسٹریل اینڈ کمرشل ایمپلائمنٹ (سٹینڈنگ آرڈرز) آرڈیننس 1968ء
- ★ ویسٹ پاکستان شاپس اینڈ اسٹیبلمنٹس آرڈیننس 1969ء
- ★ ایمپلائز اولڈ ایج بینی فیٹس ایکٹ 1976ء

وزارت صنعت و پیداوار کے مطابق پورے ملک میں ایکسپورٹ پراسسنگ زونز میں کل 301 صنعتیں ہیں اوران میں اندازاً 40 ہزار مزدور کام کرتے ہیں۔ جن میں سے 70 فیصد خواتین کارکن ہیں۔

جدول 1.6: ایکسپورٹ پراسسنگ زونز کے بارے میں اہم اعدادوشمار

ایکسپورٹ پراسسنگ زونز	برآمدات (ملین ڈالر)	رقبہ (ایکڑز)
کراچی	386.998	385
سینڈک	88.935	1284
ڈاڑ	0.000[a]	1500
رسالپور	1.110	92
سیالکوٹ	0.660	238
طوارکی	3.092	220
گجرانوالہ	0.055	113
گوادر	0.000[a]	1000
ملک گیر سطح پر یونٹوں کی تعداد	301	
ملازمین کی تعداد	40,000 (تقریباً)	
خواتین کارکنان	70 فی صد (تقریباً)	

بحوالہ: وزارت صحت کی سالانہ رپورٹ 14-2013 اور 15-2014

کراچی میں اعلیٰ معیار کی ملبوسات، کیمیکلز، کھلونے، پلاسٹک اور انجینئرنگ کا سامان تیار ہوتا ہے۔ سیالکوٹ میں آلات جراحی، کھیلوں کا سامان اور چمڑے کی مصنوعات تیار ہوتے ہیں۔ رسالپور میں ٹریڈنگ، ویرہاؤسنگ، فرنیچر اور انجینئرنگ کے کارخانے ہیں۔ گوجرانوالہ میں لائٹ انجینئرنگ اور کنزیومر ڈیوریبل تیار ہوتے ہیں۔

a) ترقیاتی کام کے باعث پیداواری کام شروع نہیں کیا جاسکا۔

جی ایس پی کی رعایت کا برقرار رہنا حکومت آجروں اور کارکنوں سب کے لئے یکساں فائدہ اضافے اور زرمبادلہ کے حصول کیلئے اہم ذریعہ ہے۔ اس سلسلہ میں حکومت کو ایکسپورٹ پراسسنگ زونز میں موجود تمام اداروں اور صنعتوں کو لیبر قوانین کے دائرہ کار میں لاتے ہوئے آئی ایل او کے 8 بنیادی لیبر معیارات کو تمام صنعتوں میں نافذ کرنا چاہیئے، تاکہ جی ایس پی پلس کی رعایت کو برقرار رکھا جائے۔

کم ازکم اجرت کے تعین کے لئے نظام (Minimum Wage Boards) اوران کی کارکردگی

چاروں صوبوں اور مرکز میں کم ازکم اجرت مقرر کرنے کے لئے کم از کم اجرت بورڈز موجود ہیں جو ایک غیر ہنر مند مزدور کی کم ازکم اجرت کا تعین کرتے ہیں یہ اس لئے ضروری ہے کہ بیروزگاری اور غربت اور معاشی بدحالی کی وجہ سے مزدوروں کو بہت ہی کم اور من مانے معاوضہ پر کام پر لگا کر ان کا بدترین استحصال نہ کیا جاسکے۔

صوبائی حکومتیں مینیمم ویج بورڈ کے ایک چیئرمین اور ایک آزاد نمائندے کا تقرر کرتی ہیں۔ ان دونوں کا تعلق آجروں اور مزدوروں کی تنظیموں سے نہیں ہوتا اور یہ مزدور قوانین اور معاشی معاملات کے بارے میں کافی علم رکھتے ہوں۔ حکومت پنجاب نے ڈائریکٹر جنرل لیبر ویلفیئر پنجاب کو بھی اس کا ممبر بنا دیا ہے۔ اس کے علاوہ دو نمائندے آجروں اور مزدوروں کی تنظیموں سے لئے جاتے ہیں اگر حکومت کی طرف تسلیم شدہ نمائندہ آجروں اور مزدور تنظیموں نے اس مقصد کے لئے اپنی طرف سے نمائندے نامزد کئے ہوں تو ان کو بھی بورڈ کی رکنیت کے لئے مدنظر رکھا جاتا ہے، چونکہ مزدوروں کو مختلف صنعتوں اور شعبوں کے حوالے سے مختلف شعبوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس لئے ہر شعبوں کے مزدوروں کی کم ازکم اجرت کے تعین کے لئے اس مخصوص شعبہ سے متعلق ایک آجر اور ایک مزدور نمائندہ کو بھی بورڈ میں شامل کیا جاتا ہے۔ کم ازکم اجرت تمام مزدوروں کی محنت کے حساب سے جیسے گھنٹوں روزانہ ہفتہ وار یا ماہوار محنت کی اجرت کے حساب سے مقرر کی جاتی ہے۔ اسی طرح ٹھیکیداری یا پیس رٹ پر کام کرنے والوں کے لئے بھی اس حساب سے معاوضہ مقرر کیا جاتا ہے تاکہ وہ کم ازکم اجرت سے کم وصول نہ کرسکیں اسی اجرت کی بنا پر مقررہ اوقات سے زائد کام کرنے والے مزدوروں کے لئے اوورٹائم (Over Time) اوراس کی ادائیگی کا تعین ہوتا ہے۔ سفری اخراجات، بونس، گریجوایٹی اور پراویڈنٹ فنڈ وغیرہ کو کم ازکم اجرت کا حصہ تصور نہیں کیا جاتا۔ کم ازکم

اجرت کی بنیاد معاشی حالات اور مہنگائی پر منحصر ہوتی ہے اور بورڈ ممبران ان حالات کی روشنی میں کم ازکم اجرت کا تعین کرتے ہیں۔ یہ بورڈز اپنی سفارشات مرتب کر کے صوبائی حکومت کو ارسال کرتے ہیں۔

اور متعلقہ حکومت بذریعہ نوٹیفکیشن کم ازکم اجرت کا اعلان کرتی ہیں۔ اگر ادارے یہ اجرت ادا نہیں کرتے تو ان کے خلاف قانونی کاروائی ہوسکتی ہے اور اگر پہلی دفعہ کوئی آجر کم ازکم اجرت سے انکاری ہو یا ادا نہ کرتا ہو تو ثابت ہونے پر پنجاب میں اسے چھ ماہ قید اور 20 ہزار روپے جرمانہ تک سزا ہوسکتی ہے اور اگر دوبارہ یہی جرم ثابت ہو جائے تو چھ ماہ قید اور 50 ہزار روپے تک جرمانہ کیا جاسکتا ہے اس سزا کو لیبر کورٹ میں چیلنج کیا جاسکتا ہے جس کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بورڈ کم ازکم اجرت کی ادائیگی کے بارے میں معلومات اکٹھا کرنے کے لئے فیکٹریوں اور اداروں میں انسپکٹرز کو بھجوا سکتا ہے جو تمام ریکارڈ کی تحقیق کر سکتے ہیں اور ان انسپکٹرز کو فیکٹری میں داخلہ سے نہیں روکا جاسکتا۔ جہاں تک کوئلہ اور دیگر معدنیات کی کانوں کے مزدوروں کا تعلق ہے تو ان کی اجرت کے تعین کے لئے ان کا اپنا ویج بورڈ ہوتا ہے جو سہ فریقی بنیاد پر استوار ہوتا ہے اور کوئلہ کی کانوں کے مزدوروں کی اجرت کا تعین کرتا ہے، جبکہ اخباری کارکنوں کے لئے ان کا اپنا ویج ایوارڈ ہوتا ہے اور ان کا ویج بورڈ مرکزی حکومت مقرر کرتی ہے اور یہ ویج ایوارڈ اخباری کارکنوں کے معاوضوں کا اسی طرح سہ فریقی بنیاد اپنی سفارشات کے تحت مقرر کرتا ہے۔

یہ بات عملی مشاہدہ کی ہے کہ اکثر نجی اداروں اور فیکٹریوں میں کم ازکم اجرت ادا نہیں کی جاتی اور پھر مزدوروں سے 12,12 گھنٹے ڈیوٹی لی جاتی ہے اور زائد وقت کا اوورٹائم بھی نہیں دیا جاتا۔ مالکان اس مقصد کے لئے یا تو دوہرا ریکارڈ بنا لیتے ہیں یا پھر رقم لکھے بغیر تنخواہ کی وصولی پر دستخط کروا لیتے ہیں۔ بعض اوقات کچی پنسل سے رقم لکھ لی جاتی ہے اور بعد میں اسی کو ربر سے صاف کر کے مرضی کی رقم لکھ لی جاتی ہے۔ اگرچہ مزدوروں کو یہ حق ہے کہ وہ کم ازکم اجرت نہ ملنے کی شکایت کر سکیں، لیکن جو مزدور بھی ایسی جرأت کرے اس کو نوکری سے نکال دیا جاتا ہے اور پھر اس کی ملازمت کا کوئی تحفظ نہیں ہوتا اور نہ اس کو ملازمت پر بحالی کے لئے آسانی سے انصاف ملتا ہے۔ اکثر اداروں میں مزدوروں کے پاس تقرری نامے اور سوشل سیکیورٹی اور ای او بی آئی کی رجسٹریشن کارڈز بھی نہیں ہوتے اسی لئے وہ لیبر کورٹ میں مقدمات کرنے سے گھبراتے ہیں پھر انصاف کا حصول تھکا دینے والا مہنگا عمل ہے جو انفرادی طور پر مزدور برداشت نہیں کر سکتے۔

لیکن یہ بات واضح ہے کہ اکثر حکومتی ادارے اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ کن کن اداروں میں کم ازکم اجرت نہیں دی جاتی لیکن اکثر ذمہ دار حکام اس سے چشم پوشی کرتے ہیں اور مالکان کی ملی بھگت سے اپنا ذاتی مفاد حاصل کرتے ہیں اور یوں مزدور انتہائی بے بسی اور بے کسی سے کم ازکم اجرت کے حصول سے بھی محروم ہیں۔ جہاں تک ہنرمند اور پہلے سے موجود پرانے مزدوروں کا تعلق ہے تو ان کو بھی کم از کم اجرت ہی ادا کرنا زیادتی ہے، کیونکہ ان کو اپنے تجربے کی بنیاد پر زیادہ اجرت دی جانی چاہئے اور جس نسبت سے کم ازکم اجرت میں اضافہ ہو کم ازکم اسی تناسب سے ان کی اجرتوں میں بھی اضافہ کیا جانا ضروری ہے۔

گزشتہ کئی سالوں سے کم ازکم اجرت کا تعین سیاسی پارٹیوں اور حکومتوں کا ایک سیاسی نعرہ بن گیا ہے اور کم ازکم ویج بورڈز کے بجائے حکومتی سربراہ یوم مئی (May Day) یا بجٹ کے موقع پر کم ازکم تنخواہ کا اعلان کرتے ہیں اور بورڈز اس کے جواز کے لئے اپنی کاروائی مکمل کرتے ہیں۔ ان بورڈز کی نمائندگی کے لئے لازمی طور پر آجروں اور مزدوروں کی تسلیم شدہ نمائندہ تنظیموں سے ممبران نامزد کروائے جائیں۔ یہ بورڈز اپنی سفارشات کی ایک اوسط کنبہ اور اس کی کم ازکم غذائی، لباس وغیرہ اور دیگر ضروریات کو مدنظر رکھ کر تیار کریں اور چونکہ یہ اجرت سال میں صرف ایک بار مقرر کی جاسکتی ہے اس لئے ضروریات کا بھرپور تجزیہ کرتے ہوئے یہ اجرت مقرر کی جائے اور پھر اس کے جواز کی مناسب تشہیر کی جائے۔

جدول 1.7: سرکاری اعلان کردہ غیر ہنرمند کارکنوں کی کم ازکم اجرتوں کا رجحان ظاہری (Nominal) اور حقیقی (Real) اجرتوں کا موازنہ (پاکستانی روپوں میں)

سال	ظاہری اجرت	حقیقی اجرت
2008	4,600	
2009	6,000	5,128
2010	7,000	5,434
2011	7,000	4,779
2012	8,000	4,921
2013	10.000	5,727
2014	12,000	6,328
2015	13,000	6,541
2016	14,000	6,828
2008 سے کم ازکم اجرتوں میں اضافہ	8,000	2,226 (6فیصد سالانہ)

بحوالہ: پاکستان کا وفاقی بجٹ اور پاکستان بیورو آف شماریات (Statistics) 2008ء سے 2016ء تک کے اعداد و شمار

درج بالا جدول میں سرکاری سطح پر اعلان کردہ غیر ہنرمند کارکنوں کی کم از کم اجرتوں کی ظاہری اور حقیقی اجرتوں کا موازنہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ ایک غیر ہنر مند کارکن کے روزانہ 8 گھنٹے کی محنت کی کم از کم ماہانہ اجرت ہے مگر اعلان کردہ اجرتوں اور ان پر عملدرآمد میں وسیع فرق موجود ہے۔ جیسا کہ جدول نمبر 1.8 سے ظاہر ہے۔

جدول 1.8: مختلف شعبوں میں ادا کردہ اوسط اجرتیں اور ان اجرتوں میں صنفی امتیاز کا تناسب

معیشت کے اہم شعبے	اجرتوں کا تناسب (فی صد) خواتین کارکنان بہ نسبت مرد کارکنان		2014-15 اوسط اجرتیں پاکستانی روپے	
	2008-09	2014-15	مرد کارکن	خواتین کارکن
زرعی شعبہ	59	70	9,041	6,344
صنعت وحرفت	39	38	14,465	5,434
کنسٹرکشن (تعمیراتی شعبہ)	79	89	12,040	10,705
ہول سیل اور تجارت	96	100	10,710	10,740
فنانس اور انشورنس	89	62	38,806	24,114
پبلک ایڈمنسٹریشن اور ڈیفنس	67	92	25,946	23,935
شعبہ تعلیم	75	62	28,408	17,644
شعبہ صحت	75	78	24,604	19,161
دیگر خدمات	50	80	9,589	7,670
گھریلو خدمات	37	48	10,601	5,078

بحوالہ لیبر فورس سروے 2009 تا 2015

2009ء سے 2015ء کارکنوں کی اکثریت زراعت اور صنعت و حرفت (Manufacturing) کے شعبوں میں بحیثیت ہنرمند کارکن اور کاریگر کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ ان دو شعبوں میں اوسط اجرتیں سب شعبوں سے نہ صرف کم ہیں، بلکہ سرکاری اعلان کردہ کم از کم اجرت سے بھی کم ہیں۔ سرکاری اعداد و شمار بھی اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ دو تہائی سے زیادہ کارکنان کی اجرتیں کم از کم قانونی اجرتوں سے بھی کم ہیں اس پر مستزاد اجرتوں کے حوالے سے صنفی امتیاز ہے جو انتہائی گمبھیر مسئلہ ہے۔ صنعت و حرفت (Manufacturing) جن میں ٹیکسٹائل اور گارمنٹس کے برآمدی شعبے بھی شامل ہیں یہاں خواتین اور مرد کارکنان کی اجرت میں 38 نسبت 100 کا وسیع فرق موجود ہے۔

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن اس بات پر زور دیتی ہے کہ اجرتوں کے نظام میں بڑے پیمانے پر اصلاح کی ضرورت ہے۔ کم از کم اجرت مقرر کرنے کا پیمانہ اس بات پر ہونا چاہیے کہ گھرانے کو اپنی زندگی کی ساری ضرورتیں (Cost of Living) پوری کرنے کے لیے کتنے اخراجات کرنے پڑتے ہیں۔ ذیل میں جدول 1.8 کے ذریعے ایک محنت کش کنبہ (میاں بیوی 3 بچے) کی بنیادی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے اخراجات کا ایک خلاصہ پیش کیا گیا ہے یہ اعداد و شمار سرکاری ذرائع سے حاصل کیے گئے اور 1970 سے بنیادی ضرورتوں کے اخراجات (Cost of Living) کے رجحانات کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس جدول کے مطابق جنوری 2017 میں ایک کنبہ کے کم از کم ماہانہ اخراجات چالیس ہزار پانچ سو انیس روپے ہیں۔

جدول 1.9: پاکستان ورکرز فیڈریشن (PWF) پانچ ممبران پر مشتمل (میاں بیوی، 3 بچے) ایک محنت کش خاندان کی ماہانہ بنیادی مالی ضروریات کا خلاصہ

پاکستانی روپیوں میں

پیریڈ	خوراک	گھریلو سامان	ٹرانسپورٹ	گھر کا کرایہ	متفرقات	سردیوں اور گرمیوں کے کپڑے	جوتے	بستر وغیرہ	کل ماہانہ اخراجات
جنوری 1970ء	142.00	20.75	5.00		17.72	18.95	8.00	2.64	215.06
جنوری 1990ء	1,018.00	560.00	130.00	700.00	225.60	271.66	87.50	35.25	3,028.01
جنوری 2000ء	3,763.60	3,047.50	800.00	900.00	764.40	629.16	172.50	222.87	10,300.03
جنوری 2012ء	9,964.48	4,400.00	977.50	1,500.00	980.00	895.85	200.00	192.70	19,110.53
جنوری 2014ء	11,767.80	7,750.00	1,200.00	3,500.00	1,750.00	1,268.74	262.50	237.75	27,736.79
جنوری 2016ء	11,938.88	11,600.00	1,800.00	6,500.00	2,282.00	1,495.00	358.33	241.66	36,215.87
جنوری 2017ء	13,724.00	12,100.00	2,000.00	7,500.00	2,625.00	1,496.00	383.00	691.00	40,519.00

نوٹ: یہ جدول پاکستان ورکرز فیڈریشن کی اس سلسلے میں کی جانے والی تحقیق کو پیش نظر رکھ کر تیار کیا گیا ہے۔

ای او بی آئی (EOBI) میں کارکنان کے اندراج کی صورتحال

ای او بی آئی یعنی ایمپلائز اولڈ ایج بینی فٹس انسٹیٹیوشن وہ ادارہ ہے جو مزدوروں کو ریٹائرمنٹ کے بعد یا دوران ملازمت فوتگی کی صورت میں ان کی بیوگان اور ان کے لواحقین کو پنشن کی ادائیگی کرتا ہے جس کے تمام قوائد وضوابط اس کے آرڈیننس میں موجود ہیں۔ ای او بی آئی میں مزدوروں کی رجسٹریشن میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ایک قدرتی اور لازمی امر ہے، کیونکہ نئی رجسٹرڈ ہونے والی فیکٹریوں یا پرانے غیر رجسٹرڈ کارکنوں کے دباؤ کی وجہ سے رجسٹریشن میں اضافہ کرنا پڑتا ہے اور پھر محکمہ کے اہلکاروں کے لئے بھی وقتاً فوقتاً ٹارگٹ مقرر کئے جاتے ہیں کہ وہ بتدریج رجسٹریشن میں اضافہ کریں۔ البتہ جتنی بھاری تعداد ای او بی آئی میں رجسٹریشن کی حقدار ہے اگر ان سب کو رجسٹرڈ کیا جا سکے تو تعداد میں کئی گنا اضافہ ممکن ہے اور اس سے ادارے کی آمدن میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو سکتا ہے اب جبکہ پانچ کارکنوں کے ادارے تک ای او بی آئی کا قانون لاگو ہے ملک بھر میں بے شمار صنعتی اور تجارتی ادارے اس کے دائرہ کار میں آتے ہیں، لیکن محکمے کی مخصوص پالیسیوؤں کی وجہ سے تمام کارکنوں کو یکدم رجسٹرڈ نہیں کیا جاتا اور مالکان کے ساتھ باہمی رضامندی سے معاملات کو چلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ذیل میں ہم مالی سال 2014ء اور 2015ء کے اعداد وشمار کا موازنہ درج کر رہے ہیں۔

جدول 1.10: پاکستان بھر میں EOBI کے حوالے سے اعداد وشمار

عنوان	2014ء	2015ء	اضافہ
صوبہ پنجاب			
رجسٹرڈ کارکنوں کی تعداد	3,064,048	3,272,133	208,085
محکمہ کو ملنے والی کنٹری بیوشن (ملین روپے)	6,414.064	6,700.332	286.268
عمر کی بنا پر پنشنز کو ملنے والی رقوم (ملین روپے)	4,701,610	5,011.258	309.648
معذور پنشنرز کو ملنے والی رقوم (ملین روپے)	92.719	99.705	6.986
پسماندگان کی پنشن (ملین روپے)	2,707.168	2,901.072	193.904
صوبہ سندھ			
رجسٹرڈ کارکنوں کی تعداد	2,270,412	2,418,691	148,279
محکمہ کو ملنے والی کنٹری بیوشن (ملین روپے)	4,535.540	4,617.731	82.191
عمر کی بنا پر پنشنز کو ملنے والی رقوم (ملین روپے)	3,059.286	3,330.749	27.163
معذوروں کو ملنے والی پنشن کی رقوم (ملین روپے)	72.583	77.007	4.424
پسماندگان کو ملنے والی پنشن کی رقوم (ملین روپے)	1,646.377	1,759.166	112.789
صوبہ خیبر پختونخواہ			
رجسٹرڈ کارکنوں کی تعداد	362,588	380,004	17,416
محکمہ کو ملنے والی کنٹری بیوشن (ملین روپے)	644.408	659.954	15.546
عمر کی بنا پر پنشنز کو ملنے والی رقوم (ملین روپے)	1,113.528	1,160.291	46.763
معذوروں کو ملنے والی پنشن کی رقوم (ملین روپے)	30.831	32.245	1.414
پسماندگان کو ملنے والی رقوم (ملین روپے)	698.858	347.561	351.297 کمی
صوبہ بلوچستان			
رجسٹرڈ کارکنوں کی تعداد	108,427	113,262	4,835
محکمہ کو ملنے والی کنٹری بیوشن (ملین روپے)	212.848	200.235	12.613

عنوان	2014ء	2015ء	اضافہ
عمر کی بنا پر پنشنز کو ملنے والی رقوم (ملین روپے)	130.363	139.959	9.596
معذوروں کو ملنے والی پنشن کی رقوم (ملین روپے)	2.375	2.931	556
پسماندگان کو ملنے والی پنشن (ملین روپے)	81.679	88.427	6.748
وفاقی علاقہ جات			
رجسٹر ڈ کارکنوں کی تعداد	267,746	294,382	26,636
محکمہ کو ملنے والی کنٹری بیوشن (ملین روپے)	930.637	930.426	211
عمر کی بنا پر پنشنز کو ملنے والی رقوم (ملین روپے)	299.336	358.052	58.716
معذوری کی بنا پر ملنے والی بینی فٹس (ملین روپے)	4.51	5.027	4.576
پسماندگان کو ملنے والی بینی فٹس (ملین روپے)	89.262	99.850	10.588

حوالہ ای او بی آئی ڈیپارٹمنٹ

- ان اعداد و شمار کی روشنی میں ظاہر ہوتا ہے کہ ای او بی آئی کی رجسٹریشن میں بھی اضافہ بتدریج ہو رہا ہے اور یکدم تمام حق دار کارکنوں کی رجسٹریشن کو کئی گنا بڑھایا نہیں جا رہا۔ شاید محکمہ اور مالکان کی باہمی رضامندی سے ہی یہ بتدریج اضافہ ہو رہا ہو۔ وگرنہ جب 5 کارکنوں والے اداروں تک ای او بی آئی کا دائرہ کار بڑھا دیا گیا ہے تو بڑی تعداد میں حقدار کارکن اس زمرے میں آتے ہیں۔

- ہماری خواہش ہے کہ اس ادارے کا دائرہ کار خود روزگار کارکنوں تک بڑھایا جائے رفتہ رفتہ غیر رسمی شعبوں کے مزدوروں مثلاً گھروں میں رہ کر کام کرنے والے مزدوروں، گھروں میں جا کر کام کرنیوالے مزدوروں اور زرعی شعبہ تک اس کو لے جانے کیلئے منصوبہ بندی کی جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ محنت کش اس سے مستفید ہو سکیں۔

- اس سلسلے میں پاکستان ورکرز کنفیڈریشن (PWC) کی گزشتہ رپورٹ میں EOBI اور سوشل سکیورٹی کے حوالے سے مندرجہ ذیل سفارشات پیش کی گئی تھیں۔

- 18 ویں آئینی ترمیم کے بعد یہ ادارہ ایک طرح سے منجمد ہو کر رہ گیا ہے۔ مرکزی حکومت اس ادارہ کے حوالے سے قانون سازی سے گریزاں ہے، جبکہ صوبائی حکومتوں میں سے سندھ اور پنجاب کی حکومتیں اس کو صوبائی حکومتوں کے سپرد کرنے کی خواہشمند ہیں۔ حکومت سندھ کچھ ضرورت سے زیادہ سرگرم ہے اور اس نے اس بارے میں نئی آئین سازی بھی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی اس کی آمدن جو کہ کم از کم 13 ہزار روپے کی تنخواہ کا چھ فیصد ہونا چاہئے تھا۔ وہ 8000 روپے تنخواہ کی بنیاد پر منجمد ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مرکزی اور صوبائی حکومتیں مل کر کونسل آف کامن انٹریسٹ (CCI) کے فورم پر اس بارے میں کسی حتمی قابل عمل حل کی طرف بڑھیں اور اس بارے میں مزدوروں کے مفادات اور ان کی تجاویز کو بھی مدنظر رکھیں۔ 18 ویں آئینی ترمیم 2010ء میں ہوئی تھی، لیکن اتنے عرصہ میں اس ادارے کے بارے میں حتمی فیصلہ نہ ہونا سیاسی پارٹیوں اور حکومتوں کی عدم دلچسپی کا اظہار ہے، جو انتہائی قابل تشویش ہے اور ادارہ کو خواہ مخواہ بھاری مالی نقصان پہنچ رہا ہے۔ اس ادارہ میں ابھی بے شمار مزید کارکنوں کو رجسٹرڈ کرنے کی گنجائش موجود ہے، لیکن اس بارے میں کوئی توجہ نہیں دی جا رہی۔ محکمے کے کارندے آجروں سے ذاتی سودا بازی کر کے حقدار کارکنوں کو رجسٹریشن سے محروم رکھ کر ان کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا رہے ہیں اور یوں لاکھوں مزدور اس ادارہ کی سہولتوں کے حصول میں ناکام ہیں۔ اس ادارہ کو لازمی طور پر تمام حقدار کارکنوں کی رجسٹریشن کو یقینی بنانا چاہئے اور اس امر کا بھی خیال رہے کہ رجسٹرڈ مزدوروں کو لازمی طور پر رجسٹریشن کارڈ وصول ہوں۔

- چونکہ یہ ادارہ مزدوروں کے مفاد میں آجروں اور کارکنوں کے فنڈز سے قائم و دائم ہے اور حکومت اس ادارہ میں محض سہولت کار (ریگولیٹری باڈی) کا فرض سرانجام دے رہی ہے۔ اس لئے اس ادارہ پر حکومت کا قطعی اور فیصلہ کن کنٹرول اس ادارہ کے نقصان اور تنزلی کا باعث بن رہا ہے۔ اس ادارہ کی سب سے بڑی اور بااختیار باڈی BOT (بورڈ آف ٹرسٹیز) ہے۔ اس ادارہ میں آجروں اور مزدوروں کے نمائندوں کی شرح 40,40 فیصد،

جبکہ حکومت کی نمائندگی 20 فیصد ہونی چاہئے اور ادارہ کی چیئرمین شپ آجروں اور اجیر کے نمائندوں میں باری باری تقسیم ہونی چاہئے۔ BOT کے لئے ارکان کی نامزدگی کا اختیار آجر اور اجیر کی نمائندہ تنظیموں کو ہونا چاہئے اور حکومت کے یہ صوابدیدی اختیارات لازمی طور پر ختم ہوں، کیونکہ ہر حکومت اپنے سیاسی حمایتوں کو نوازنے کے لئے ان کو نامزد کر لیتی ہے اور پھر ان سے اپنی مرضی سے بنائے گئے منصوبوں پر انگوٹھے لگوا لئے جاتے ہیں جس سے ادارہ میں کرپشن اور بدعنوانی کے دروازے کھلتے ہیں۔

- ★ تمام سیاسی پارٹیاں اور حکومتیں زبانی اور تحریری طور پر اس امر کو مانتے ہیں کہ مزدور اس ملک کی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی ہیں، لیکن ای او بی آئی کے فنڈز میں میچنگ گرانٹ دینے میں ہر حکومت نے مکمل کنجوسی کا اظہار کیا ہے اور محنت کشوں کے دور رس مفادات سے روگردانی کی ہے، اگر ہم دیگر سرکاری اور نیم سرکاری اداروں کی پنشن کا ای او بی آئی کی پنشن سے موازنہ کریں تو یہ کوئی مقابلہ ہی نہیں بنتا اور اگر اس معمولی پنشن کے مسلسل جاری رہنے پر شکوک وشبہات پیدا ہو رہے ہوں تو یہ صورت حال مزدور تنظیموں اور مزدوروں کے لئے انتہائی پریشان کن ہے۔
- ★ ای او بی آئی کے بارے میں سپریم کورٹ کو بھی جلد از جلد فیصلہ کرنا چاہئے اور لوٹ مار کے ذمہ دار عناصر کو عبرتناک سزا دے کر لوٹی گئی رقوم کی ریکوری کو یقینی بنانا چاہئے اور مجرم خواہ جتنے بھی با اثر کیوں نہ ہوں ان سے ہر صورت میں ریٹائرڈ کارکنان اور بیوگان کی یہ رقوم وصول کرنی چاہئیں۔
- ★ ادارہ میں تمام ملازمین کی بھرتی صرف اور صرف میرٹ کی بنیاد پر ہونی چاہئے اور سیاسی و گروہی مفادات کے تحت لوگوں کو نوازنے سے مکمل گریز کی ضرورت ہے۔
- ★ ادارہ کی رقوم کی سرمایہ کاری بہت سوچ بچار کے بعد شفاف طریقے سے صرف محفوظ پروجیکٹس میں کی جائے جہاں رقم ڈوبنے کا احتمال نہ ہو۔
- ★ ادارہ کی اپنے تمام تر اکاؤنٹس کی آڈٹ رپورٹ تمام رجسٹرڈ لیبر فیڈریشنز اور ایمپلائر فیڈریشن کو ارسال کرنی چاہئے تاکہ تمام اسٹیک ہولڈرز ادارہ کی مالی حالت سے باخبر رہیں۔
- ★ ادارہ میں کارکنوں کی رجسٹریشن کا دائرہ کار غیر رسمی شعبوں اور خود روزگار کارکنوں تک بڑھایا جائے، تاکہ زیادہ سے زیادہ محنت کش اس ادارہ کی سہولیات سے مستفید ہو سکیں۔
- ★ کوئی ایسا شکایت سیل بنایا جائے جہاں حقدار کارکن یہ شکایت کر سکیں کہ وہ ای او بی آئی میں رجسٹریشن کے حقدار ہیں اور ان کو جان بوجھ کر نظر انداز کیا گیا ہے اور پھر ان کی اس شکایت کا فوری طور پر ازالہ کیا جائے۔

سوشل سکیورٹی (Social Security)

- ★ اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ تمام صنعتی و تجارتی اداروں کے حقدار کارکنوں کو لازماً سوشل سکیورٹی میں رجسٹرڈ کیا جائے اور ان کو باضابطہ رجسٹریشن کارڈ مہیا بلکہ وصول کروائے جائیں، کیونکہ ورکرز ویلفیئر فنڈ کی مراعات کے حصول کے لئے کارکن کے پاس سوشل سکیورٹی کارڈ ہونا ضروری ہے اور اگر اس کے پاس یہ کارڈ نہ ہوگا تو وہ میرج گرانٹ، ڈیتھ گرانٹ، بچوں کے سکول میں داخلہ، ٹیلنٹ سکالرشپ، ہاؤسنگ کالونیز اور فلیٹس وغیرہ کے حصول کا بھی حق دار نہیں ہوگا۔ جس کا اس کو ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔
- ★ اگر تمام حق دار مزدور باضابطہ رجسٹرڈ ہو جائیں تو سوشل سکیورٹی کی آمدن میں بھی بہت اضافہ ہوگا اور مزید ہسپتال اور ڈسپنسریاں اور دیگر سہولیات مہیا کرنے میں آسانی ہوگی۔
- ★ اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ کسی بھی صورت میں سوشل سکیورٹی ہسپتال اور ڈسپنسریز پر جعلی یا گھٹیا معیار کی ادویات مہیا نہ ہو سکیں۔
- ★ محکمے کے ارکان جو جان بوجھ کر حق دار کارکنان کو محض اس لئے سوشل سکیورٹی میں رجسٹرڈ نہیں کرتے کہ وہ آجروں سے ساز باز کر کے اپنی ذاتی سودا بازی کرتے ہیں۔ ان کے احتساب کا کوئی واضح طریقہ کار ہونا چاہئے تاکہ محکمہ سے کرپشن ختم ہو۔ محکمہ کا پبلک میں امیج بہتر ہو اور حقدار مزدور محروم بھی نہ رہیں۔
- ★ سوشل سکیورٹی کی گورننگ باڈی میں آجروں اور مزدوروں کے نمائندوں کا تناسب زیادہ ہونا چاہئے۔ آجر نمائندے 40 فیصد، مزدوروں کے نمائندے 40 فیصد اور حکومتی ارکان صرف 20 فیصد ہوں اور چیئرمین لازمی آجر اور ورکرز کے نمائندوں میں سے ہو جو باری باری تبدیل ہوں۔
- ★ صوبائی حکومتوں کا یہ صوابدیدی اختیار ختم ہونا لازمی ہے جس کے تحت وہ من مرضی سے اپنے سیاسی ورکرز کو نوازنے کے لئے ان کو گورننگ باڈی کا ممبر بنا دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف یہ حق فیڈریشنز اور ایمپلائر فیڈریشن کا ہے کہ وہ خود اپنے بہترین نمائندے گورننگ باڈی کے لئے بھیجیں۔

- ★ سوشل سکیورٹی کا دائرہ کار غیر رسمی شعبوں تک بڑھانے کی اشد ضرورت ہے تاکہ اس میں ہوم بیسڈ ورکرز، ڈومیسٹک ورکرز، زرعی سیکٹر سے منسلک کارکن بھی رجسٹریشن حاصل کرسکیں اس بارے میں سہ فریقی کمیٹیوں میں پالیسی بنانے کی ضرورت ہے تاکہ اس کا طریقہ کار طے کیا جا سکے۔اسی طرح خودروزگار کارکنان کو بھی سوشل سکیورٹی میں رجسٹریشن کا حق ہونا چاہئے تاکہ اگر وہ فنڈز ادا کریں تو سوشل سکیورٹی سے سہولیات بھی حاصل کرسکیں۔
- ★ کوئی ایسا شکایت سیل بنایا جائے جہاں سوشل سکیورٹی میں رجسٹریشن کے حق دار کارکن رجسٹر ڈ نہ کئے جانے کی شکایت کرسکیں اور پھر ان کی شکایت کے ازالہ کا کوئی میکنزم تیار کیا جائے۔

جی ایس پی پلس کے بعد لیبر جوڈیشری (Labour Judiciary) کی صورتحال

- ★ پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی سابقہ رپورٹ میں لیبر جوڈیشری کے بارے میں کافی تفصیلی روشنی ڈالی گئی تھی اور سستے اور جلد انصاف کے حصول میں مشکلات کی وجہ سے مزدوروں کی عدلیہ سے رجوع کرنے اور انصاف کے حصول کی توقعات سے مایوسی کا ذکر کیا تھا اس میں یہ بھی تجاویز دی گئی تھیں کہ لیبر عدلیہ کا کیڈر(Cadre) الگ مقرر کیا جائے اور اس میں ایسے ججز کو بھرتی کیا جائے جو مزدور قوانین پر دسترس رکھتے ہوں اور بدلتے ہوئے حالات میں بین الاقوامی قوانین یا تبدیلیوں اور نئے رجحانات سے واقف ہوں اور پیداواری عمل اور پیداواری رشتوں کی نزاکت سمجھتے ہوں۔ یہ ججز حاضر سروس ہوں، کیونکہ ریٹائرڈ ججز زیادہ دیر تک کام کرنے سے اجتناب کرتے ہیں۔
- ★ لیبر عدلیہ کے ججز صوبائی حکومتوں کی طرف سے بھرتی نہ کئے جائیں، بلکہ ان کو دیگر عدلیہ کی طرح ہائی کورٹس اور سپریم کورٹس یا مرکزی لاڈویژن سے بھرتی کیا جائے، تاکہ ان پر صوبائی انتظامیہ اثرانداز نہ ہوسکے۔
- ★ ان ججز کو تمام سروس کے لئے لیبر عدلیہ کے کیڈر میں ہی رکھا جائے، تاکہ ان کے تجربات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھایا جا سکے۔
- ★ ان ججز کی تنخواہیں اور مراعات دیگر ججوں کے برابر ہوں۔
- ★ لیبر سے متعلقہ مقدمات لازمی طور پر ایک طے شدہ عرصہ کے اندر اندر نپٹائے جانے چاہئیں۔
- ★ اگر لیبر کورٹس کم ہوں تو ان کی تعداد میں اضافہ کر دیا جائے،

لیکن جی ایس پی پلس کے تیسرے سال بھی لیبر جوڈیشری کی صورت حال جوں کی توں ہے اور مقدمات کے فیصلے سال ہا سال تک معرض التوا میں رہتے ہیں۔ مزدور عدلیہ سے رجوع کرنے سے کتراتے ہیں، کیونکہ وہ لمبے عرصہ تک مقدمہ بازی کا مالی بوجھ اور آئے روز عدالتوں میں حاضری کے چکر لگانے سے گھبراتے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ لیبر عدلیہ میں ایسی اصلاحات لائی جائیں کہ مزدوروں سے متعلق مقدمات جلد از جلد نپٹائے جاسکیں اور جو مالکان دیدہ دانستہ مزدوروں کے حقوق پورا نہیں کر رہے ان کو یہ خوف ہو کہ عدالتیں ان کا احتساب کر کے مزدوروں کو جائز حقوق دلوانے میں سرگرمی کے ساتھ کام کر رہی ہیں، تاکہ موجودہ صورتحال میں جو معاشرتی توازن مالکان اور آجروں کے حق میں چلا گیا ہے اس کو پھر سے متوازن کرتے ہوئے آجر اور اجیر کے لئے مساوی بنیادوں پر لایا جائے۔

نجکاری اور ٹریڈ یونین تحریک پر اثرات

پاکستان میں 1970ء کی دہائی میں جن صنعتوں، بنکوں اور نجی اداروں کو سرکاری تحویل میں لیا گیا سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد نیوورلڈ آرڈر، لبر لائزیشن اور پرائیویٹائزیشن (New World Order Liberalisation and Privatisation) کی نئی حکمت عملی کے تحت پاکستان میں 90-1989ء ان صنعتوں اور بنکوں کو دوبارہ نجی تحویل میں دینے کا عمل زور و شور سے شروع کیا اور اس کیلئے ایک باقاعدہ پراوئیٹائزیشن کمیشن (Privatisation Commission) قائم کیا گیا۔جس کو قانونی تحفظ فراہم کیا گیا۔

پاکستان میں نجکاری کا عمل ہمیشہ متنازعہ اور اقربا پروری اور غیر شفافیت جیسے الزامات کی زد میں رہا ہے۔ نجکاری کے جواز میں ابتدا میں حکومت کا یہ پروپیگنڈا تھا کہ وہ صرف بیمار صنعتی یونٹس کو نجکاری کرنے کو ترجیح دے گی، لیکن عملاً اس کے الٹ ہوا اور سب سے پہلے وہی ادارے فروخت ہوئے جو زیادہ منافع بخش تھے، پھر کہا گیا کہ اس سے صنعتوں میں نئی سرمایہ کاری آئے گی۔ان میں توسیع ہوگی نئی ٹیکنالوجی کے ساتھ پیداوار میں بہتری آئے گی، ملازمتوں کے مواقع بڑھیں

گے اور مقابلہ بازی کے رجحان کی وجہ سے قیمتوں میں کمی آئے گی اور عوام کو سستی اشیاء ملیں گی، لیکن عملاً یہی ہوا کہ اکثر ادارے بند ہوگئے کچھ کی مشینری بیچ کر ان کے پلاٹ بنا کر بیچ دیا گیا۔ بعض جوں کے توں رہے اور کچھ میں بہتری آئی، لیکن ملازمتوں کے مواقع بڑھنے کے بجائے اور کم ہوئے، کیونکہ پرانے ملازمین اور مزدوروں سے جن کی تنخواہیں نسبتاً بہتر تھیں اور جو تجربہ کار اور مزدور تحریک سے حاصل شدہ شعور اور جدوجہد کی وجہ سے مزدوروں کے حقوق سے آشنا تھے ان سے جان چھڑانے کے لئے ان کو گولڈن ہینڈ شیک (Golden Handshake) دے کر یا رضا کارانہ علیحدگی کی سکیموں کے ذریعے فارغ کر کے ان کی جگہ نئے عارضی اور ٹھیکیداری نظام کے تحت مزدوروں کو بھرتی کیا گیا اور ان کو قلیل معاوضوں کے ساتھ وہ تمام قانونی سہولیات بھی مہیا نہ کی گئیں جو کہ ان کا حق تھا اور اس طرح مزدوروں کی کارخانوں میں تعداد بڑھنے کی بجائے بہت کم رہ گئی اور ان پر کام کا بوجھ بہت بڑھ گیا۔ اشیائے صرف کی قیمتیں کم ہونے کی بجائے ان میں آئے دن اضافہ ہوا مالکان کی تنظیموں نے اجارہ داری کے کلچر کو فروغ دے کر پورے پورے شعبے کے لئے قیمتیں مقرر کر دیں اور تمام ممبران کو اس امر کا پابند کیا کہ وہ اس سے کم قیمت پر مال نہیں بیچیں گے۔ اس طرح کے اجارہ داری کی سیمنٹ اور شوگر اور گھی وغیرہ میں بڑی مثالیں موجود ہیں اور ان کے خلاف اجارہ داری پاکستان مسابقاتی کمیشن (Competition Commission of Pakistan) نے کئی بار بھاری جرمانے عائد کئے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ایک تاثر دیا گیا کہ یہ صنعتی اور ادارے فروخت کر کے ان کی آمدن کا 90 فیصد بیرونی قرضوں کی ادائیگی میں اور 10 فیصد غربت کے خاتمے پر صرف ہوگا، لیکن آج دیکھا جا سکتا ہے کہ ملکی اور غیر ملکی قرضوں کا بوجھ کس قدر بڑھ گیا ہے اور آج ہر شہری ایک لاکھ 10 ہزار سے زائد کا مقروض ہے، جبکہ آدھی سے زیادہ آبادی غربت کی لکیر سے نیچے غرق ہو چکی ہے۔

جہاں تک نجکاری کے عمل میں شفافیت اور اقربا نوازی کا سوال ہے تو اس طرح کے کئی مقدمات ابھی عدالتوں میں زیرِ التوا ہیں۔ جن پر ابھی فیصلے آنے باقی ہیں۔ یہ ہمارے عدالتی نظام کا کمال ہے کہ یہ فیصلے کئی دہائیوں سے التوا میں ہیں جس سے بہت سی چیزیں منظرِ عام پر نہیں آسکیں۔ بعض اداروں کی نجکاری کے حوالے سے کچھ اعداد و شمار واقعی قابلِ توجہ ہیں جیسے۔ مسلم کمرشل بینک کے دو تہائی شیئرز جتنی رقم میں فروخت ہوئے پرائیویٹائزیشن کے فوری بعد ہی اس بینک کا منافع اس سے زیادہ تھا۔ کیپکو تھرمل پاور جو کہ سوئی گیس سے چلنے والا بڑا تھرمل پاور تھا اس نے نجکاری کے بعد واپڈا کو بجلی اس سے دوگنا قیمت پر فروخت کی جس قیمت پر یہ بجلی بنا رہا تھا اور صرف دو سالوں میں نجکاری میں ادا کی گئی ساری رقم وصول کر لی۔

اس طرح مہنگی بجلی کا بالواسطہ صنعتوں پر بھی منفی اثر پڑا۔ یونائیٹڈ بینک کی فروخت سے قبل 21 بلین روپے کی مالی امداد دی گئی۔ یعنی اس پر موجود ادائیگیاں حکومت نے اپنے کھاتے میں لے لیں، جبکہ اس کے 51 فیصد شیئرز سے صرف 12.4 بلین روپے وصول ہوئے۔

کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن (KESC) کے 73 فیصد شیئرز کی فروخت سے اس کے ذمہ واجبات جو کہ حکومت نے اپنے کھاتے میں لئے تھے کم رقم وصول ہوئی اور اس ادارے نے واپڈا سے مسلسل 700 میگاواٹ بجلی وصول کی اور یوں یہ واپڈا کا اربوں روپے کا نادہندہ ہے، جبکہ اپنے وسائل سے مزید بجلی پیدا کرنے پر بہت کم توجہ اور سرمایہ کاری کی، جبکہ ایک سروے رپورٹ کے مطابق صنعتوں میں کل 100 صنعتوں میں سے 20 فیصد پہلے سے بہتر ہوئیں، جبکہ 44 فیصد میں کوئی تبدیلی نہ آسکی، جبکہ 35 فیصد کی صورتحال پہلے سے بھی بدتر ہوئی۔

- ★ نجکاری کے نتیجے میں یا تو مزدور تنظیمیں ختم ہوگئیں یا پھر کمزور اور بے اثر ہوگئیں۔
- ★ کچھ ادارے بند ہوگئے اور ان کی پیداوار ختم ہوگئی، بیروزگاری میں اضافہ ہوا اور سرمایہ منجمد ہوگیا۔
- ★ نجی مالکان نے پرانے زیادہ تنخواہوں والے تجربہ کار اور ٹریڈ یونین تحریک سے باخبر اور مزدوروں کے حقوق سے مکمل آشنا ملازمین اور مزدوروں سے جان چھڑانے کے لئے ان کو گولڈن ہینڈ شیک اور رضا کارانہ علیحدگی سکیموں کے ذریعے فارغ کر دیا اور ان کی جگہ پر بہت کم عارضی اور ٹھیکیداری نظام کے تحت مزدوروں کو بھرتی کیا گیا۔ جس سے ملازمتوں کے مواقع مزید کم ہوئے اور مزدوروں پر کام کا بوجھ بہت بڑھ گیا۔
- ★ یہ عارضی اور ٹھیکیداری نظام کے تحت کام کرنے والے مزدور ٹریڈ یونین کی ممبر شپ سے دور رہے اور یوں مزدور مختلف خانوں میں بٹ گئے جس سے ٹریڈ یونینز کمزور ہوئیں۔
- ★ بنکوں/ مالیاتی اداروں میں B-27 جیسی دفعات کے تحت کام کے اوقات میں ٹریڈ یونینز اور سرگرمیوں پر پابندیاں عائد کر دی گئیں اور یوں یہ تنظیمیں یا تو ختم یا بالکل مفلوج ہو کر رہ گئیں اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ ان بینکس اور مالیاتی اداروں میں یونینز کا نام و نشان تک ختم ہو کر رہ گیا ہے۔
- ★ پاکستان میں منظم مزدوروں کی تعداد پہلے ہی کم تھی اور نجکاری کے بعد اس میں مزید کمی آئی اور یوں ٹریڈ یونین تحریک کو بڑا دھچکا لگا۔

حکومت نے اب نئے سرے سے تمام کلیدی اداروں کو نجی شعبہ کے حوالے کرنے کا عزم کررکھا ہے جن میں واپڈا، پاکستان، اسٹیل، او جی ڈی سی ، پی آئی اے پاکستان سٹیٹ آئل، اسٹیٹ لائف انشورنس وغیرہ شامل ہیں۔ ان اداروں کی نجکاری سے قبل ماضی میں کی گئی نجکاری کے اثرات اور اس کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر غور کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ کلیدی ادارے ہیں۔

جہاں تک سرکاری اور نجی اداروں کو بہتر انداز میں چلانے اور ان کی اچھی گورننس کا سوال ہے تو یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب تک کسی بھی ادارے میں پیشہ ور اور اپنے کام میں مکمل مہارت رکھنے والی انتظامیہ نہ تو وہ ادارہ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا، اگر اداروں میں بھرتیاں اور انتظامیہ سیاسی بنیادوں پر ہوں اور پھر کرپشن اور بدانتظامی پر احتساب کا عمل بھی نہ ہو تو کوئی بھی ادارہ منافع بخش اور کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اگر نجی شعبہ بہت کامیاب ہوتا تو آج ہزاروں کارخانے بند نہ ہوتے اور ان میں لگایا گیا کھربوں کا سرمایہ منجمد نہ ہوتا اور یہ بھی یاد رہے کہ پاکستانی عوام کے خزانے سے بھی اربوں روپے کے قرضے زیادہ تر نجی شعبہ ہی کو معاف کئے گئے ہیں۔ جس سے ان کی اہلیت وصلاحیت اور کامیابی کو جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے۔

باکس 1.4: پی آئی اے کے ملازمین پر نجکاری کے اثرات

2015ء میں حکومت پاکستان نے انٹرنیشنل مونٹری فنڈ (International Monetoery Fund) کے دباؤ کی وجہ سے پی آئی اے کو نجی شعبہ کے حوالے کرنے کے عمل کا آغاز کیا اور پی آئی اے کے قانون میں تبدیلی کرتے ہوئے پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز کارپوریشن کو ایک لمیٹڈ کمپنی میں تبدیل کر دیا۔ جس کے تحت یہ فیصلہ ہوا کہ پی آئی اے کے 87 فیصد حصص حکومت پاکستان کی ملکیت رہیں گے اور 13 فیصد حصص نجی اداروں کے حوالے کئے جائیں گے۔ پی آئی اے کو کارپوریشن سے لمیٹڈ کمپنی بنانے کے فیصلے پر جب حکومت نے عملدرآمد کرنے کی کوشش کی تو ادارے کی تمام مزدور اور افسران کی تنظیموں نے اس فیصلے کے خلاف زبردست احتجاج کیا۔ حکومت اور پی آئی اے انتظامیہ نے اس احتجاج کو طاقت کے ذریعے دبانے کی کوشش کی تو اس کشمکش میں کراچی ایئرپورٹ پر دو محنت کشوں کی پولیس کی گولیاں لگنے سے موت واقع ہوگئی۔ پولیس اور پیراملٹری فورس کے تشدد کی وجہ سے درجنوں ملازمین زخمی بھی ہوئے۔ اس صورتحال سے یہ احتجاج پورے ملک میں پھیل گیا اور دیگر اداروں کی یونینز اور محنت کش بھی اس تحریک کا ساتھ دینے کے لئے میدان عمل میں کود پڑے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے حکومت پاکستان نے پی آئی اے پر ''لازمی سروس کا قانون'' نافذ کر کے ملازمین کے حق ہڑتال پر پابندی عائد کردی اور سینکڑوں ملازمین کو ہڑتال میں حصہ لینے کی پاداش میں شوکاز نوٹس (Show Cause Notice) جاری کئے گئے۔ لازمی سروس کا قانون جس کا اطلاق 1952ء سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ اس قانون کے کسی بھی ادارے پر لاگو ہونے کے بعد اس ادارے کے ملازمین اگر اس قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہڑتال کرنے یا دیگر سرگرمیاں جاری رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ادارے کی انتظامیہ انہیں نہ صرف ملازمت سے برخاست کرسکتی ہے، بلکہ انہیں ایک سال تک سزا بھی ہوسکتی ہے۔ اس قانون کے تحت ہونے والی برطرفی کے خلاف کسی بھی عدالت میں اپیل نہیں کی جاسکتی اور سی بی اے (CBA) یونین کی سوداکاری کرنے کی سہولت سمیت انتظامیہ کے ساتھ باہمی مشاورت کی قانونی سہولت اور ہڑتال کرنے کا قانونی حق بھی معطل ہوجاتا ہے۔

حکومت پاکستان نے پی آئی اے پر اس قانون کے اطلاق سے آئی ایل او کے کنونشنز 87 اور 97 کی کھلی خلاف ورزی کی ہے۔ یہ قانون آئی ایل او کنونشنز کی نفی کرنے کے ساتھ پاکستان کے لیبر قوانین کی بھی خلاف ورزی ہے۔ اس قانون کے اطلاق کے بعد محنت کش قومی اور صوبائی سطح پر موجود لیبر قوانین سے استفادہ کرنے سے محروم ہوجاتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ آئین پاکستان میں دیئے گئے بنیادی انسانی حقوق اور تنظیم سازی کی ضمانتوں کی بھی خلاف ورزی ہیں اس طرح کی پابندیوں سے ملازمین اپنے ٹریڈ یونین کرنے کے بنیادی حقوق سے محروم ہوجانے کی وجہ سے اپنے لئے قانون کے مطابق بہتر سے بہتر مراعات بھی حاصل نہیں کرسکتے اور ایسا بھی ہے کہ ماضی میں یونینز اور انتظامیہ کے درمیان باہمی گفت وشنید کے نتیجہ میں طے پانے والے معاہدات پر عملدرآمد میں بھی بہت سی دشواریاں پیدا ہوجاتی ہیں

پی ٹی سی ایل کی نجکاری اور مزدوروں پر اثرات

نجکاری سے قبل 05-2004ء میں پی ٹی سی ایل کا خالص منافع 29.7 ارب روپے تھا اور ادارہ میں ملازمین کی تعداد 72,000 تھی اور یونینز بہت مضبوط، فعال اور سرگرم ومتحرک تھیں جن کا ٹریڈ یونین تحریک کی مضبوطی میں اہم کردار تھا۔

چونکہ پرانے ملازمین ٹریڈ یونین شعور سے لیس اور تجربہ کار ہوتے ہیں اور زیادہ ملازمت کی وجہ سے ان کی تنخواہیں بھی زیادہ ہوتی ہیں اس لئے نجی مالکان ان سے جان چھڑاتے ہیں۔ چنانچہ گولڈن شیک ہینڈ (Golden Shake Hand) اور دودفعہ رضا کارانہ علیحدگی کی سکیموں کے تحت 55,000 ملازمین فارغ ہوکر پیداواری کام سے باہر ہوگئے ہیں اور اب صرف 17 ہزار ملازمین رہ گئے ہیں جن سے ان پر کام کا بوجھ بہت بڑھ گیا ہے۔

اب ایک بار پھر 28 نومبر 2016ء کو ایک اور رضا کارانہ علیحدگی کی سکیم کا اجراء کیا گیا ہے۔ انتظامیہ کی خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ پرانے اور مزدور تحریک کے تجربات سے لیس کارکن فارغ ہو جائیں اور ان کو خوفزدہ کرنے کے لئے 5000 مزدوروں پر تبادلوں کی تلوار لٹکا دی گئی ہے۔ پرانے ملازمین کی جگہ پر نئے ملازمین ٹھیکیداری اور دہاڑی دار ورکر کے طور پر بھرتی کئے جا رہے ہیں تا کہ ان کو کم از کم اجرت اور کم سہولیات دینا پڑیں۔ 313 راہنماؤں اور سرگرم کارکنوں کو گزشتہ 5 سال سے برطرف کیا گیا ہے۔ جن کی کوئی دادرسی نہیں ہوئی۔ 40 ہزار پنشنرز جن میں بیوہ خواتین بھی شامل ہیں کی پنشنز واضح قانون وتحفظ کے باوجود گزشتہ چار سال سے روک لی گئی ہیں۔ انتقامی کارروائیوں کے خلاف کارکنوں نے اعلیٰ عدالتوں سے اہم مقدمات جیتے ہیں، لیکن انتظامیہ مسلسل عدالتوں کے احکامات پر بھی عملدرآمد سے گریزاں ہے۔ یونین کی قوت پہلے سے بہت کمزور ہو چکی ہے، لیکن اس کے باوجود وہ مسلسل جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہے۔

سکول ٹیچرز کی نجکاری کے خلاف جدوجہد

پاکستان میں اردو زبان میں تعلیم دینے والے سرکاری سکول حصول تعلیم کا سب سے بڑا نیٹ ورک ہیں جو چاروں صوبوں آزاد کشمیر، فاٹا اور گلگت بلتستان تک پھیلا ہوا ہے۔ سرکاری سکولوں سے تقریباً 8 لاکھ اساتذہ جن میں لیڈی ٹیچرز کی بھی بڑی تعداد ہے وابستہ ہیں۔ پاکستان میں بیک وقت کئی طرح کے نظام تعلیم رائج ہیں۔ امراء اور اشرافیہ کے بچے برطانیہ کے کیمرج (Cambridge) طرز کے سکولوں میں مہنگی تعلیم حاصل کرتے ہیں، جبکہ مڈل کلاس کے بچے انگلش میڈیم سکولوں میں مہنگی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور صرف غریب عوام اور محنت کشوں کی اولاد سرکاری سکولوں میں تعلیم حاصل کرتی ہے۔ پاکستان میں تعلیم کا شعبہ شروع ہی سے نظرانداز ہے قومی آمدن کا 2 فیصد سے بھی کم تعلیم پر خرچ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی ملک میں شرح خواندگی 60 فیصد جبکہ خواتین میں 45 فیصد ہے اور ان میں سے صرف 18 فیصد طالبات 10 سال یا اس سے اوپر تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ ڈھائی کروڑ بچے سکولوں سے باہر ہیں۔ شرح تعلیم میں ہمارا ملک 160 ویں نمبر پر ہے۔ سرکاری سکولوں میں تعلیم سہولیات پہلے ہی کم ہیں۔ سکولوں کی چاردیواری، مناسب کمرے، فرنیچر، پانی اور بیت الخلاء جیسی اہم سہولتیں ناپید ہیں۔ دوردراز جاگیرداری علاقوں میں قبضہ گروپ اور جاگیردار سکولوں میں مویشی باندھتے اور ان کو بطور گودام استعمال کرتے ہیں۔

اب حکومت ان سرکاری سکولوں کو بھی نجی شعبہ کے حوالے کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور یوں اپنی تعلیمی ذمہ داریوں سے جان چھڑانا چاہتی ہے، اگر ان نسبتاً سستے سرکاری سکولوں کو بھی تعلیمی معیار کی بہتری کے نام پر نجی شعبہ کے حوالے کر دیا گیا جہاں ملک کے 85 فیصد آبادی کے بچے زیر تعلیم ہیں تو ملک مزید جہالت کے اندھیروں میں ڈوب جائے گا۔

ملک بھر میں 28 اساتذہ تنظیمیں موجود ہیں۔ جن میں سے 17 کا ریکارڈ سرکاری سطح پر موجود ہے۔ یوں تو یہ اساتذہ تنظیمیں کم تنخواہوں کم سہولیات اور بہتر مراعات کے لئے ہمیشہ جدوجہد کرتی رہی ہیں، لیکن پنجاب حکومت کی طرف سے سرکاری سکولوں کو پرائیویٹائز کرنے کے اعلان کے بعد سال 2016ء میں یوم مئی پر پنجاب بھر میں اساتذہ نے بھرپور مظاہرے کئے جس کو دیکھتے ہوئے پنجاب ٹیچرز یونین نے 14 مئی بروز ہفتہ نجکاری کے خلاف پنجاب اسمبلی کے سامنے دھرنا دینے کی کال دی جس پر پنجاب بھر کے تمام علاقوں سے بھاری تعداد میں اساتذہ جن میں خواتین اساتذہ بھی شامل تھیں لاہور پہنچے۔ بالآخر حکومت سے مذاکرات ہوئے اور طے پایا کہ صرف ان سکولوں کو نجی شعبہ کے حوالے کیا جائے گا جہاں پر 20 سے کم طلبا ہوں گے اور کسی استاد کو فارغ نہیں کیا جائے گا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ سندھ میں اساتذہ کی یونین نے یونین کو غیر قانونی قرار دینے کے فیصلہ کے خلاف لمبی جدوجہد کی اور بالآخر گزشتہ دسمبر میں ہائیکورٹ سے غیر قانونی پابندی کو کالعدم قرار دلوا کر 150,000 اساتذہ کی یونین اور یونین کی سرگرمیاں بحال کروائیں اور اس جدوجہد میں برطرف کردہ 150 اساتذہ کو بحال کروایا۔

لیڈی ہیلتھ ورکرز (Lady Health Workers) کی جدوجہد

لیڈی ہیلتھ ورکرز کا پروگرام 1994ء میں پیپلز پارٹی کی حکومت نے شروع کیا تھا۔ جس کا مقصد دیہاتوں، دوردراز علاقوں اور کمیونٹی کی سطح پر ایک بڑی تعداد میں ایسی لیڈی ہیلتھ ورکرز کو بھرتی کرنا تھا جن کی مسلسل ٹریننگ کے ذریعے ان کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ گھروں میں خواتین اور بچوں کی صحت کی دیکھ بھال کر سکیں اور دوران حمل اور ڈیلیوری میں زچہ بچہ کی امداد کر سکیں۔ خاندانی منصوبہ بندی پر بہتر مشورہ دے سکیں۔ ملیریا، پولیو اور اس طرح کے وبائی امراض کے خاتمے کے لئے اپنا موثر کردار ادا کر سکیں۔ یہ تجربہ بہت کامیاب رہا اور خواتین ورکرز ہونے کے ناطے انہوں نے کمیونٹی میں اپنا موثر کردار اور اعتماد حاصل کیا اور گھروں میں جا کر ادویات مہیا کرنے اور خواتین کو اپنی اور بچوں کی صحت کے حوالے سے مشورے سے نوازنے جیسے عمل نے ان کی خدمات کو اجاگر کیا ہے۔ ان کی خدمات کا دائرہ کار دو سو گھرانے یا اوسطاً ایک ہزار لوگ ہوتے ہیں اور ہر لیڈی ہیلتھ ورکر کو ہر ماہ ایک بار ہر گھر میں ضرور جانا ہوتا ہے اور وہ لوگوں کو مفت ادویات مہیا کرتی ہیں اور ہر ایمرجنسی میں ان کو گائیڈ کرتی ہیں اور فوری طبی امداد مہیا کرتی ہیں۔ ان کی 2000ء میں تعداد 40,000 ہزار جبکہ 2008ء میں 90,000 اور موجودہ تعداد 110,000 ہے جبکہ ان کی تعداد کا ہدف 150,000 ہے۔

ان لیڈی ہیلتھ ورکرز نے اپنی تنظیم میں منظم ہو کر اپنے مطالبات کم تنخواہوں اور دیر کے بعد ان کی ادائیگی، گورنمنٹ ملازم کی طرح ریگولر (مستقل) ملازمت، سفری اخراجات کی وصولی اور ہراساں کرنے جیسے واقعات کے خلاف مسلسل جدوجہد کی ہے اور پھر سپریم کورٹ تک، اپنی ریگولر سروس اور تنخواہوں کا مقدمہ لڑا ہے اور مسلسل تین سالوں سے جدوجہد کرتے ہوئے بالآخر حکومت کو ان کے جائز مطالبات ماننے پڑے اور ان کو سرکاری ملازمین کے مختلف سکیلوں میں ریگولر کیا گیا اور ان کی تنخواہوں میں بھی اضافہ کیا گیا۔

یہ امر قابل ذکر ہے اور اکثر سوچا جاتا ہے کہ خواتین جدوجہد کے عمل سے دور رہتی ہیں، لیکن لیڈی ہیلتھ ورکرز نے بڑے پیمانے پر جدوجہد میں حصہ لے کر ثابت کیا کہ وہ اپنے حقوق کے حصول کے لئے ہر طرح سے قربانی دے سکتی ہیں۔

نرسوں کی جدوجہد

یہ تو ایک مسلمہ امر ہے کہ ملک میں آبادی اور مریضوں کے مقابلے میں ڈاکٹروں اور نرسوں کی شدید کمی ہے 2016-2015ء کے اکنامک سروے آف پاکستان کے مطابق ملک بھر میں رجسٹرڈ جبکہ نرسوں کی تعداد 94,800 اور تربیت یافتہ طبی امداد فراہم کرنے والے کارکنان کی تعداد 15,325 ہے۔ ہسپتالوں میں ایک نرس کو اوسطاً 50 مریضوں کی دیکھ بھال کرنا پڑتی ہے۔ جبکہ نرسنگ کونسل کے قانون کے مطابق یہ تعداد ایک اور دس کی ہونی چاہیئے۔ یہ تعداد عام وارڈز کی ہے۔ مخصوص شعبوں پر یہ تعداد ایک اور دو کی ہونی چاہیئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نرسوں کی ڈیوٹی اور ذمہ داری اہم اور محنت طلب ہے 2016ء میں حکومت نے 2800 نرسوں کو نوکری سے برطرف کر دیا۔ جس کے خلاف 11 مارچ کو 2016 سرکاری ہسپتالوں کی نرسوں نے صوبائی اسمبلی کے سامنے احتجاج کیا۔ ینگ ڈاکٹرز، ہاسپٹلز ورکرز ایسوسی ایشن اور دیگر ٹریڈ یونین اور سماجی تنظیمیں بھی عملی طور پر نرسوں کی حمایت میں سامنے آ گئیں۔ یوں احتجاج کو پھیلتے دیکھ کر اور نرسوں کی مستقل مزاجی کو دیکھتے ہوئے بالآخر حکومت کو ان کے مطالبات کو تسلیم کرنا پڑا اور 2800 برطرف شدہ نرسوں کو تین سال کے کنٹریکٹ پر بحال کر دیا گیا اور اس کے بعد مستقل کرنے کا وعدہ کیا گیا اور ساتھ نرسوں کی تنخواہوں میں 4000 روپے کا اضافہ کیا گیا

ٹیوٹا (Tevta) ملازمین کی عارضی مزدوروں کو مستقل کروانے کی جدوجہد

ٹیوٹا (Tevta): مختلف نوعیت کے ٹیکنیکل ٹریننگ (Technical Training) کے کورسز کروانے کا ادارہ ہے جہاں مرد و خواتین دونوں ٹریننگ حاصل کر کے نسبتاً بہتر ملازمت کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔ ٹیوٹا کا قیام 1999ء میں عمل میں آیا۔ جس کے تحت 10 ہزار ملازمین تھے۔ 2004ء میں مزید 4200 ملازمین کو کنٹریکٹ پر بھرتی کیا گیا، حالانکہ ان کے کام کی نوعیت مستقل تھی۔ ان کی تنخواہیں دیگر سرکاری ملازمین سے نصف تھیں۔ سال ہا سال سے عارضی طور پر کام کرنے والے ان مزدوروں کو مستقل کرنے کے لئے یونین آواز اٹھاتی رہی اور 2013ء میں اسی مسئلے کے حل کے لئے صوبہ بھر میں ہڑتال کی کال دی اور لاہور میں وزیر اعلیٰ ہاؤس کے سامنے دھرنا دیا۔ جس پر انتظامیہ مذاکرات پر مجبور ہوئی اور طے پایا کہ انتظامیہ بورڈ آف ڈائریکٹرز سے باضابطہ منظوری لے کر ان کو مستقل کر دے گی۔ 12 مارچ 2013ء کو بورڈ کی میٹنگ میں اس کو مستقل کرنے کا فیصلہ ہو گیا۔ اس کے باوجود انتظامیہ تین سال تک ٹال مٹول سے کام لیتی رہی جس پر یونین کو پھر مزدوروں کو متحرک کرنا پڑا جس کی پاداش میں یونین کے دو نمائندے برطرف اور 5 نمائندے معطل ہوئے۔ بہرحال مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں بالآخر ان 4200 ملازمین کو مستقل کر دیا گیا اور برطرف اور معطل نمائندے بھی بحال ہوئے۔ البتہ ان ملازمین کی سابقہ سروس کو ملازمت میں شامل نہیں کیا گیا۔ جس پر یونین مسلسل کوشش کر رہی ہے کہ یہ سروس بھی شامل ہو سکے۔ اس تمام جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب انتظامیہ مزید 1400 ملازمین کو مستقل بنیاد پر بھرتی کرنے جا رہی ہے۔

اس امر سے واضح ہے کہ جب تک مزدور جدوجہد نہ کریں۔ تو ان کو بلا وجہ عارضی اور کم اجرتوں پر رکھ کر ان کا استحصال کیا جاتا ہے اور سرکاری محکمے اس طریقے سے اپنی بچت کرتے ہیں جو کہ سراسر مزدور دشمن پالیسی ہے۔

پنجاب پارکس اینڈ ہارٹیکلچر اتھارٹی کے مزدوروں کی جدوجہد

پنجاب پارکس اینڈ ہارٹیکلچر اتھارٹی لاہور کا ایک اہم ترین ادارہ ہے۔ لاہور کی تمام پبلک پارکوں اور سڑکوں پر درخت لگانا، گرین بیلٹ کی حفاظت، موسم کے لحاظ سے نئے نئے پھولوں کے پودے اگانا۔ اس ادارہ کے ملازمین کی ذمہ داری ہے اور یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ لاہور شہر کی تمام تر خوبصورتی پی ایچ اے کے ملازمین کی محنت کا نتیجہ ہے۔ ادارہ میں ٹریڈ یونینز موجود ہیں۔ 1998ء میں ادارہ میں ملازمین کی تعداد 4700 تھی۔ جن میں سے صرف 600 مستقل تھے۔ یونین کی جدوجہد جلسوں، جلوسوں اور مظاہروں کی وجہ سے 2007ء میں 2000 عارضی ملازمین کو مستقل کیا گیا۔

اس مسلسل جدوجہد کی وجہ سے آج ادارہ میں کل مزدوروں کی تعداد 7500 ہے۔ جس میں 4500 مزدور مستقل اور 3000 ابھی بھی کنٹریکٹ پر ہیں۔ جس کے لئے یونین مسلسل جدوجہد کر رہی ہے، لیکن یہ عجیب منطق ہے کہ ادارہ میں صرف عارضی یا کنٹریکٹ لیبر کے طور پر مزدور (زیادہ تر مالی) رکھے جاتے ہیں۔ کم اجرتوں اور دیگر سہولیات نہ دے کر ان کا استحصال کیا جاتا ہے اور پھر یونین کی جدوجہد کے بعد ان کی ایک کھیپ مستقل کر دی جاتی ہے۔ جس سے یہ امر بالکل واضح ہے کہ یہ تمام مزدور دراصل مستقل کام اور ملازمت کے حقدار ہیں صرف ان کو یونین کی ممبر شپ سے دور رکھنے اور ان سے من مانی شرائط پر کام لینے کے لئے عارضی طور پر بھرتی کیا جاتا ہے۔

افرادی قوت کی برآمد

پاکستان دنیا میں چھٹا سب سے زیادہ آبادی والا ملک ہے جس کی آبادی 195,4 ملین ہے۔آبادی میں اضافے کی شرح 1,89 سالانہ فی صد ہے۔ افرادی قوت کے سروے 15-2014ء کے مطابق پاکستان میں افرادی قوت کی تعداد 61,04 ملین ہے۔اس افرادی قوت میں سے 57,42 ملین باروزگار جبکہ 3,6 ملین لوگ بیروزگار ہیں۔پاکستان افرادی قوت درآمد کرنے والے ممالک کے لئے مزدوروں کی ایک پرکشش منڈی ہے۔جہاں سے پڑھے لکھے انتہائی ہنرمند اور غیر ہنرمند کارکنوں اور مختلف شعبہ جات کے پیشہ ورانہ افراد اور ماہرین کو برآمد کرنے کی بہت بڑی استعداد موجود ہے۔1970ء کی دہائی سے قبل بیرون ملک جانے والے افراد کا زیادہ رخ برطانیہ اور پھر یورپ، امریکہ اور کینیڈا کی طرف تھا،لیکن اب پاکستان دنیا کے پچاس ممالک بالخصوص مشرقِ وسطیٰ اور خلیجی ریاستوں میں مختلف پیشوں اور کاموں کے لئے بڑی تعداد میں افرادی قوت فراہم کر رہا ہے۔بیرون ملک کام کرنے والے کارکن پاکستان کی معاشی ترقی اور زرِمبادلہ مہیا کرنے کا بڑا ذریعہ ہیں۔2015ء میں ترسیلات زر 18.7 ارب ڈالر تک پہنچ گئی ہیں جن میں 18.2 فیصد کی شاندار نمو کا اظہار ہوتا ہے۔

جدول 1.11: 2011ء سے 2015ء تک بیرون ممالک جانے والے پاکستانیوں کی تعداد

ممالک	2011ء	2012ء	2013ء	2014ء	2015ء
یو اے ای	156,353	182,630	273,234	350,522	326,986
بحرین	10,641	10,530	9,600	9,226	9,029
ملائیشیا	2,092	1,309	2,031	20,577	20,216
عمان	53,525	69,407	47,797	39,793	17,988
قطر	5,121	7,320	8,119	10,042	12,741
سعودی عرب	22,2247	358,560	270,502	312,489	522,750
برطانیہ	308	183	158	250	260

1,6 ملین سے زائد پاکستانی 2011ء سے 2015ء تک روزگار کیلئے سعودی عرب گئے جو کہ کل تعداد کا 49,9 فیصد بنتا ہے،جبکہ اسی عرصہ میں 1,3 ملین لوگ (38.2 فیصد) متحدہ عرب امارات میں روزگار کیلئے پہنچے۔عمان پاکستانی افرادی قوت کا تیسرا سب سے بڑا درآمدکنندہ ہے۔2011ء سے 2015ء کے دوران سلطنت عمان کی طرف 0,26 ملین (7,6 فیصد) ملازمت کے متلاشی افراد ملازمت کے حصول کے لئے کئے گئے درج ذیل جدول سے ظاہر ہوتا ہے ترک وطن کرنے والے کل پاکستانی کارکنوں کی تقریباً نصف تعداد ناخواندہ اور غیر ہنر مند کارکنوں پر مشتمل ہے اور محض 1,76 فیصد ورکرز وائٹ کالر (White Coller) ملازمین ہیں۔ہنرمند کارکنوں میں ڈرائیوروں کی تعداد سب سے زیادہ ہے اور اس کے بعد معماروں، بڑھیوں اور درزیوں کا نمبر آتا ہے۔

جدول 1.12: بیرون ممالک جانے والے کارکنان کی تعداد بالحاظ اہلیت

سال	انتہائی اہلیت یافتہ	انتہائی مہارت یافتہ	ہنرمند	نیم ہنرمند	غیر ہنرمند	کل
2011ء	6,974	3,018	171,672	73,247	201,982	456,893
2012ء	9,298	4,202	261,531	104,240	259,316	63,8587
2013ء	12,057	5,032	263,138	102,963	239,524	62,2714
2014ء	14,647	6,216	287,649	120,204	323,750	752,466
2015ء	17,484	7,853	397,317	151,636	372,281	946,571
کل	60,460	26,321	1,38,1307	552,290	1,396,853	3,417,231

جدول 1.13: بیرون ملک جانے والے کارکنوں کی صوبہ وار تقسیم

سال	اسلام آباد	پنجاب	سندھ	خیبر پختونخواہ	بلوچستان	آزاد کشمیر	شمالی علاقہ جات	قبائلی علاقہ جات	کل
2010	1168	189,379	31,814	98,222	3,130	22,535	458	16,198	362,904
2011	1,790	226,917	40,171	130,119	5,262	33,133	732	18,769	456,893
2012	4,190	337,884	46,607	176,349	5,122	38,833	780	29,022	638,587
2013	7,119	326,012	55,608	150,418	9,293	40,038	1,190	33,046	622,714
2014	8,943	383,533	89,703	167,424	7,258	52,120	2,073	41,412	752,466
2015	9,028	478,646	116,935	220,993	7,686	64,586	2,899	45,798	946,571

ترسیلات زر کے حساب سے دیکھیں تو یہ پاکستانی زرمبادلہ کا بڑا ذریعہ ہیں۔ سال 2014-15ء میں یہ رقم 18,719,9 ارب ڈالر تھی، جبکہ سال 2015-16ء میں جولائی سے مارچ تک یہ رقم 16,0344 ارب ڈالر بنتی ہے جو کہ گزشتہ سال اس عرصہ کے مقابلہ میں 5,25 فیصد زیادہ ہے۔ اگر ہم ان بیرون ملک جانے والے افراد کا جائزہ لیں تو سرکاری سطح پر بیورو آف امیگریشن کے علاوہ بہت سی رجسٹرڈ ایجنسیاں اس کاروبار میں شامل ہیں اور پھر ان کے آگے ایجنٹ اور سب ایجنٹ اس کام میں ملوث ہیں۔

حکومتی ریٹ کے مطابق ان بیرون ملک جانے والے افراد کو اوورسیز پاکستانیز پروموٹرز کو پاکستانی 21,25 سو روپے (201 ڈالر) سے 31,524 سو روپے (301 ڈالر) ادا کرنے چاہئیں، لیکن یہ اکثر 45,575 سو روپے (435 ڈالر) سے 48,524 سو روپے (463 ڈالر) تک ادا کرتے ہیں۔

پھر مختلف مما لک کو بھجوانے کے مختلف ریٹ ہیں اور ان ایجنٹوں کے ذریعے جانے والے اکثر غلط شناخت یا غیر قانونی طور پر بیرون ملک جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جن میں اکثر دوران سفر حادثات کا شکار ہو کر موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں، اگر کسی کے پاس بیرون ملک سے ورک پرمٹ (Work Permit) آ جائیں تو وہ مختلف ایجنٹوں کو بیچ دیتا ہے اور اپنا حصہ وصول کر کے بیرون ملک جانے والے کارکنوں کو سب ایجنٹوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے، چونکہ نصف کے قریب باہر جانے والے افراد غیر ہنرمند اور ان پڑھ ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ ملک میں بھرتی کے وقت جو معاہدہ ہوتا ہے بیرون ملک اس پر عملدرآمد نہیں ہوتا اور جس کام کے لئے ان کو بھی بھیجا جاتا ہے اس سے گھٹیا اور کم اجرت والے کام پر لگا دیا جاتا ہے اور وہ اس قدر مجبور ہوتے ہیں کہ واپس بھی نہیں آ سکتے اور یہی کام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ جو افراد سمگلنگ اور غیر قانونی طریقہ سے مختلف مما لک میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان کو اپنی شناخت خفیہ رکھنی پڑتی ہے اور ان کا سب سے زیادہ استحصال ہوتا ہے اور بے بسی کے عالم میں محنت مشقت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، کیونکہ وہ احتجاج یا رپورٹ بھی نہیں کر سکتے۔

یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ ناخواندہ اور بے ہنر افراد کے بجائے نیم ہنرمند یا ہنرمند افراد کو باہر بھیجنے کے لئے باقاعدہ زیادہ سے زیادہ تربیتی مرکز قائم کئے جائیں جہاں کارکنوں کی فنی تربیت سے لیس کیا جائے اور وہ زیادہ کارآمد اور معاوضہ کمانے والے کارکن بن جائیں اور یورپ، امریکہ، کینیڈا اور دیگر مما لک میں جو غیر قانونی طریقے سے رہائش پذیر افراد گرفتار ہو کر ملک بدر کئے جاتے ہیں۔ ان میں کمی آئے اور ملک میں ایسے ادارے قائم ہوں جو بیرون ملک جانے کے خواہشمند افراد کی باقاعدہ رجسٹریشن کریں۔ ان کی تربیت کریں اور ان کو بیرون ملک ڈیمانڈ کے طابق بھجوایا جائے۔ لیبر مائیگریشن فرام پاکستان (Labour Migration from Pakistan) کی رپورٹ کے مطابق 2011ء میں بیرون ملک پاکستانیوں کی سب سے زیادہ تعداد کو ملک بدر (ڈی پورٹ) کیا گیا۔ جن کی تعداد ایک لاکھ تھی، جبکہ گزشتہ تین سالوں کے دوران اڑھائی لاکھ سے زائد پاکستانیوں کو بیرون ملک سے ملک بدر کیا جا چکا ہے۔ جن میں سے زیادہ تر کا تعلق گجرات، جہلم، بہاولپور اور منڈی بہاؤالدین کے اضلاع سے تھا۔ پاکستان ورکرز کنفیڈریشن ایسے کارکنوں کی رجسٹریشن، راہنمائی اور ان کی تربیت میں اپنا کردار ادا کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس کے پاس مناسب وسائل ہوں اور پھر بیرون ملک مزدور تنظیموں اور فیڈریشنز سے مناسب روابط کے ذریعے ان کی بیرون ملک بھی مناسب امداد راہنمائی اور قانونی امداد میں معاونت کر سکتی ہے۔ یہ بیرون ملک جانے والے کارکن ملک کا بہت بڑا اثاثہ اور زرمبادلہ کا بڑا ذریعہ ہیں اور اندرون ملک بیروزگاری میں کمی بھی لاتے ہیں اور ان کا رویہ اور ان کی قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے اپنے فرائض کی سرانجام دہی ملک کی ساکھ کو مضبوط اور بہتر کرتی ہے۔ غیر قانونی سمگلنگ اور انسانی ٹریفکنگ کا سلسلہ لازمی طور پر بند کرنا ہوگا، تاکہ بیرونی ملک جانے والے پاکستانی جیلوں میں گلنے سڑنے یا دیگر سزاؤں سے محفوظ رہ سکیں اور ملک بدر ہو کر ملک کی بدنامی کا سبب نہ بن سکیں۔

باکس 1.7: مائیگرنٹ ورکرز (Migrant) کے حقوق

آئی ایل او کے کنونشن نمبر 97 (1949ء) میں مائیگرنٹ ورکرز (Migrant) کے حقوق دیئے گئے ہیں۔

- ★ ہر مائیگرنٹ (Migrant) ورکرز بلا لحاظ قوم نسل، مذہب اور جنس اسی سلوک کا حق دار ہوگا۔ جس سلوک کے حق دار اس ملک کے اپنے شہری ہیں۔
- ★ تمام سہولیات بشمول کام کے اوقات، اوور ٹائم با تنخواہ چھٹیاں گھر میں کام کرنے کی ممانعت، کام کرنے کی کم از کم عمر کی حد، تربیتی کارکن عورتوں اور نوجوانوں کے کام وغیرہ کے متعلق معاملات کو مجاز اتھارٹیز کی طرف سے ریگولیٹ کیا جائے گا۔
- ★ مائیگرنٹ ورکرز (Migrant) یونین کی ممبر شپ کے حصول اور اجتماعی سودا کاری سے ملنے والے فوائد کے حصول کا حق دار ہوگا۔
- ★ دوران کام لگنے والے زخم، میٹرنٹی، بیماری، مفلوج ہو جانا، بڑھاپا، موت، بیروزگاری اور خاندان کی ذمہ داریاں اور وہ تمام سہولیات جو مقامی قانون میں موجود ہیں۔ جن میں سوشل سکیورٹی وغیرہ کا حقدار ہوگا۔
- ★ رہائش کی سہولیات میسر ہوں گی۔
- ★ آئی ایل او کا دوسرا کنونشن 143 (1975ء) ان مائیگرنٹ ورکرز کے بارے میں ہے۔ جن کو غیر قانونی طریقے سے ملازمتوں، خفیہ اور غیر قانونی نقل و حمل کے ذریعے سے انسانی سمگلنگ یا ٹریفکنگ کے ذریعے منتقل کیا جاتا ہے اور جو شدید استحصال کی زد میں رہتے ہیں۔

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن اور یورپی کمیشن کی سابقہ رپورٹس کے بعد کی صورتحال

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی طرف سے جاری کردہ گزشتہ رپورٹ اور یورپی کمیشن کی طرف سے جاری کردہ رپورٹ میں جن مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے۔ان پر عملی طور پر ٹھوس پیش رفت بہت کم ہے۔

- ★ ٹریڈ یونین کی رجسٹریشن آج بھی انتہائی مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ خیبر پختونخواہ میں گدون میں ڈائینا(Dynea) کیمیکل انڈسٹری میں یونین سازی کے خلاف پورا چیمبر آف کامرس متحد ہوا اور مشترکہ اخراجات سے یونین کو ناکام بنایا۔لاہور میں فرینڈز فارما، منور فارما، بی ایم فارما، روبی ڈائننگ اور ٹرانسفو میں یونینز کی رجسٹریشن کی درخواستیں مسترد کردی گئیں اور تمام عہدیداروں اور کارکنوں کو ملازمتوں سے فارغ کردیا گیا۔
- ★ لاہور میں چیمبر آف کامرس نے مشترکہ قرارداد میں محکمہ محنت سے مطالبہ کیا کہ کوئی بھی یونین رجسٹر کرنے سے قبل ان سے پیشگی منظوری لی جائے۔ جس سے تنظیم سازی کے بارے میں مالکان کے معاندانہ رویہ کا اظہار ہوتا ہے۔
- ★ پرائیویٹ سیکٹر میں آج بھی ملازمتوں کے تقرری نامے نہیں ملتے، حق دار مزدور کی سوشل سکیورٹی اور ای او بی آئی میں رجسٹریشن نہیں ہوتی۔جس سے مزدوروں کو ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے۔
- ★ اکثر اداروں میں کم از کم اجرت نہیں دی جارہی اور اوقات کار آٹھ گھنٹوں سے زائد ہونے کے باوجود اوورٹائم نہیں دیا جاتا۔
- ★ کام پر صحت وسلامتی کے مسائل موجود ہیں۔آئے روز حادثات اور آگ لگنے کے واقعات اور بوائلر پھٹنے سے مزدوروں کی ہلاکت جیسے حادثات ہوتے رہتے ہیں۔
- ★ پنجاب میں پیشہ ورانہ صحت وسلامتی کا قانون (OSH) ابھی تک ڈرافٹ ہوا ہے اور اس پر قانون سازی کا مرحلہ باقی ہے۔ایسے اہم قانون کی عدم موجودگی میں بہت سے مسائل حل طلب ہیں۔
- ★ خواتین کارکنوں کے ساتھ صنفی امتیاز اور معاوضوں میں فرق کا رویہ جاری ہے۔اور قانونی پیش رفت نہ ہو پائی ٹھیکیداری اور دیہاڑی دار مزدوروں کا طریقہ کار مرد اور خواتین کارکنوں دونوں پر مسلط ہے اور یہ کارکن ملازمتوں میں شدید عدم تحفظ کا شکار ہیں، اگر یہاں پر لیبر انسپکشن ہو تو مالکان مزدوروں کو واضح ہدایات دیتے ہیں کہ کن سوالات کا جواب کیا دینا ہے اور بصورت دیگر ملازمتوں سے برطرفی لازمی ہے۔
- ★ اگرچہ بھٹہ خشت میں پنجاب میں 10 اضلاع سے بچہ مزدوری کی تعلیم کا بندوبست کردیا گیا ہے،لیکن دیگر شعبوں میں ابھی تک بچہ مزدوری موجود ہے اور جب تک مفت لازمی تعلیم کا قانون اور باوقار روزگار کی فراہمی پر موثر عملدرآمد نہ ہو یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا۔
- ★ بانڈڈ لیبر کے حوالے سے پنجاب میں پیشگی کی رقم کو قانونی تحفظ دیا گیا ہے (اگرچہ سپریم کورٹ نے ہر قسم کی پیشگی رقم پر پابندی لگا رکھی ہے) لیکن گروی شدہ مزدوروں کا یہ سلسلہ بھٹہ خشت اور زراعت میں اب بھی جاری ہے اور آئے روز گروی شدہ مزدوروں کی بذریعہ عدلیہ رہائی کی خبریں میڈیا میں آتی رہتی ہیں۔اس تمام بحث سے یہ ظاہر ہے کہ جی ایس پی پلس کے حوالے سے لیبر معیارات پر عملدرآمد کے سلسلے میں حکومتی اور ٹریڈ یونینز کی سطح پر بہت سی بنیادی کوششوں کی ضرورت ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ جب تک حکومت اور آجروں کا رویہ تنظیم سازی کے بارے میں معاندانہ رہے گا تمام دیگر مسائل کا حل بہت مشکل ہے۔
- ★ حکومتی اداروں اور مالکان کو پاکستان ورکرز کنفیڈریشن اور یورپی کمیشن کی رپورٹوں میں جن معاملات کی درستگی کی نشاندہی کی گئی ہے۔ان کو ہنگامی بنیادوں پر بہتر کرنے کی اشد ضرورت ہے، تاکہ آئندہ کسی منفی رپورٹ کی بنا پر جی ایس پی پلس کی بندش کی نوبت نہ آئے اور یہ رعایت بدستور جاری رہے۔

باب نمبر 2: پنجاب کے تین اضلاع میں معیارات محنت پر عملدرآمد کی صورتحال

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن (PWC) کی اس عبوری رپورٹ میں صوبہ پنجاب کے تین اہم اضلاع جہاں برآمدی شعبے کی بڑی تعداد موجود ہے کا سروے کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں تینوں اضلاع میں معیارات محنت کے حوالے سے قوانین محنت پر عملدرآمد کی عمومی صورت حال ذیل میں بیان کی گئی ہے۔

لاہور: ضلع لاہور صوبائی ہیڈ کوارٹر اور سیاسی و ثقافتی حوالے سے بہت اہم مرکز ہے۔ لیکن ضلع لاہور میں صنعتیں تمام طرف موجود ہیں۔ مثلاً شاہدرہ، ملتان روڈ، فیروز پور روڈ، گلبرگ، بادامی باغ، مغلپورہ، کوٹ لکھپت، بند روڈ اس کے علاوہ نئ انڈسٹریل اسٹیٹ میں سینکڑوں کارخانے ہیں جن میں قائداعظم انڈسٹریل اسٹیٹ، سندر اسٹیٹ، لاہور رائے ونڈ روڈ اور مانگا میں بہت سی نئ صنعتیں لگائی گئی ہیں۔ ضلع بھر میں رجسٹرڈ فیکٹریوں کی تعداد 2510 ہے، جبکہ رجسٹرڈ یونینز کی تعداد 210 ہے۔ ضلع لاہور میں ٹیکسٹائل اور گارمنٹس اور لیدر گارمنٹس کی فیکٹریوں کی کافی تعداد ہے۔ رجسٹرڈ یونینز میں سے 22 یونینز کا تعلق ٹیکسٹائل اور گارمنٹس کے 11 یونٹس سے ہے۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان یونٹس میں 2,2 یونینز رجسٹرڈ ہیں۔ ضلع لاہور میں رجسٹرڈ یونٹس کے علاوہ ہزاروں غیر رجسٹرڈ کارخانے موجود ہیں۔ جن میں لیبر قوانین کی صورتحال غیر واضح ہے۔

اکثر اداروں میں تقرری کے لیٹرز کی وصولی اور سوشل سکیورٹی اور ای او بی آئی میں کارکنوں کی رجسٹریشن نہیں ہے۔ کارکن بغیر اوور ٹائم 12,12 گھنٹے کام پر مجبور ہیں۔ ضلع لاہور میں نئ یونینز کی رجسٹریشن کافی مشکل ہے۔ یہاں پر صوبائی حکومت اور چیمبر آف کامرس کی مرضی کے بغیر یونین کی رجسٹریشن محال ہے۔ 2016ء میں کم از کم 5 یونینز کی رجسٹریشن مسترد ہوئی اور یونین بنانے والے کارکن ملازمتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ جن کا کوئی تحفظ نہ ہو سکا۔ بعض مالکان نے حفظ ماتقدم کے تحت 2,2 پاکٹ یونینز رجسٹرڈ کروا رکھی ہیں، تاکہ تیسری حقیقی نمائندہ یونین کی رجسٹریشن مشکل ہو۔ ضلع لاہور میں ماضی میں ٹریڈ یونین تحریک بہت مضبوط اور زوردار رہی ہے، لیکن اب بڑے سرکاری یونٹس پرائیویٹائز یا بند ہونے کی وجہ سے تحریک کمزور ہوئی ہے۔ لیبر قوانین پر عملدرآمد کی صورتحال بہت کمزور ہے۔ محکمہ محنت کے ملازمین کی تعداد 1972ء والی ہے، جبکہ لاہور بہت پھیل گیا ہے، لیبر انسپکشن کمزور اور برائے نام ہے، اگر محکمہ چاہے بھی تو اس موجودہ تعداد کے ساتھ حقیقی معنوں میں لیبر انسپکشن ناممکن ہے۔ ضلع لاہور میں بھٹوں کی بھی کافی تعداد ہے۔ جن سے چائیلڈ لیبر ختم کر کے بچوں کو سکولوں میں بھیجنا محکمہ محنت کی ذمہ داری ہے۔ اب محکمہ پٹرول پمپس، ہوٹلز اور کشاپس میں بچوں کی مزدوری پر سروے کر رہا ہے تاکہ یہاں سے بھی بچوں کی مزدوری ختم ہو۔

ضلع لاہور میں غیر رسمی شعبہ اور زرعی شعبہ بھی موجود ہے جہاں پر کوئی لیبر قوانین لاگو نہیں ہوتے۔ گھروں میں کام کرنے والے اور گھروں پر کام کرنے والے مزدوروں کے بارے میں پالیسیاں صوبائی کابینہ کے سامنے پیش ہو چکی ہیں۔ مزید قانون سازی کا انتظار ہے۔ ضلع لاہور دو بڑے وفاقی محکموں ریلوے اور واپڈا کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ اس لئے ان محکموں کے مزدور اور مزدور تنظیمیں بھی لاہور کی مزدور تحریک کو متاثر کرتی ہیں۔

فیصل آباد پنجاب کا ایک اہم صنعتی شہر ہے۔ جس میں بھاری تعداد میں محنت کش مختلف صنعتوں، تجارتی اداروں اور پاور لومز (Power Looms) سے وابستہ ہیں۔ فیصل آباد میں ٹیکسٹائل اور گارمنٹس کے حوالے سے اہم مرکز ہے۔ ضلع بھر میں رجسٹرڈ کارخانوں کی تعداد 1113 ہے۔ جن میں ٹیکسٹائل، گارمنٹس، کپڑا ابنانے اور ہوزری سے متعلقہ فیکٹریوں کی تعداد تقریباً 582 ہے۔ اس کے علاوہ ہزاروں چھوٹے اور درمیانے درجے کے یونٹس غیر رجسٹرڈ ہیں۔ فیصل آباد میں رجسٹرڈ مزدور تنظیموں کی تعداد 113 ہے۔ جن میں 22 ٹیکسٹائل ملوں میں دو دو رجسٹرڈ مزدور تنظیمیں ہیں، جبکہ ہوزری میں دو گارمنٹس میں 2 پاور لومز میں تین رجسٹرڈ یونینز ہیں۔ دیگر مزدور تنظیمیں مختلف اداروں شوگر ملوں، بھٹوں وغیرہ سے متعلق ہیں۔

22 ٹیکسٹائل ملز میں 2,2 مزدور تنظیموں کی رجسٹریشن سے اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ یہ تنظیمیں مالکان کے ایما پر حفظ ماتقدم کے طور پر رجسٹرڈ کروائی گئی ہوں۔ بہر حال اس امر کی تصدیق فوری طور پر ممکن نہیں۔ البتہ فیصل آباد میں حقیقی نمائندہ یونینز کی تعداد کافی کم ہے۔ نئ یونینز کی رجسٹریشن صوبہ پنجاب کے دیگر شہروں کی طرح یہاں پر بھی مشکل بلکہ ناممکن عمل ہے۔ مزدور تنظیموں کے عہدیداران کو ملازمتوں سے فارغ کر دیا جاتا ہے جن کا فوری طور پر کوئی تحفظ نہیں اس لئے مزدور نئی تنظیم کی تشکیل سے گھبراتے ہیں۔ تمام اداروں میں عارضی، دیہاڑی دار اور ٹھیکیداری نظام موجود ہے اور ان شعبوں کے مزدور ویسے ہی یونین سے لاتعلق

رہتے ہیں۔فیصل آباد میں بھی تمام مزدوروں کو ملازمتوں پر تقرری کے لیٹرز نہیں ملتے اوران کی سوشل سکیورٹی اورای اوبی آئی میں رجسٹریشن کی شرح بہت کم ہے۔ ٹیکسٹائل اور بالخصوص گارمنٹ سیکٹر میں خواتین ورکرز کی بڑی تعداد موجود ہے جو امتیازی رویوں کا شکار ہے اکثر اداروں میں کم از کم اجرت کا فقدان ہے۔

فیصل آباد میں غیر رسمی شعبہ جیسا کہ گھروں میں رہ کر کام کرنے والے مزدور، گھروں میں کام کرنے والے اور گھروں پر جا کر کام کرنے والے مزدوروں اور زرعی شعبہ سے منسلک ورکرز کی بھاری تعداد موجود ہے جن میں خواتین ورکرز زیادہ تعداد میں ہیں۔ان ورکرز پر مزدور قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا اس لئے غیر منظّم اور سوشل سکیورٹی کے اسکیم سے باہر ہیں۔ان کو صرف پیشہ ورانہ بنیادوں یا شعبہ جاتی یا جنرل یونین کے تحت منظّم کیا جا سکتا ہے۔فیصل آباد میں لیبر قومی موومنٹ ایک غیر رجسٹرڈ تنظیم ہے مگر پاور لومز کے مزدوروں اور بھٹہ مزدوروں میں کافی سرگرم ہے اوران اداروں کے مزدوروں کو کم از کم اجرت،سوشل سکیورٹی اورای اوبی آئی رجسٹریشن کارڈ بنوانے کے لئے مصروف جدوجہد ہے۔فیصل آباد میں ذرائع نقل وحمل کے مزدوروں کی بھاری تعداد موجود ہے۔جن کو اوقت کار، حالات کار اور کم اجرتوں سے متعلق مشکلات اور مسائل درپیش ہیں۔

فیصل آباد کے مالکان مسلسل احتجاج کرتے رہتے ہیں کہ وہ بجلی اور گیس کی سپلائی اوران کی قیمتوں میں دوسرے صوبوں کی نسبت امتیازی رویوں کا شکار ہیں اوراس وجہ سے ان کی مقابلاتی سکت ملک کے اندر بھی اور بین الاقوامی سطح پر بھی متاثر ہو رہی ہے۔

سیالکوٹ برآمدی صنعت کے حوالے سے ایک اہم مرکز ہے۔جس میں گارمنٹس کھیلوں کا سامان، ٹینریز(Tanneries)، چمڑے کے ملبوسات، سرجیکل (طبی آلات) ایمبرائیڈری (سلمیٰ ستارہ) اور اعلیٰ سطح کی کٹلری(Cutlery)وغیرہ کے بڑے،درمیانے اور چھوٹے سائیز کے ہزاروں فیکٹریاں اور کارخانے موجود ہیں۔ضلعی محکمہ محنت کے ریکارڈ کے مطابق ضلع سیالکوٹ میں 658 یونٹس رجسٹرڈ ہیں۔جن میں زیادہ تعداد چھوٹے یونٹس کی ہے۔ 400 ورکرز سے 1200 ورکرز تک صرف 5 بڑے یونٹس ہیں۔ ضلع سیالکوٹ میں رجسٹرڈ یونینز کی تعداد 69 ہے۔جن میں اکثر فیکٹریوں میں 2,2 یونینز رجسٹرڈ ہیں۔جس میں یہ امکان موجود ہے کہ یہ یونینز حفظ ما تقدم کے طور پر مالکان کے ایما پر رجسٹرڈ ہوئی ہوں۔ صحیح معنوں میں متحرک اور سرگرم یونینز کی تعداد بہت کم ہے۔ ضلع بھر میں غیر رجسٹرڈ یونٹس کی تعداد بہت زیادہ ہے جہاں کے مزدوروں کے حالات اجرتیں اور سہولیات وغیرہ غیر واضح ہیں۔اسی طرح ایکسپورٹ پراسیسنگ زون کے مزدوروں کے حالات بھی غیر واضح ہیں، کیونکہ یہاں لیبر قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا۔محکمہ محنت کے عملہ کی تعداد بھی کم ہے اور اگر وہ چاہیں بھی تو پورے ضلع کے تمام یونٹس کی لیبر انسپکشن کافی مشکل ہے۔

پنجاب کے تین اہم اضلاع،لاہور،فیصل آباد اور سیالکوٹ میں سال 2015ء اور 2016ء میں لیبر انسپکشن کی صورتحال

پنجاب کے تین اہم اضلاع لاہور،فیصل آباد اور سیالکوٹ میں سال 2015ء اور سال 2016ء میں جتنی لیبر انسپکشنز ہوئیں اور جن میں جتنے چالان اور جرمانے ہوئے ان کی صورتحال حسب ذیل ہے۔

جدول 2.1: فیکٹریز کی انسپکشن کی رپورٹ

ضلع کا نام	انسپکشنز کی تعداد	جتنے چالان ہوئے	جو جرمانہ کیا گیا (روپیوں میں)
2015ء			
لاہور	1,017	3,555	214,900
فیصل آباد	720	846	145,000
سیالکوٹ	540	104	12,500
2016ء			
لاہور	1,527	5,079	307,000
فیصل آباد	836	991	235,000
سیالکوٹ	980	124	17,500

بحوالہ: محکمہ محنت پنجاب

ان اعداد وشمار کی روشنی میں یہ صورتحال سامنے آئی ہے کہ ضلع لاہور میں 2015ء کی نسبت 2016ء میں 510 لیبر انسپکشنز زیادہ ہوئیں۔1524 چالان زیادہ ہوئے۔اسی طرح ضلع فیصل آباد میں سال 2015ء سے سال 2016ء میں 116 زیادہ انسپکشنز ہوئیں۔ 145 چالان زیادہ ہوئے۔ ضلع سیالکوٹ میں 2015ء سے 2016ء میں 140 انسپکشنز زیادہ ہوئیں جن میں 20 چالان زیادہ ہوئے۔

جدول 2.2 : ضلع لاہور میں ای او بی آئی میں رجسٹریشن اور پنشنز کی صورتحال

عنوان	2014-15	2015-16	اضافہ
کنٹری بیوشن (ملین روپے)	1960	2439	4790
رجسٹرڈ کارکنوں (تعداد)	388,709	433,919	45,210
پنشنرز (تعداد)	51,569	55,182	3,613
گرانٹ کیسز (تعداد)	1,757	2,190	433
کل رقم جو پنشن میں ادا کی گئی (ملین روپے)	283.62	303.5	19.8
ٹوٹل رقم جو گرانٹ کی شکل میں ادا ہوئی (ملین روپے)	35.14	43.8	8.6

بحوالہ: ای او بی آئی پنجاب

جدول 2.3: فیصل آباد ریجن کی ای او بی آئی میں رجسٹریشن اور پنشنرز کی صورت حال

عنوان	2014-2015	2015-16	اضافہ
کنٹری بیوشن (ملین روپے)	1,030	1,127	970
رجسٹرڈ کارکنوں (تعداد)	298,833	305,797	69,640
پنشنرز (تعداد)	35,521	37,568	2,047
گرانٹ کیسز (تعداد)	188	360	4,720
پنشن کی مد میں قم کی ادائیگی (ملین روپے)	1,717.29	2,364.63	647.3
گرانٹ کی مد میں قم کی ادائیگی (ملین روپے)	5.9	7.34	1.4

بحوالہ: ای او بی آئی پنجاب

جدول 2.4 : ضلع سیالکوٹ میں ای او بی آئی کی رجسٹریشن اور پنشنرز کی صورتحال

عنوان	2014-2015	2015-16	اضافہ
کنٹری بیوشن (ملین روپے)	257.81	295.97	38.1
رجسٹرڈ کارکنوں (تعداد)	72,928	75,149	2,221
پنشنرز (تعداد)	6,861	7,394	5,330
گرانٹ کیسز (تعداد)	451	486	35
پنشن کی مد میں ادا کردہ رقوم (ملین روپے)	37.73	40.67	2.9
گرانٹ کی مد میں ادا کردہ رقوم (ملین روپے)	9.02	9.72	0.7

بحوالہ: ای او بی آئی پنجاب

ان اعداد وشمار کی روشنی میں واضح ہے کہ اس عرصہ کے دوران ضلع لاہور میں سال میں 45,210 کارکنوں کی مزید رجسٹریشن ہوئی جبکہ ضلع فیصل آباد میں 6,964 ورکرز کی مزید رجسٹریشن ہوئی اور ضلع سیالکوٹ میں سال کے دوران 2,221 کارکنوں کی مزید رجسٹریشن ہوئی۔

پنجاب سوشل سکیورٹی

پنجاب سب سے بڑا صوبہ ہے اور اس میں مزدوروں کی بھی بھاری اکثریت موجود ہے۔ پنجاب سوشل سکیورٹی مزدوروں اور ان کے کنبے کے حق دار افراد کی طبی امداد کا اہم ادارہ ہے۔ ویسے تو نئی فیکٹریوں اور اداروں کے قیام سے سوشل سکیورٹی میں رجسٹرڈ ورکرز کی تعداد میں اضافہ ایک لازمی امر ہے۔ رسمی شعبہ میں بہت سے کارکن جو عارضی اور ٹھیکیداری کے تحت مزدوری کے زمرے میں آتے ہیں حق دار ہوتے ہوئے بھی عموماً اس سہولت سے محروم رہتے ہیں اور اب جبکہ سوشل سکیورٹی 5 مزدوروں تک کے اداروں پر لاگو ہے اگر بھرپور مہم کے ساتھ تمام حقدار مزدوروں کی رجسٹریشن کی جائے تو ان کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ممکن ہے جس سے محکمہ کی آمدن میں بھی اضافہ ہوسکتا ہے اور اس کی مزید توسیع بھی ضروری ہوجائے گی۔

بہر حال پنجاب سوشل سکیورٹی کی طرف سے دستیاب اعداد و شمار جو جی ایس پی پلس دسمبر 2013ء اور پھر جی ایس پی پلس کے بعد اگست 2016ء تک کے اعداد و شمار کا موازنہ ہے۔اس میں اضافہ نسبتاً حوصلہ افزا ہے،لیکن ابھی اس میں بڑی گنجائش موجود ہے۔اعداد و شمار حسب ذیل ہیں۔

جدول 2.5: صوبہ پنجاب میں سوشل سکیورٹی کے اعداد و شمار

کوائف	جی ایس پی پلس سے قبل دسمبر 2013ء	اگست 2016ء	(اضافہ)
ماہوار سوشل سکیورٹی کا ٹارگٹ (روپوں میں)	632,152,223	1,043,075,000	410,922,777
اسٹیبلشمنٹس کی تعداد	58,859	68,413	9,556
رجسٹرڈ ڈیپارٹمنٹس کی تعداد	867,082	965,112	98,030
کارکنوں کی تعداد	5,202,492	5,790,672	588,180

حوالہ : سوشل سکیورٹی ڈیپارٹمنٹ

ان اعداد و شمار سے بہر حال اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ مختلف سرکاری محکموں میں رجسٹریشن کے حوالے سے کچھ تیزی آ رہی ہے،لیکن اس کے باوجود بہت سے حقدار ورکرز اس میں رجسٹریشن سے محروم ہیں۔سوشل سکیورٹی کو مزید کوششیں تیز کر کے یہ اضافہ جاری رکھنا چاہئے۔

باکس 2.1: پنجاب حکومت کے کچھ اہم پروجیکٹس (Projects)

نمبر1: ہوم بیسڈ ورکرز کو بااختیار (Empowerment) بنانے کا پروجیکٹ

ٹارگٹ اضلاع: لاہور۔گوجرانوالہ۔ملتان

تعاون: یو این ویمن (UN Women)

ہوم بیسڈ ورکرز کو بااختیار بنانے کیلئے یو این ویمن کے تعاون سے ایک پروجیکٹ مئی 2014 سے جاری ہے جسمیں تین اضلاع کو ٹارگٹ کیا گیا ہے،جس میں لاہور،گوجرانوالہ اور ملتان شامل ہیں۔

اس پروجیکٹ سے متعلقہ تین اضلاع میں پہلے مرحلہ میں درج ذیل کام ہوں گے۔

1: -/12000 ہوم بیسڈ ورکرز کے اعداد و شمار اور کوائف اکٹھے کرنا۔

2: ان اضلاع میں ہوم بیسڈ ورکرز کی تکنیکی مہارت میں اضافہ کرنا۔

3: گھروں میں کام کرنے والے محنت کشوں کے مسائل پر ان کو آگاہی دینا۔

4: گھروں میں کام کرنے والے محنت کشوں کی شکایات اور تنازعات کے حل اور ازالہ کیلئے طریقہ کار طے کرنا۔

دوسرا مرحلہ:

1: ایک مخصوص فارم پر کروا کر کے اس کے مطابق کم از کم 12000 ہوم بیسڈ ورکرز کو رجسٹریشن کارڈ مہیا کرنا۔

2: ان رجسٹرڈ ورکرز میں سے کم از کم 3000 ہوم بیسڈ ورکرز کی ادارہ سوشل سکیورٹی میں رجسٹریشن کروانا۔

3: ان رجسٹرڈ ورکرز میں سے کم از کم 600 ورکرز کو متعلقہ اضلاع میں حکومتی ٹیکنیکل اداروں کے ذریعہ ان کی مہارت میں اضافہ۔

4: ان کارکنوں کے حقوق اور کم از کم اجرت لاگو کرنے کیلئے ایک شکایت اور تنازعات کے حل کیلئے ادارہ بنانا اور شکایات کے ازالہ کیلئے طریقہ کار طے کرنا۔

نمبر2: مائیگرنٹ ورکرز کیلئے ریسورس سنٹر (Resource Centre For Migrant Wokers)

آئی ایل کے تعاون سے لاہور میں انڈسٹریل ریلیشنز انسٹیوٹ (IRI) میں مائیگرنٹ ورکرز کیلئے ایک ریسورس سنٹر قائم کیا گیا ہے جو ستمبر 2015 سے شروع ہو کر جون 2017 تک برقرار رہے گا۔

اس میں درج ذیل کام ہو گئے۔

1: مائیگرنٹ ورکرز کو بہتر مشورے کیلئے سٹاف کی ٹریننگ

2: ملک سے باہر جانے سے قبل مائیگرنٹ ورکرز کیلئے ایسے تحریری مواد کی تیاری جو ان کیلئے فائدہ مند ہو۔

3: ملک سے باہر جانے سے قبل ان کی ذہنی اور شعوری طور پر آگہی کا پروگرام۔

نمبر 3: یونیسیف کا چائیلڈ لیبر بارے پروگرام

آئی ایل او کے تعاون سے مئی 2013 سے ستمبر 2017 تک یونیسیف کا چائیلڈ لیبر بارے پروگرام جاری ہے جس میں پنجاب میں چائیلڈ لیبر کا سروے کیا جا رہا ہے۔

نمبر 4: لیبر انسپکشن کو مظبوط کرنے کا پروجیکٹ

اس سلسلے میں لیبر انسپکشن میں اصلاحات لانا شامل ہے یہ آئی ایل او کے تعاون سے جاری ہے۔

ضلع لاہور، فیصل آباد اور سیالکوٹ میں معیارات محنت جانچنے کیلئے ایک فوری سروے کے نتائج

جیسا کے رپورٹ کے گزشتہ صفحات میں واضح کیا گیا ہے کہ اس سال کی عبوری رپورٹ کیلئے وقت اور وسائل کی قلت تھی اس لیئے سروے کے لیئے صرف پنجاب کے تین اہم شہروں پر توجہ مرکوز کی گئی اور ان شہروں میں بھی اس صنعت پر توجہ دی گئی جو اپنی مصنوعات کو برآمد کرتی ہیں اس سروے سے جو نتائج سامنے آئے ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

جدول 2.6: برآمدی مصنوعات تیار کرنے والے اداروں اور فیکٹریوں میں ملازم مرد اور خواتین کارکنوں کی تعداد اور ای او بی آئی اور سوشل سیکیورٹی میں رجسٹرڈ کارکن (سروے کے نتائج)

برآمدی شعبہ	صنعت	مرد کارکن	خواتین کارکن	سروے کردہ اداروں میں کارکنوں کی کل تعداد	سوشل سیکیورٹی میں رجسٹرڈ	ای او بی آئی میں رجسٹرڈ
لاہور						
گارمنٹس	19	30,706	13,132	43,838	18,372	17,568
نٹ ویئر	2	3,506	624	4,130	1,823	1,785
چمڑے کی مصنوعات	28	46,116	2,141	48,257	26,127	24,999
اونی مصنوعات	1	1,147	112	1,259	345	290
میزان	**50**	**81,475**	**16,009**	**97,484**	**46,667**	**44,642**
فیصل آباد						
گارمنٹس	20	15,784	3,410	19,194	5,048	4,743
ٹیکسٹائل/فیبرکس	26	20,062	1,235	21,297	7,573	6,115
ہوزری	4	1,632	390	2,022	640	572
میزان	**50**	**35,478**	**5,035**	**40,513**	**13,261**	**12,430**
سیالکوٹ						
گارمنٹس	27	31,189	6,562	37,751	18,576	16,541
آلات جراحی	13	3,353	228	3,581	1,186	1,056
چمڑے کی مصنوعات	10	4,461	1,337	5,798	1,873	1,426
میزان	**50**	**39,009**	**8,127**	**47,130**	**21,635**	**19,023**
کل میزان	**150**	**155,962**	**29,171**	**185,127**	**81,563**	**76,095**

- ضلع لاہور میں جن پچاس فیکٹریوں کا سروے کیا گیا ان میں گارمنٹس کی 19 نٹ ویئر (knitwear) کی 2 ٹیکسٹائل/فیبرکس کی 28 اور ایک وولن فیکٹری ہے۔

- ان فیکٹریوں میں کل کارکنوں کی تعداد 97,484 ہے جن میں سے 81,475 مرد کارکن اور 16,009 خواتین ورکرز ہیں اور ان میں سے سوشل سیکورٹی میں 46,667 ورکرز اور ای او بی آئی میں 44,642 ورکرز رجسٹرڈ ہیں۔ اس حساب سے مرد کارکن کی تعداد 84 فیصد اور خواتین کارکنوں کی تعداد 16 فیصد ہے۔

- ضلع فیصل آباد میں جن فیکٹریوں کا سروے کیا گیا ہے ان میں گارمنٹس کی 20 فیبرکس / ٹیکسٹائل کی 26 اور ہوزری کی 4 فیکٹریاں شامل ہیں۔ ان تمام فیکٹریوں میں کل مزدوروں کی تعداد 40,513 ہے جبکہ ان میں مرد کارکنوں کی تعداد 35,478 اور خواتین کارکنوں کی تعداد 5,035 ہے۔ ان میں سے 13,261 کارکن سوشل سیکورٹی میں اور 12,430 کارکن ای او بی آئی میں رجسٹرڈ ہیں۔ ان کل کارکنوں میں تقریباً 88 فیصد مرد کارکن اور 12 فیصد خواتین کارکن ہیں۔

- ضلع سیالکوٹ میں جن فیکٹریوں کا سروے کیا گیا ہے ان میں کھیلوں کا سامان کی 27، جراحی کی 3 اور چمڑے کی مصنوعات کی 10 فیکٹریاں شامل ہیں ان فیکٹریوں میں کل کارکنوں کی تعداد 47130 جن میں سے 39,009 (83 فیصد) مرد کارکن اور 8,127 (17 فیصد) خواتین کارکن ہیں ان میں سے 21,635 (44 فیصد) سوشل سیکورٹی اور 19,023 (41 فیصد) ای او بی آئی میں رجسٹرڈ ہیں۔

گراف 1 : سروے کردہ اداروں میں اندرون فیکٹری اور بیرون فیکٹری تیار کردہ مصنوعات (پیداوار) کی صورت حال

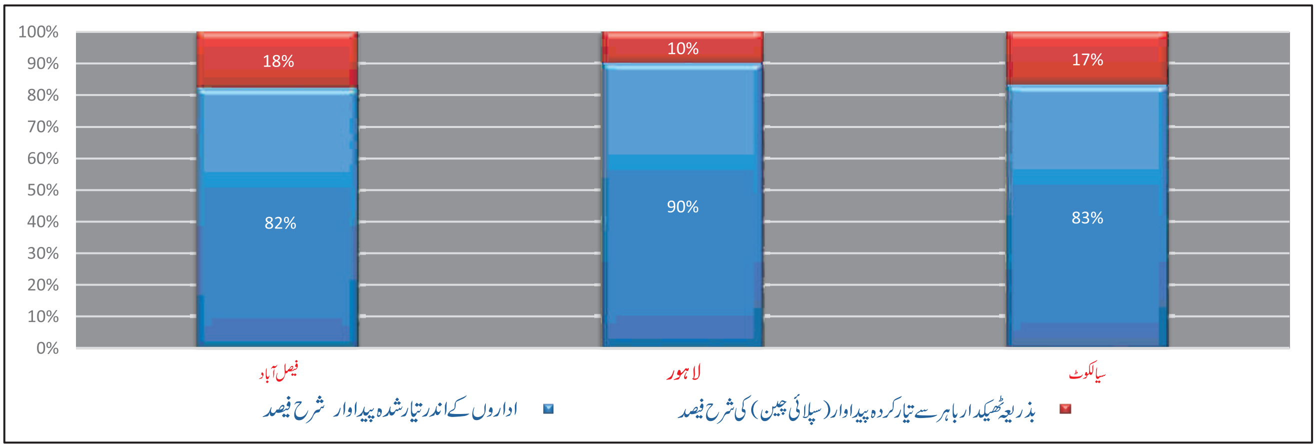

★ اگر پیداواری عمل کے حوالے سے تجزیہ کیا جائے تو فیصل آباد میں 82 فیصد مصنوعات فیکٹریوں کے اندر تیار ہوتی ہیں جبکہ 18 فیصد کام باہر سے بذریعہ ٹھیکیدار کروایا جاتا ہے ۔اسی طرح ضلع لاہور میں 90 فیصد مال فیکٹریوں کے اندر تیار ہوتا ہے جبکہ اس کا 10 فیصد کام باہر سے بذریعہ ٹھیکیدار کروایا جاتا ہے اور ضلع سیالکوٹ میں 83 فیصد مال فیکٹریوں کے اندر تیار ہوتا ہے اور اس کا 17 فیصد حصہ باہر سے بذریعہ ٹھیکیدار تیار کیا جاتا ہے۔

گراف 2: سروے کردہ اداروں میں کم از کم اجرت اور سماجی مراعات کے حصول کی صورت حال اداروں کی فیصد تعداد جو مراعات حاصل کر رہے ہیں۔

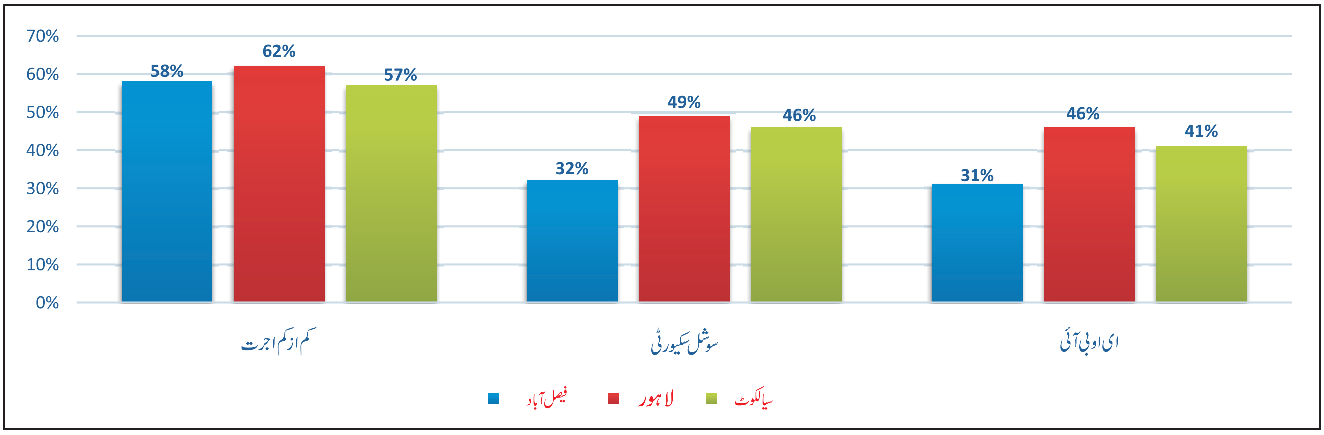

★ اگر ان تینوں اضلاع میں کارکنوں کو ملنے والی کم از کم اجرت کے حساب سے دیکھا جائے تو ضلع فیصل آباد میں 58 فیصد، ضلع لاہور میں 62 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 57 فیصد ورکرز کو کم از کم اجرت ادا کی جارہی ہے۔

★ ان اضلاع میں سوشل سیکورٹی کی رجسٹریشن کی صورت حال یہ ہے ضلع فیصل آباد میں 32 فیصد ضلع لاہور میں 49 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 46 فیصد کارکن سوشل سیکورٹی میں رجسٹرڈ ہیں۔

★ اگر ان اضلاع میں ای او بی آئی میں رجسٹرڈ کارکنوں کے حساب سے دیکھا جائے تو ضلع فیصل آباد میں 31 فیصد، ضلع لاہور میں 46 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 41 فیصد کارکن رجسٹرڈ ہیں۔

★ ان اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ سوشل سیکورٹی اور ای او بی آئی میں 50 فیصد سے بھی کم کارکن رجسٹرڈ ہیں جو کہ باعث تشویش ہے۔

★ اگر رجسٹرڈ ٹریڈ یونینز کے حوالے سے جائزہ لیا جائے تو تینوں اضلاع میں رجسٹرڈ ٹریڈ یونینز کی صورت حال یہ ہے۔ضلع فیصل آباد میں 11 فیصد، ضلع لاہور میں 6 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 8 فیصد اداروں میں یونینز رجسٹرڈ ہیں ۔جبکہ جی ایس پی پلس (2014ء) کے بعد کوئی نئ یونین رجسٹرڈ نہیں ہوئی اور صرف ضلع سیالکوٹ میں 2 فیصد یونینز میں خواتین ورکرز کی نمائندگی موجود ہے۔

★ ضلع فیصل آباد میں 3 فیصد، ضلع لاہور میں 3 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 5 فیصد یونینز میں خفیہ بیلٹ سے الیکشنز ہوتے ہیں۔

★ اسی طرح ضلع فیصل آباد میں 8 فیصد، ضلع لاہور میں 5 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 6 فیصد فیکٹریوں میں ریفرنڈم کا انعقاد ہوتا ہے جبکہ ضلع فیصل آباد میں 3 فیصد، ضلع لاہور میں 3 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 5 فیصد سی بی اے یونینز مالکان سے باضابطہ معاہدے کرتی ہیں۔

گراف 3 : فیکٹریوں میں ٹریڈ یونینز کی صورت حال فیصد تعداد جن اداروں میں ہاں میں جواب دیا گیا۔

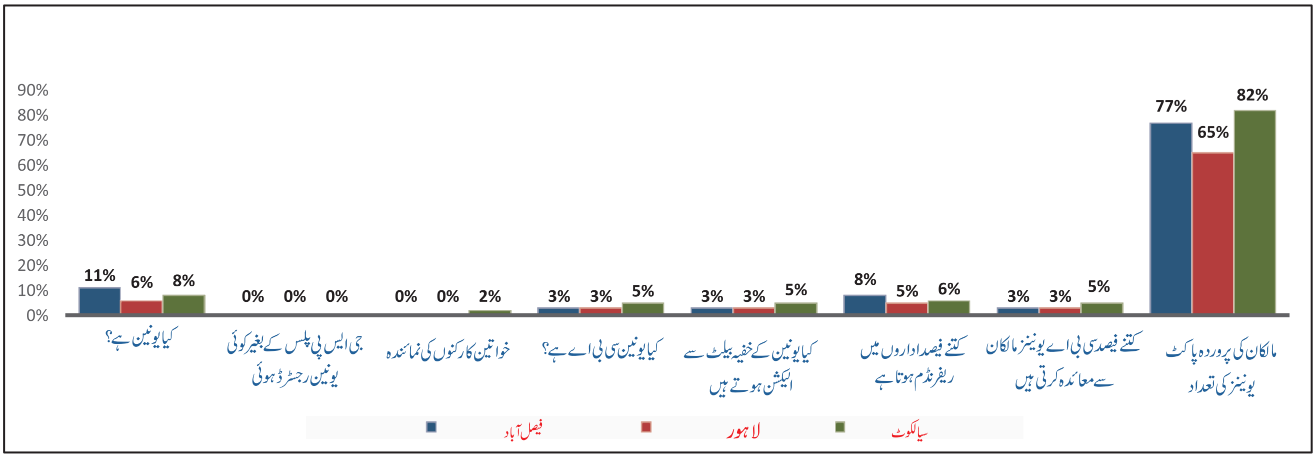

★ ان رجسٹرڈ یونینز میں سے ضلع فیصل آباد میں 77 فیصد، ضلع لاہور میں 65 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 82 فیصد یونینز مالکان کی حمایت یافتہ یا پاکٹ یونینز ہیں جو کہ کافی تشویش ناک صورت حال ہے۔

★ اگر مرد اور خواتین کارکنوں کی تنخواہوں میں موجود فرق اور صنفی امتیاز کے حوالے سے دیکھا جائے تو ضلع فیصل آباد میں 70 فیصد خواتین ارکنوں نے تنخواہوں میں موجود فرق کا مثبت جواب دیا۔ اس طرح ضلع لاہور میں 76 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 60 فیصد خواتین کارکنوں نے تنخواہوں میں فرق اور صنفی امتیاز کے تحت اجرتوں میں موجود فرق کا مثبت جواب دیا۔

گراف 4 : خواتین کارکنوں کے حالات کار اور صنفی امتیازات اداروں کی فیصد اور تعداد جن میں کارکنوں کا جواب ہاں میں تھا۔

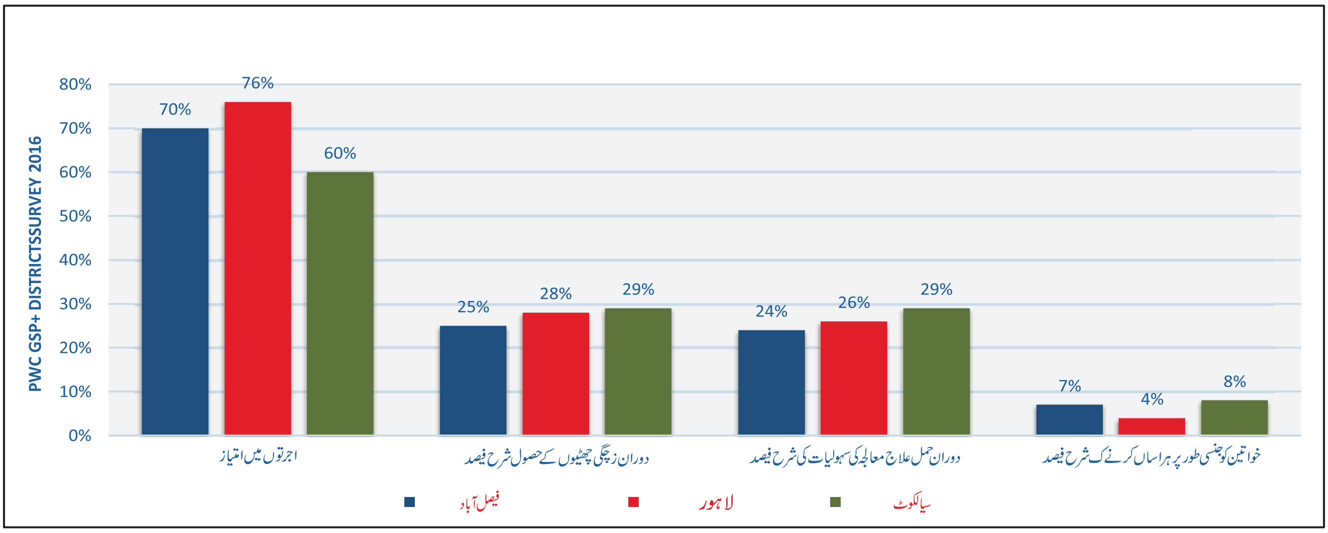

★ میٹرنٹی لیو (دوران حمل چھٹیوں) کے حوالے سے دیکھا جائے تو ضلع فیصل آباد میں 25 فیصد، ضلع لاہور میں 28 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 29 فیصد اداروں میں خواتین کارکنوں کو میٹرنٹی لیو کی سہولت میسّر ہے۔

★ خواتین ورکرز کو جنسی طور پر ہراساں کرنے کے حوالے سے ضلع فیصل آباد میں 7 فیصد، ضلع لاہور میں 4 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 8 فیصد اداروں میں خواتین کارکنوں کو جنسی طور پر ہراساں کرنے جیسے واقعات درپیش ہوئے۔

- مذکورہ تینوں اضلاع میں لیبر انسپکشن کی صورت حال کو دیکھا جائے تو ضلع فیصل آباد میں 26 فیصد ضلع لاہور میں 35 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 38 فیصد اداروں میں لیبر انسپکشنز ہوتی ہیں ان انسپکشنز کے دوران ضلع فیصل آباد میں 10 فیصد، ضلع لاہور میں 5 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں صرف 8 فیصد کارکنوں سے سوالات و جوابات کا سلسلہ قائم ہوا۔

گراف 5: اداروں میں لیبر انسپکشن کی صورت حال اداروں کی فیصد تعداد جن میں کارکنوں نے ہاں میں جواب دیا۔

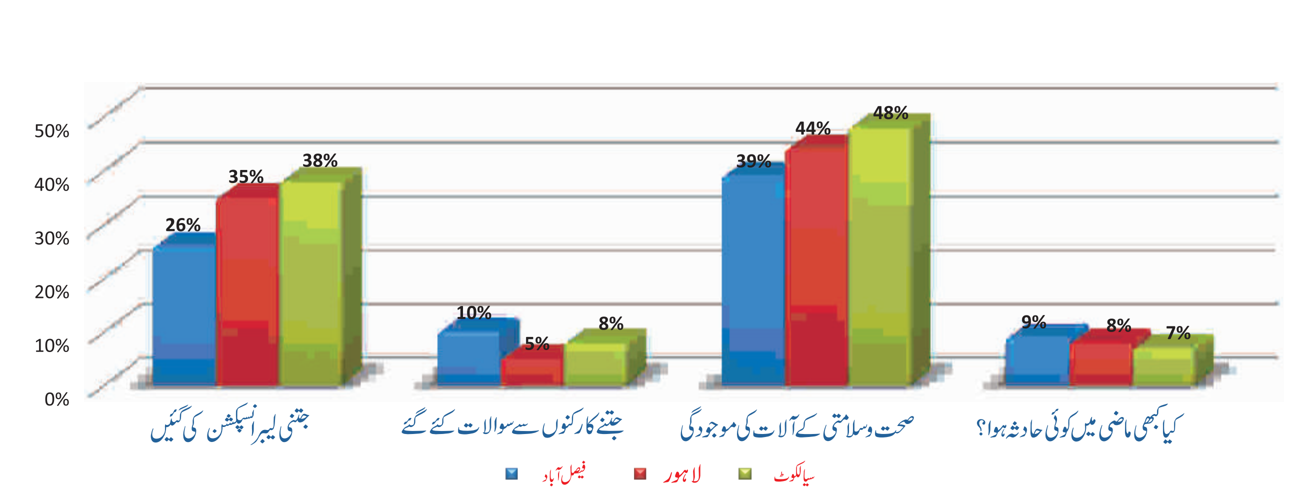

- ان مذکورہ صنعتوں میں صحت وسلامتی کے سامان اور آلات کے حوالے سے دیکھا جائے تو ضلع فیصل آباد میں 39 فیصد ضلع لاہور میں 44 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 48 فیصد فیکٹریوں میں صحت وسلامتی کا سامان اور آلات موجود ہونے کا بتایا گیا۔

- ان تینوں اضلاع کی صنعتوں میں چھوٹے موٹے حادثات کی صورت حال یہ بیان کی گئی ۔ضلع فیصل آباد میں 9 فیصد، ضلع لاہور میں 8 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 7 فیصد حادثات رونما ہوئے۔مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اس سروے کے نتائج سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ رجسٹرڈ ٹریڈ یونینز کی تعداد تشویشناک حد تک کم ہے اور ان میں سے بھی حقیقی نمائندہ ٹریڈ یونینز کی تعداد بہت ہی کم ہے۔جبکہ ان میں سے اکثریت یونینز مالکان کی پروردہ ہیں۔

- بہت کم یونینز میں خفیہ بیلٹ الیکشنز اور ریفرنڈم کا انعقاد ہوتا ہے اور بہت کم یونینز سی بی اے یونین بن کر مالکان سے باضابطہ معاہدے کرتی ہیں۔

- لیبر انسپکشن کی صورت حال خاصی مخدوش ہے اور ان انسپکشنز میں بھی کارکنوں سے سوالات وجوابات کا فقدان ہے جس کی وجہ کارکنوں پر مالکان کا دباؤ اور روزگار کا عدم تحفظ ہے ۔

- صحت وسلامتی کا جدید سامان اور آلات بھی کم فیکٹریوں میں موجود ہیں اور صحت وسلامتی (OSH) کا قانون صوبہ پنجاب میں ابھی ابتدائی مراحل میں ہے ۔جب یہ باقاعدہ اسمبلی سے منظور ہوکر لاگو ہوجائے تو شاید صورت حال میں بہتری آسکے ۔یہی وجہ ہے کہ فیکٹریوں میں چھوٹے بڑے حادثات رونما ہوتے رہتے ہیں۔

- فیکٹریوں میں زیادہ تر مصنوعات کارخانوں کے اندر ہی تیار ہوتی ہیں جبکہ ان کے کچھ حصے فیکٹریوں سے باہر بذریعہ ٹھیکیدار پیس ریٹ پر تیار کروائے جاتے ہیں اور اسی طرح یہ لیبر سپلائی چین (Supply Chain) کے زمرے میں آتی ہے۔

اس تمام صورت حال نے ایک دفعہ پھر پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کے اس دعویٰ کو صحیح ثابت کر دیا ہے کہ جب تک پاکستان میں تمام فیکٹریوں میں حقیقی نمائندہ یونینز معرض وجود میں نہیں آتیں۔ان فیکٹریوں میں تمام روزمرہ کے قوانین پر بھی عملدرآمد ممکن نہیں ہے اور اگر پاکستان کے مالکان اور حکومت نے بین الاقوامی برادری میں بنیادی لیبر معیارات پر عملدرآمد کے سلسلہ میں سرخرو ہونا ہے تو مالکان اور حکومت کو کارکنوں کے سب سے اولین حق یعنی تنظیم سازی اور اجتماعی سودا کاری کی آزادی کے حق کا حقیقی معنوں میں احترام کرنا ہوگا اور حقیقی یونینز کو تسلیم اور برداشت کرتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی اور برابری کی سطح پر معاملات طے کرنا ہوں گے بصورت دیگر لمبے عرصہ تک صنعتی کارکنوں سے روا رکھے جانے والے سلوک اور غیر قانونی اقدامات کو ملکی اور بین الاقوامی سطح پر نظروں سے اوجھل نہیں رکھا جاسکتا اور اگر اس کے خلاف کوئی منفی ردعمل سامنے آیا تو اس کی تمام تر ذمہ داری مالکان اور حکومت پر عائد ہوگی۔جس کا نقصان یقینی طور پر تمام متعلقہ فریقین (اسٹیک ہولڈرز) کو ہوگا۔اس سلسلہ میں تینوں فریقوں کو فوری نوعیت کی حکمت عملی اور تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے جس سے جی ایس پی پلس کی رعایت برقرار رہے۔

ضمیمہ 1: سروے کا طریقہ کار و دورانیہ

لاہور، فیصل آباد اور سیالکوٹ میں زیادہ تر اُن فیکٹریوں کا سروے کیا گیا جو اپنی مصنوعات کو یورپی یونین سمیت دیگر ممالک کو برآمد کرتی ہیں۔ سروے کے فارم متعلقہ فیکٹری کے مزدوروں کے ساتھ بحث کے ذریعے بھروائے گئے۔ ان تینوں شہروں میں سروے فارم بھروانے کا یہ عمل تقریباً ڈیڑھ ماہ کے عرصہ میں، یکم اکتوبر 2016 سے 25 نومبر 2016 تک مکمل ہوا۔

ڈیڑھ ماہ تک کیئے گئے سروے میں، لاہور، فیصل آباد اور سیالکوٹ میں پاکستان ورکرز کنفیڈریشن سے ملحقہ فیڈریشنز، جن میں پاکستان ورکرز فیڈریشن، متحدہ لیبر فیڈریشن پاکستان مزدور محاز اور آل پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کی مقامی قیادت نے اِس سروے کو مکمل کروانے میں بھرپور تعاون کیا، سروے کا طریقہ کار اس طرح سے ترتیب دیا گیا تھا کہ سب سے پہلے جس فیکٹری کا سروے کرنا مقصود ہوتا اُس فیکٹری کے محنت کشوں میں سروے فارم تقسیم کیا جاتا اور اُنہیں سروے فارم میں درج سوالات کے بارے میں مکمل آگاہی دی جاتی۔ کچھ محنت کش تو سروے فارم کو فوری طور پر مکمل کر کے سروے کرنے والے کے حوالے کر دیے لیکن ایسا بھی ہوتا کہ کچھ ورکرز وہ سروے فارم مکمل کر کے اگلے یا اُس سے اگلے روز واپس کرتے۔ جن فیکٹریوں میں محنت کشوں کی یونینز موجود تھیں اُن فیکٹریوں کے محنت کشوں کی معلومات اُن فیکٹریوں کے محنت کشوں سے بہتر تھیں، جن میں مزدوروں کی یونینز موجود نہیں تھیں، سروے کے دوران اس بات کو باآسانی محسوس کیا جا سکتا تھا کہ محنت کش کسی انجانے خوف کا بھی شکار ہیں۔ دوران سروے یہ بات بھی مشاہدے میں آئی کہ فیکٹری میں کام کرنے کے باوجود محنت کش فیکٹری کے اندر کے حالات سے پوری طرح آگاہ نہیں ہیں، یا اُن کے پاس فیکٹری سے متعلقہ مکمل معلومات نہیں ہیں۔ اِس طرح کی صورت حال میں سروے جیسا اہم کام خاص مشکلات کا بھی شکار ہے۔ اِس سروے کے دوران، فیکٹری میں کام کرنے والی خواتین سے معلومات کا حصول تقریباً ناممکن رہا۔ پنجاب کے جن تینوں شہروں میں سروے کیا گیا، دوران سروے پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کے رہنما اُن شہروں کے چیمبر زآف کامرس محکمہ محنت، محکمہ سوشل سکیورٹی اور محکمہ ای او بی آئی کے رہنماؤں اور افسران سے بھی ملاقاتیں کیں۔

ضمیمہ 2 : سروے فارم برائے معلومات ایکسپورٹ انڈسٹری

1:۔حصہ اول۔ادارے کے بارے میں معلومات

1:۔فیکٹری/ادارہ کا نام بمعہ مکمل ایڈریس---

2:۔تیار کردہ مصنوعات کی نوعیت---

3:۔کیا فیکٹری/ادارہ کسی چیمبر یا ایسوسی ایشن کی ممبر ہے؟-----------------------------------

4:۔مصنوعات کی مارکیٹنگ (ا):۔مکمل برآمد (ب):۔جزوی برآمد

5:۔خام مال کا حصول (ا):۔صرف مقامی (ب):۔امپورٹڈ خام مال

6:۔دسمبر 2015 تک ایکسپورٹ کردہ مصنوعات کی اوسط سالانہ مقدار--------------------

7:۔دسمبر 2016 تک ممکنہ ایکسپورٹ کردہ مصنوعات کی اوسط سالانہ مقدار--------------------

8:۔دسمبر 2015 تک ایکسپورٹ شدہ مصنوعات کی اوسط سالانہ آمدن--------------------

9:۔دسمبر 2016 تک ممکنہ ایکسپورٹ کردہ مصنوعات کی اوسط سالانہ آمدن--------------------

10:۔زیادہ تر مصنوعات کن ممالک کو برآمد ہوئیں؟ (ا):۔یورپی یونین (ب):۔دیگر ممالک

11:۔کیا مصنوعات کی مکمل تیاری فیکٹری کی چار دیواری کے اندر ہوتی ہے؟ □ ہاں □ نہیں

12:۔کیا کچھ حصہ کسی اور جگہ سے تیار کروایا جاتا ہے؟ □ ہاں □ نہیں

13:۔باہر کن شرائط پر مال تیار کروایا جاتا ہے؟-----------------------------------

14:۔کیا یہ کام کسی مڈل مین کے زریعے ہوتا ہے؟ □ ہاں □ نہیں

15:۔ان باہر کے مزدوروں کی کوئی قابل ذکر مراعات

(ا):۔سوشل سیکیورٹی (ب):۔ای او بی آئی (ج):۔کم از کم اجرت (د):۔سروس ریکارڈ وغیرہ

16:۔مزدوروں کی کل تعداد (ا):۔مستقل (ب):۔ڈیلی ویجز (ج):۔پیس ریٹ

(د):۔کنٹریکٹ (ر):۔کنٹریکٹ بذریعہ ادارہ (س):۔کنٹریکٹ بذریعہ تیسرا فریق

(ص):۔مرد کارکنوں کی تعداد (ط):۔خواتین کارکنوں کی تعداد (ع):۔بچوں کی تعداد اگر کوئی ہو

2:۔شرائط ملازمت، اجرتیں، اوقات کار

17:۔ورکرز کو تقرری کے لیٹرز دیئے جانے کی صورت حال-----------------------------

18:۔ دسمبر 2015 تک سوشل سیکورٹی میں باضابطہ رجسٹرڈ کارکنوں کی تعداد--------------------

19:۔دسمبر 2016 تک سوشل سیکورٹی میں باضابطہ رجسٹرڈ کارکنوں کی تعداد--------------------

20:۔دسمبر 2015 تک EOBI میں باضابطہ رجسٹرڈ کارکنوں کی تعداد--------------------

21:۔دسمبر 2016 تک EOBI میں باضابطہ رجسٹرڈ کارکنوں کی تعداد--------------------

22:۔دسمبر 2015 تک کارکنوں کو ملنے والی قابل ذکر مراعات--------------------

23:۔دسمبر 2016 تک کارکنوں کو ملنے والی اضافی مراعات--------------------

24:۔دسمبر 2015 تک ادارہ میں رجسٹرڈ یونینز کی تعداد--------------------

25:۔دسمبر 2016 تک ادارہ میں رجسٹرڈ یونینز کی تعداد--------------------

26:۔فیکٹری میں عمومی اوقات کار---

27:۔خواتین ورکرز کے اوقات کار---

28:۔ادارہ میں اوور ٹائم ملتا ہے؟ اگر ملتا ہے تو (ا):۔سنگل (ب):۔دوگنا ملتا ہے

29:۔کیا غیر ہنر مند مزدوروں کو کم از کم اجرت ملتی ہے؟ □ ہاں □ نہیں

30:۔کیا غیر ہنرمند اور ہنرمند مزدوروں کی اجرات میں فرق ہے؟ □ ہاں □ نہیں

31:۔رجسٹرڈ یونین میں خواتین کارکنوں کی نمائندگی ہے؟ □ ہاں □ نہیں

32:۔ایک یونین کی صورت میں خفیہ بیلٹ الیکشن ہوتے ہیں؟ □ ہاں □ نہیں

33:۔ایک سے زائد یونین کی صورت میں ریفرنڈم ہوتا ہے؟ □ ہاں □ نہیں

34:۔کیا یونین ڈیمانڈ نوٹس دیتی ہے؟ □ ہاں □ نہیں

35:۔مالکان/انتظامیہ کے ساتھ باضابطہ تحریری معاہدہ ہوتا ہے۔ □ ہاں □ نہیں

36:۔یونین مالکان کی حمایت یافتہ ہے یا مزدوروں کی حقیقی نمائندہ--------------------

37:۔کیا ریٹائرمنٹ کے بعد مزدوروں کو تمام واجبات ادا کئے جاتے ہیں ہاں نہیں

38:۔واجبات میں کیا کیا شامل ہوتا ہے؟ (ا):۔گریجویٹی (ب):۔چھٹیوں کے پیسے

(ج):۔دیگر مراعات

3:۔خواتین کارکنوں کے بارے میں خصوصی معلومات بشمول امتیازی سلوک

39:۔کیا مرد اور خواتین کی ایک جیسے کام کی اجرات برابر ہے □ ہاں □ نہیں

40:۔اگر فرق ہے تو کتنا فرق ہے؟-----------------------------------

41:۔خواتین کارکنوں کو دوران زچگی چھٹیاں ملتی ہیں؟ □ ہاں □ نہیں

42:۔اگر ملتی ہیں تو کتنے دن کی ملتی ہیں؟-----------------------------

43:۔کیا دوران زچگی علاج معالجہ کی سہولت ہے؟ □ ہاں □ نہیں

44:۔کیا کبھی عورتوں کو جنسی طور پر ہراساں کرنے کا واقعہ ہوا ہے؟ □ ہاں □ نہیں

45:۔اگر ہوا ہے تو اسکی رپورٹ ہوئی ہے؟ □ ہاں □ نہیں

46:۔کیا 5% پرافٹ تقسیم ہوتا ہے؟ □ ہاں □ نہیں

47:۔میرج گرانٹ اور ڈیتھ گرانٹ ملتی ہے؟ □ ہاں □ نہیں

48:۔کون سے مزدور میرج گرانٹ اور ڈیتھ گرانٹ کے حق دار ٹھہرائے جاتے ہیں؟----------

49:۔مزدوروں کے بچوں کو ورکرز ویلفیئر سکول میں داخلہ ملتا ہے؟ □ ہاں □ نہیں

50:۔اگر کوئی ورکر فوت ہو جائے تو گروپ انشورنس ملتی ہے؟ □ ہاں □ نہیں

51:۔فیکٹری میں صحت وسلامتی کے آلات موجود ہیں؟ □ ہاں □ نہیں

52:۔فیکٹری میں کبھی شدید حادثہ ہوا ہے؟ □ ہاں □ نہیں

53:۔زخمیوں کو معاوضہ ادا کیا جاتا ہے؟ □ ہاں □ نہیں

54:۔کیا ادارہ میں کبھی لیبر انسپکشن ہوئی ہے؟ □ ہاں □ نہیں

55:۔اگر ہوئی ہے تو ورکرز سے بھی سوالات کئے گئے ہیں؟ □ ہاں □ نہیں

56:۔کیا کبھی انٹرنیشنل آڈٹ ہوا ہے؟ □ ہاں □ نہیں

57:۔ضلع بھر میں دسمبر 2015 تک رجسٹرڈ کارخانوں کی تعداد--------------------

58:۔ضلع بھر میں دسمبر 2016 تک رجسٹرڈ کارخانوں کی تعداد--------------------

59:۔فیکٹری/ادارہ کے بارے میں کوئی خصوصی معلومات--------------------

حرفِ آخر

مملکت خداداد پاکستان کو جی ایس پی پلس کی سہولت سے استفادہ کرتے ہوئے 3 سال مکمل ہو چکے ہیں اور اس امر سے حکومت آجر اور ٹریڈ یونین بخوبی آگاہ ہیں کہ اس رعایت کو برقرار رکھنے کے لئے کونسی ذمہ داریاں پورا کرنی ضروری ہیں۔

جہاں تک مزدور تنظیموں اور پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کا تعلق ہے تو ہم دلی طور پر اس امر کے خواہاں ہیں کہ پاکستان کو ملنے والی جی ایس پی پلس کی یہ رعایت ہر صورت میں برقرار رہے، تاکہ اس سے ملک کو اقتصادی طور پر اور صنعت کو منافع کی شکل میں اس سے بدستور فائدہ اٹھانے کا موقع میسر رہے، لیکن مزدور تنظیموں کی یہ بھی بنیادی اور اہم ذمہ داری ہے کہ وہ مزدوروں کو درپیش بنیادی اور سلگتے ہوئے مسائل کی نشاندہی کریں جن کو حل کئے بغیر کوئی بھی فریق اپنی بین الاقوامی ذمہ داریوں سے سرخرو نہیں ہو سکتا۔ ہم نے بارہا اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ مزدوروں کے اہم اور روز مرہ مسائل کے حل کے لئے سب سے اہم اور بنیادی عنصر مزدوروں کی ٹریڈ یونین ہی ہے، لیکن ہمیں افسوس ہے کہ ہماری حکومت اور تاجر آج بھی حقیقی نمائندہ ٹریڈ یونین کی تشکیل اور رجسٹریشن میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں اور آجر حضرات صحیح نمائندہ یونین کو برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

اس امر کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ملک بھر میں اور صوبائی سطح پر کتنے صنعتی اور تجارتی ادارے رجسٹرڈ ہیں اور ان میں کتنے اداروں میں ٹریڈ یونینز موجود ہیں اور پھر جعلی اور پاکٹ یونینز کو بھی شمار کر لیا جائے تو بھی رجسٹرڈ اداروں اور رجسٹرڈ یونینز کا تناسب کیا ہے۔ جہاں تک محکمہ محنت کی استعداد کار اور لیبر قوانین پر موثر عملدرآمد کی کاوشوں کا تعلق تو یہ امر سب پر واضح ہے کہ موجودہ کم افرادی قوت اور کم وسائل کے ہوتے ہوئے موثر لیبر انسپکشن ممکن نہیں ہے اور یہ حکومتی سطح پر پالیسی کا سوال ہے کہ حکومت محکمہ محنت کو کس قدر مضبوط اور موثر دیکھنا چاہتی ہے آج بھی جو اہم مسائل درپیش ہیں۔ ان پر غور کرنا اور ان کا تدارک بنیادی طور پر حکومت اور آجروں کی ذمہ داری ہے کچھ اہم مسائل کا ہم ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ ملک بھر میں کل افرادی قوت کتنی ہے ان میں کتنے لوگ باروزگار ہیں اور ان میں کتنے مزدوروں کو سوشل سکیورٹی اور ای او بی آئی میں رجسٹرڈ کیا گیا ہے۔ کیا حکومت کی طرف سے اعلان کردہ کم از کم اجرت تمام مزدوروں کو مل رہی ہے اور اگر نہیں مل رہی تو نادہندگان کے خلاف کیا کاروائی ہوئی ہے۔ مزدوروں کے حالات کار اور اوقات کار کیا ہیں اور بغیر اوورٹائم بارہ بارہ گھنٹے کی ڈیوٹی کیوں لی جارہی ہے۔ ملک بھر میں بچوں کی مزدوری، گروی مزدوری اور جبری مشقت کی کیا صورتحال ہے اور اس کی مکمل بیخ کنی کے لئے کتنی سنجیدہ کوششیں بروئے کار لائی گئی ہیں۔ بہت سے اداروں اور بالخصوص ایکسپورٹ پراسسنگ زونز کو لیبر قوانین پر عملدرآمد کی صورت میں فیکٹریوں اور اداروں کو نقصان ہوتا ہے یا ان کی برامد کرنے کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے خواتین کارکنوں کی تنخواہوں اور امرات میں صنفی امتیاز کیوں موجود ہے اور اس کو کس طرح ختم کیا جا سکتا ہے۔ بہت بڑے غیر رسمی شعبہ کو کب تک اور کیونکر لمبے عرصے کے لیے لیبر قوانین کے اطلاق سے محروم رکھا جا سکتا ہے۔ وسیع تر زرعی شعبہ، گھریلو ملازمین، گھروں میں رہ کر کام کرنے والے ملازمین اور دیگر بے شمار ایسے شعبوں سے مزدور لیبر قوانین سے استفادہ کر سکیں گے، جبکہ ان شعبوں میں خواتین ورکرز کی بھاری تعداد موجود ہے۔ کوئی چاہے یا نہ چاہے یہ تمام تر مسائل بار بار سر اٹھاتے رہیں گے اور ان سے متعلقہ مزدور کسی نہ کسی شکل میں اپنا احتجاج اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے رہیں گے۔

یہ سمجھ لینا قطعی خود فریبی اور خوش فہمی ہوگی کہ ان مسائل کو لمبے عرصہ تک متعلقہ فراقین یا عالمی برادری کی نظروں سے اوجھل رکھا جا سکتا ہے۔ آج کئی ایسے ذرائع موجود ہیں جن سے زمینی حقاق تک پہنچنا اور صحیح صورتحال سے آگاہ ہونا کوئی دشوار نہیں ہے۔ ان 3 سالوں میں مزدوروں کے حوالے سے 8 بنیادی لیبر معیارات پر عملدرآمد کے لئے کس قدر سنجیدہ کوششیں کی گئی ہیں اور ان کے کیا نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ اس امر کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے ایک وسیع تر سہ فریقی فورم کا انعقاد یعنی مرکزی اور صوبائی سطح پر سہ فریقی لیبر کانفرنسیں ایک بہتر فورم بن سکتی ہیں جہاں پر تمام متعلقہ فریق اپنا اپنا نقطہ نظر اور اس سلسلہ میں ہونے والی پیش رفت سے تمام شرکا کو آگاہ کر سکیں اور اس ضمن میں جو دشواریاں، کمیاں اور خامیاں موجود ہیں۔ ان کو سامنے لا کر ان کے حل کے لئے ایک موثر پروگرام حکمت عملی اور طریقہ کار وضع کیا جا سکے۔ گزشتہ تین سالوں میں ملکی برآمد کنندگان نے جی ایس پی پلس کی تجارتی رعایت سے بھرپور فائدہ اٹھایا لیکن ان فوائد میں مزدوروں کو جائز حصہ دینے کے تیار نظر نہیں آتے لہذا ہماری نظر میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مالکان اور حکومت جی ایس پی پلس کی شرائط پر عمل درآمد نہیں کرنا چاہتے تو پھر رعایتوں سے کیوں فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

حوالہ جات

- 2010ء میں اٹھارویں ترمیم کے بعد لیبر قوانین میں صوبہ پنجاب، صوبہ خیبر پختونخواہ، صوبہ سندھ اور صوبہ بلوچستان کی حکومتوں نے جو قوانین بذریعہ صوبائی اسمبلیز اور بذریعہ ایکٹس بنائے، صوبائی انڈسٹریل ریلیشن ایکٹس اور صوبائی اور حکومتوں کی مختلف دستاویزات سے یہ مواد حاصل کیا گیا۔
- روزنامہ ڈان کراچی 27 جنوری 2016
- روزنامہ دی نیوز لاہور 2 نومبر 2016
- ایکسپورٹ پراسنگ زونز اتھارٹی کی ویب سائٹ www.epza.gov.pk
- اکنامک سروے آف پاکستان 2015,2016
- آئی ایل او ایکسپرٹ کمیٹی کی رپورٹ (CEACR) 2016
- محکمہ محنت پنجاب کا 2014,2015,2016 کا دستیاب دستاویزی ریکارڈ
- ای او بی آئی، پنجاب کا 2014,2015,2016 کا دستیاب دستاویزی ریکارڈ
- سوشل سیکورٹی ڈیپارٹمنٹ پنجاب 2014,2015,2016 کا دستیاب دستاویزی ریکارڈ
- جی ایس پی پلس سکیم اور پاکستان میں میارات محنت پر عمل درآمد کے چیلنجز پر پاکستان ورکرز کنفیڈریشن 2015 کی رپورٹ۔
- لیبر فورس سروے 2014,2015
- یورپی کمیشن کی جی ایس پی رپورٹ برائے 2014-2015 بمعہ جوائنٹ اسٹاف ورکنگ ڈاکومنٹ

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن

بدلتی ہوئی عالمی اور ملکی صورت حال کے تناظر میں جبکہ سرمایہ دارانہ استحصالی نظام کی گرفت زیادہ مضبوط ہونے کی وجہ سے نیو ورلڈ آرڈر نے مزدوروں کے مسائل اور مشکلات میں زیادہ اضافہ کیا تو ملک کی تمام اہم چھ مزدور فیڈ ریشنوں جن میں متحدہ لیبر فیڈ ریشن، پاکستان ٹریڈ یونین فیڈ ریشن، آل پاکستان ٹریڈ یونین فیڈ ریشن، آل پاکستان ٹریڈ یونین آرگنائزیشن، آل پاکستان فیڈ ریشن آف ٹریڈ یونین اور وفاقی تنظیم برائے بنکس و مالیاتی ادارہ جات شامل ہیں نے اپنے تمام اختلافات اور نظریاتی کشمکش کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی تمام تر توجہ منظّم مزدوروں کو ایک مشترکہ مضبوط پلیٹ فارم پر مجتمع کرتے ہوئے موجود تقاضوں اور چیلنجز کا سامنے کرنے کے لئے مورخہ 18 مارچ 1995ء میں لاہور میں مندوبین کے ایک بڑے اجلاس میں پاکستان ورکرز کنفیڈ ریشن کی بنیاد رکھی جس کے بانی صدر جنرل سیکرٹری اور چیئر مین بالترتیب گل رحمٰن، خورشید احمد اور مرحوم ایس پی لودھی تھے۔ پاکستان ورکرز کنفیڈ ریشن کے اغراض ومقاصد درج ذیل طے ہوئے۔

پاکستان بھر میں محنت کشوں کی ٹریڈ یونینز میں تنظیم، مزدوروں کی تنظیمی قوت کو قومی سطح پر موثر بنایا اور منوانا، مزدوروں کے ساتھ ساتھ کسانوں، دانشوروں، خواتین، نوجوانوں اور دیگر مظلوم طبقات کے سماجی، سیاسی ومعاشی حقوق کے لئے جدوجہد، کم از کم اجرتیں مہنگائی کے تناسب سے، بہتر حالات کار وشرائط کار، تنظیم سازی اور اجتماعی سودا کاری کی رکاوٹوں کا خاتمہ، محنت کی عظمت اور وقار کو تسلیم کروانا، مزدوروں کے معاشی، سماجی اور سیاسی و بنیادی حقوق کے تحفظ، آئی ایل او کے کنونشنز کے اطلاق، مزدوروں کے سماجی تحفظات (سوشل سیفٹی نیٹ) گروپ انشورنس، گریجوایٹی، پنشن، رہائش ٹرانسپورٹ ان کے بچوں کے لئے تعلیم، صحت اور دیگر متعلقہ امور بارے جدوجہد، مزدوروں کے لئے فنی تعلیم و تربیت کا بندوبست، صنعتی علاقوں اور مزدوروں بستیوں میں معقول رہائش، صحت مند ماحول کی فراہمی اور پیشہ ورانہ بیماریوں سے تحفظ کی جدوجہد، ٹھیکیداری، ورک چارج، نام نہاد عارضی، وقتی کنٹریکٹ کی مختلف شکلوں اور طریق ملازمت کے ذریعے مزدوروں کے استحصال کے خلاف جدوجہد، ملک کی ترقی وخوشحالی کے حصول، ظالمانہ معاشرتی اور اقتصادی نظام سے آزادی اور سماجی انصاف پر مبنی استحصال سے پاک معاشرہ کے قیام کے لئے جدوجہد، بچوں اور خواتین کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک، جبری مشقت اور بیگار کے خاتمہ کی جدوجہد، پالیسی ساز اداروں میں محنت کشوں کی آبادی کے تناسب سے نمائندگی کے لئے جدوجہد، سرکاری شعبے کے تمام حساس صنعتی، تجارتی اور خدمات کے اداروں کی نجکاری کے خلاف اقدامات، سرکاری شعبے کے صنعتی، تجارتی اور قومی خدمات کے اداروں کی بہتر کارکردگی کے لئے بدعنوان عناصر کے محاسبے کے لئے جدوجہد اور عمومی طور پر وہ تمام اقدامات کرنا جو محنت کشوں اور ان کی تنظیموں کی فلاح و بہبود کے لئے ضروری ہوں۔

پاکستان ورکرز کنفیڈ ریشن ٹریڈ یونین تحریک کا ایک اہم سنگ میل ہے جس نے عملاً اس امر کا اظہار کیا کہ مزدور طبقے کو درپیش مشترکہ مسائل اور چیلنجز سے نبٹنے کے لئے مزدور تنظیموں میں یہ وصف اور بالغ نظری موجود ہے کہ وہ اپنے تنظیمی اور نظریاتی اختلافات کو پس پشت ڈال کر مزدور طبقے کے وسیع تر مفاد کے لئے کم از کم پروگرام پر متفقہ پلیٹ فارم پر جدوجہد کے لئے تیار اور کوشاں ہو سکتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ پاکستان کی مجموعی ٹریڈ یونین تحریک کی صورت حال اس قدر مضبوط نہیں ہے کہ جو فیصلہ کن نتائج کے حصول کی پوزیشن میں ہو، کیونکہ منظّم مزدور طبقہ کی تعداد 5 فیصد سے بھی کم ہے اور پھر نیو ورلڈ آرڈر، نجکاری، رائٹ سائزنگ، ڈاؤن سائزنگ، ڈیلی ویجیز، ٹھیکیداری اور دیگر مزدور دشمن اقدامات کی وجہ سے ٹریڈ یونین تحریک اپنی بقاء کی جدوجہد کے دور سے گزر رہی ہے۔ اس کے باوجود پاکستان ورکرز کنفیڈ ریشن نے اپنے قیام سے لے کر آج تک ملکی اور عالمی سطح پر مختلف فورمز اور سیمینارز میں رسمی اور غیر رسمی شعبوں کے مزدوروں کی بھرپور ترجمانی کی ہے۔ کنفیڈ ریشن نے مختلف ادوار اور اوقات میں مشترکہ جلسوں، ریلیز کے ذریعے محنت کشوں کے مسائل، مطالبات اور مشکلات کو ہمیشہ اجاگر کیا ہے۔

اگرچہ کنفیڈ ریشن کی بنیاد چھ ملک گیر تنظیموں نے رکھی تھی، لیکن اب اس میں دیگر بہت سی ملک گیر اور صوبائی سطح پر منظّم تنظیموں نے بھی شمولیت اختیار کر کے اس اتحاد کو مزید مضبوط کر دیا ہے۔ اس وقت مرکزی اور صوبائی سطح کی اہم فیڈ ریشنز کنفیڈ ریشن کا حصہ ہیں۔ اس وقت مرکزی سطح پر صدر ظہور اعوان، جنرل سیکرٹری نور محمد، چیئر مین عزیز عباسی اور چیف آرگنائزر محمد یعقوب ہیں جبکہ چاروں صوبوں میں صوبائی ڈھانچے بھی منظّم اور فعال ہیں۔

پاکستان اور یورپی یونین کے مابین جی ایس پی پلس (GSP Plus) کا معاہدہ جنوری 2014 سے لاگو ہے جس کے تحت پاکستانی برآمدی اشیاء کی یورپی یونین کی منڈیوں میں دس سال کے لئے ترجیحاتی بنیادوں پر کھپت ہوگی۔اس معاہدہ سے نہ صرف پاکستان کے برآمدی سیکٹر کی ترقی کے لئے بہتر مواقع کی راہیں کھل گئی ہیں بلکہ اُس کے ساتھ ساتھ پاکستانی معیشت کے اندرونی چیلنج کو احسن طریقے سے منظّم کرنے کی بھی صورت نکل آئی ہے۔اِس معاہدے کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ تجارت میں اضافہ ہونے سے جو فائدے ہوں گے ان سے پاکستان میں گورنس میں بہتری لانے اور پائیدار ترقی کرنے میں مدد ملے گی۔ یہ ترجیحاتی سہولت 27 بین الاقوامی انسانی حقوق، محنت اور ماحولیاتی کنونشن پر عمل درآمد سے مشروط ہے۔تا کہ جی ایس پی پلس سے ہونے والے فوائد کو جاری رکھا جائے۔مزید براں اس سے بین الاقوامی ادارہِ محنت کے تحت آٹھ بنیادی محنت کے معیارات (Standards) پر مئوثر طور پر عمل درآمد ہوگا۔جس پر بہتر طور عمل کرنے سے ملک میں محنت سے متعلق نظم ونسق کو مثبت طور پر تقویت حاصل ہوگی۔اور ایسا کرنے سے ایک طویل مدت کے لئے پاکستان میں چھ کروڑ سے زیادہ مزدوروں کو فائدہ ہوگا۔

عالمی ادارہِ محنت کے معیارات سہ فریقی مشاورت کا نتیجہ ہیں ان پر عمل درآمد کے لئے سب فریقوں کی فعال شراکت کی ازحد ضرورت ہے۔ پاکستان ورکرز کنفیڈریشن نے GSP Plus کی شرائط کے نفاذ اور نگرانی کے عمل میں موثر شراکت کا فیصلہ کیا ہے۔اور محنت کے معیارات میں بہتری لانے کے لئے تجاویز پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔فریڈرک ایبرٹ اسٹیفٹنگ ایک جرمن فاؤنڈیشن ہونے کے حوالے سے سماجی جمہوریت کی اقدار کے فروغ کا عزم رکھتی ہے۔اور تمام دنیا میں مختلف النوع موضوعات پر مکالمے کے لئے پلیٹ فارم مہیا کرتی ہے۔

FES اس پر یقین کرتی ہے کہ جمہوری حکمرانی کا سماجی عدل سے متعلق تمام سوالات پر توجہ دینا بہت اہم ہے اس لئے ٹریڈ یونینز اس بات میں اہم فریق ہیں کہ مطلوبہ سماجی بہبود سے وابستہ ترقی کو یقینی بنائیں FES سنجیدگی سے اس بات کی امید رکھتی ہے کہ اس رپورٹ میں آگے بڑھنے کے لئے جو تجزیئے اور تجاویز پیش کئے گئے ہیں ان سے مختلف مراحل پر ترقی کے لئے اقدامات سے متعلق مکالمے سے GSP Plus کے اہداف کو پورے کرنے میں مدد ملے گی۔

رولف پاش
ریزیڈنٹ ڈائریکٹر
فریڈریک ایبرٹ اسٹیفٹنگ، پاکستان

عبدالقادر
پروگرام کوآرڈینیٹر اینڈ ایڈوائیزر

Imprint:
Friedrich-Ebert-Stiftung
Pakistan
1st Floor, 66-W, Junaid Plaza, Jinnah Avenue, Blue Area, Islamabad, Pakistan.

Phone: +92 51 2803391-4
Fax: +92 51 2803395
Email: info@fes-pakistan.org
www.fes-pakistan.org

Disclaimer:
The views expressed in this publication are not necessarily those of the Friedrich-Ebert-Stiftung.

Commercial use of all media published by the Friedrich-Ebert-Stiftung (FES) is not permitted without the written consent of the FES.

EFQM
Committed to excellence

FRIEDRICH
EBERT
STIFTUNG

جی ایس پی پلس اسکیم

اور

پاکستان میں معیاراتِ محنت پر عملدرآمد کے چیلنجز

عبوری رپورٹ برائے سال 2016ء

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن

فہرست

صفحہ نمبر

پیش لفظ: پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی عبوری رپورٹ 2016ء رپورٹ برائے جی ایس پی پلس اور پاکستان میں معیارات محنت کی صورتحال i

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی گزشتہ رپورٹ (2014-2015) کا سرسری جائزہ 01

جی ایس پی پلس کے اطلاق کے بعد یورپی کمیشن کی طرف سے پاکستان کے بارے میں جاری کردہ پہلی رپورٹ کے اہم نکات 04

تنظیم سازی اور اجتماعی سوداکاری (کنونشنز 87 اور 98) 04

جبری مشقت (کنونشنز 29 اور 105) 05

بچوں کی مشقت کی بدترین شکلیں اور کام کرنے کی کم از کم عمر (کنونشنز 138 اور 182) 05

امتیازی سلوک کا خاتمہ (کنونشنز نمبر 180 اور 111) 05

آئی ایل او کی ایکسپرٹ کمیٹی (Committee of Experts on the Application of Conventions and Recommendations) کی طرف سے حکومت پاکستان سے مطلوب وضاحتیں اور معلومات 07

لیبر انسپکشن کنونشن نمبر 81 07

مساوی کام کے مساوی معاوضہ کا کنونشن نمبر 100 07

ملازمتوں اور پیشوں میں امتیازی سلوک کا کنونشن نمبر 111 07

باب 1: صوبائی آئینی منتقلی اور شعبہ محنت کے معاملات 09

پنجاب 09

خیبر پختونخواہ 10

بلوچستان 11

سندھ 12

مرکزی اور صوبائی قوانین برائے صنعتی تعلقات (Industrial Relations Acts) 12

سہ فریقی موثر مشاورات کے بغیر قانون سازی 15

محکمہ محنت کی استعدادِ کار 16

لیبر انسپکشن (Labour Inspection) کی کارکردگی 17

ایکسپورٹ پراسسنگ زونز (Export Processing Zones) 19

صفحہ نمبر

کم از کم اجرت کے تعین کے لئے نظام (Minimum Wage Board) اور ان کی کارکردگی 20

ای او بی آئی (EOBI) میں کارکنان کے اندراج کی صورتحال 24

سوشل سکیورٹی (Social Security) 26

جی ایس پی پلس کے بعد لیبر جوڈیشری (Labour Judiciary) کی صورتحال 27

نجکاری اور ٹریڈ یونین تحریک پر اثرات 27

افرادی قوت کی برآمد 32

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن اور یورپی کمیشن کی سابقہ رپورٹس کے بعد کی صورتحال 35

باب نمبر 2: پنجاب کے تین اضلاع میں معیارات محنت پر عملدرآمد کی صورتحال 36

پنجاب کے تین اہم اضلاع، لاہور، فیصل آباد اور سیالکوٹ میں سال 2015ء اور 2016ء میں لیبر انسپکشن کی صورتحال 37

پنجاب سوشل سکیورٹی 38

ضلع لاہور، فیصل آباد اور سیالکوٹ میں معیار محنت جانچنے کیلیئے ایک فوری سروے کے نتائج 41

حرفِ آخر 46

حوالہ جات 47

ضمیمہ 1: سروے کا طریقہ کار و دورانیہ 48

ضمیمہ 2: سروے فارم برائے معلومات ایکسپورٹ انڈسٹری 49

جدول کی فہرست

صفحہ نمبر

جدول1.1: صوبہ پنجاب میں نافذ کردہ قوانین محنت 09

جدول1.2: صوبہ خیبر پختونخواہ میں نافذ کردہ قوانین محنت 10

جدول1.3: صوبہ بلوچستان میں مجوزہ قوانین محنت 11

جدول1.4: صوبہ سندھ میں نافذ کردہ قوانین محنت 12

جدول1.5: چاروں صوبائی اور وفاقی صنعتی تعلقات ایکٹس میں بعض اہم شقوں کا تقابلی جائزہ 13

جدول1.6: ایکسپورٹ پراسسنگ زونز کے بارے میں اہم اعداد وشمار 20

جدول1.7: سرکاری اعلان کردہ غیر ہنرمند کارکنوں کی کم از کم اجرتوں کا رجحان ظاہری (Nominal) اور حقیقی (Real) اجرتوں کا موازنہ 21

جدول1.8: مختلف شعبوں میں ادا کردہ اوسط اجرتیں اور ان اجرتوں میں صنفی امتیاز کا تناسب 22

جدول1.9: پانچ ممبران پر مشتمل (میاں بیوی، 3 بچے) ایک محنت کش خاندان کی ماہانہ بنیادی مالی ضروریات کا خلاصہ 23

جدول1.10: پاکستان بھر میں EOBI کے حوالے سے اعداد وشمار 24

جدول1.11: 2011ء سے 2015ء تک بیرون ممالک جانے والے پاکستانیوں کی تعداد 32

جدول1.12: بیرون ممالک جانے والے کارکنان کی تعداد بالحاظ اہلیت 32

جدول1.13: بیرون ملک جانے والے کارکنوں کی صوبہ وار تقسیم 33

جدول2.1: فیکٹریز کی انسپکشن کی رپورٹ 37

جدول2.2: ضلع لاہور میں ای او بی آئی میں مزدوروں کی رجسٹریشن اور پنشنز کی صورتحال 38

جدول2.3: فیصل آباد ریجن کی ای او بی آئی میں رجسٹریشن اور پنشنز کی صورت حال 38

جدول2.4: ضلع سیالکوٹ میں ای او بی آئی کی رجسٹریشن اور پنشنز کی صورتحال 38

جدول2.5: صوبہ پنجاب میں سوشل سیکورٹی کے اعداد وشمار 39

جدول2.6: برآمدی منصوعات تیار کرنے والے اداروں اور فیکٹریوں میں ملازم مرد اور خواتین کارکنوں کی تعداد اور ای او بی آئی اور سوشل سیکورٹی میں رجسٹرڈ کارکن (سروے کے نتائج) 41

ٹیکسٹ باکس کی فہرست

صفحہ نمبر

باکس 1.1: صوبہ پنجاب میں بچوں کی مزدوری اور بچوں کی جبری مشقت کے قوانین 10
باکس 1.2: تیسری یونین کی رجسٹریشن کی شرائط کے ذریعے حقیقی نمائندہ یونین کی رجسٹریشن کیلئے مشکلات 15
باکس 1.3: گڈانی شپ بریکنگ یارڈ (Gaddani Ship Breaking Yard) میں خوفناک حادثہ 19
باکس 1.4: پی آئی اے کے ملازمین پر نجکاری کے اثرات 29
پی ٹی سی ایل کی نجکاری اور مزدوروں پر اثرات 29
سکول ٹیچرز کی نجکاری کے خلاف جدوجہد 30
لیڈی ہیلتھ ورکرز (Lady Health Workers) کی جدوجہد 30
نرسوں کی جدوجہد 31
ٹیوٹا (Tevta) ملازمین کی عارضی مزدوروں کو مستقل کروانے کی جدوجہد 31
پنجاب پارکس اینڈ ہارٹیکلچر اتھارٹی کے مزدوروں کی جدوجہد 31
باکس 1.5: مائیگرنٹ ورکرز (Migrant Workers) کے حقوق 34
باکس 2.1: پنجاب حکومت کے کچھ اہم پروجیکٹس (Projects) 39

گراف کی فہرست

گراف 1: سروے کردہ اداروں میں اندرون فیکٹری اور بیرون فیکٹری تیار کردہ مصنوعات (پیداوار) کی صورت حال 42
گراف 2: سروے کردہ اداروں میں کم از کم اجرت اور سماجی مراعات کے حصول کی صورت حال اداروں کی فیصد تعداد جو مراعات حاصل کر رہے ہیں 42
گراف 3: فیکٹریوں میں ٹریڈ یونینز کی صورت حال فیصد تعداد جن اداروں میں ہاں میں جواب دیا گیا۔ 43
گراف 4: خواتین کارکنوں کے حالات کار اور صنفی امتیازات اداروں کی فیصد اور تعداد جن میں کارکنوں کا جواب ہاں میں تھا۔ 43
گراف 5: اداروں میں لیبر انسپکشن کی صورت حال اداروں کی فیصد تعداد جن میں کارکنوں نے ہاں میں جواب دیا۔ 44

پیش لفظ: پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی عبوری رپورٹ 2016ء
رپورٹ برائے جی ایس پی پلس اور پاکستان میں معیارات محنت کی صورتحال

جی ایس پی پلس اوراس کے ساتھ مشروط 27 عالمی کنوینشنز پر عملدرآمد کے حوالے سے یورپی کمیشن کی معائنہ رپورٹ 2015ء سے ہر دو سال بعد جاری ہوا کرے گی۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان ورکرز کنفیڈریشن (PWC) نے بھی اپنی پہلی رپورٹ دو سال کی مدت پوری ہونے پر تحریر اور جاری کی تھی۔ البتہ سال 2016ء میں یہ طے پایا کہ جی ایس پی پلس کی رعایت کے تیسرے سال کے حوالے سے بھی ایک مختصر عبوری رپورٹ جاری کی جائے۔ جس میں سابقہ جاری کردہ رپورٹ کے اثرات کا جائزہ لیا جائے اور یورپی کمیشن کی جانب سے یورپی یونین کے لئے تیار اور پیش کردہ رپورٹ جس میں پاکستان کے بارے میں کل 27 کنونشنز پر عملدرآمد اور بالخصوص آئی ایل او کے آٹھ بنیادی لیبر معیارات پر عملدرآمد کے سلسلہ میں جو بحث کی گئی ہے اور جو نتائج نکالے گئے ہیں اس کا سرسری جائزہ لیا جائے اور اس کے اہم نکات کو رپورٹ کا حصہ بنایا جائے، تاکہ تمام متعلقہ فریقین، ٹریڈ یونینز، فیڈریشنز اور دیگر وہ حلقے جو ان امور سے دلچسپی رکھتے ہوں اس کے مندرجات سے آگاہ ہو سکیں اور اس امر کا اندازہ ہو سکے یورپی کمیشن جی ایس پی پلس کی شرائط پر عملدرآمد کے حوالے سے کس قدر سنجیدگی کے ساتھ نگرانی کا عمل جاری رکھے ہوئے ہے اور وہ کن معلومات پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی رپورٹ مرتب کرتا ہے۔

جہاں تک پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی سابقہ رپورٹ کے اثرات کا تعلق ہے تو اس رپورٹ کے مندرجات کو جی ایس پی پلس سے دلچسپی رکھنے والے تمام حلقوں میں پذیرائی ملی اور اس کاوش کو سراہا گیا اور اس رپورٹ میں مزدوروں، ٹریڈ یونینز اور فیڈریشنز کے لئے کافی ایسا معلوماتی مواد موجود تھا۔ جس سے ان کے شعور اور آگہی میں اضافہ ہوا اور وہ اس سے بہتر استفادہ کرتے ہوئے جی ایس پی پلس کے حوالے سے مزدوروں کو بہتر مراعات دلوانے ان کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرنے اور ان کو ریلیف دلوانے کی کوششوں میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

توقع تھی کہ جی ایس پی پلس کے حوالے سے رواں مالی سال میں پاکستان کی یورپی ممالک کو برآمدات سابقہ سال سے زیادہ ہونا چاہئیں تھیں اور ان سے ملک کو زیادہ زرمبادلہ کمانے کا موقع میسر تھا، لیکن بہت سی وجوہات کی بنا پر سال 16-2015ء میں صرف 20.802 بلین ڈالر مالیت کی برآمدات ہو سکیں، جبکہ گزشتہ مالی سال 15-2014ء میں ان کی مالیت 23,667 بلین ڈالر تھی اسی طرح ان کی مالیت میں 12 فیصد کمی واقع ہوئی، اگرچہ یہ عین ممکن ہے کہ بعض مصنوعات کی برآمدات پہلے سے کچھ بڑھی ہوں، لیکن مجموعی صورتحال کچھ زیادہ حوصلہ افزا نہیں رہی اور حکومت اور متعلقہ حلقوں کو اس بارے میں سنجیدگی سے غور کرنے اور ان وجوہات کو ترجیحی بنیادوں پر دور کرنے کی ضرورت ہے جو برآمدات میں کمی کا سبب بنیں۔

اس عرصہ میں حکومت پنجاب کی جانب سے بچوں کی مشقت اور جبری مشقت کے حوالے سے حساسیت میں اضافہ ہوا اور اس کے خاتمے کے لئے ٹھوس منصوبہ بندی اور عملی کام کیا گیا ہے۔ جو کہ یقیناً ایک مثبت قدم اور قابل ستائش ہے۔

اس رپورٹ کی ترتیب اس طرح سے ہے کہ اس کے ابتدائی حصے میں پاکستان ورکرز کنفیڈریشن (PWC) اور یورپی کمیشن کی گزشتہ رپورٹ کا مختصراً جائزہ لیا گیا ہے۔ حصہ دوم میں قوانین محنت کے حوالے سے قومی اور صوبائی سطح پر قانونی معاملات پر حکومتی پیش رفت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ساتھ ہی انتظامی معاملات میں خصوصاً وفاقی اور صوبائی محکمہ محنت کی استعداد کارکردگی اور لیبر انسپکشن کی صورتحال کو موضوع بنایا گیا ہے۔ چند کیس اسٹڈیز کے ذریعے چیدہ چیدہ شعبوں میں مزدور کے حالات کار اور مزدور مفادات کے مخالف پالیسی کا خصوصی تجزیہ کیا گیا ہے۔ حصہ سوم میں ایک سروے کی مدد سے پنجاب کے برآمداتی شعبے کے حوالے سے تین شہروں فیصل آباد، لاہور اور سیالکوٹ میں مزدوروں کے بنیادی حق تنظیم سازی اور اجتماعی سودا کاری پر زیادہ توجہ دی گئی ہے ساتھ ہی سوشل سیکیورٹی اور ای او بی آئی میں مزدوروں کی رجسٹریشن اور لیبر انسپکشن کے معاملات کو سامنے لایا گیا ہے۔ سرکاری اداروں کی نجکاری اور اس کے مزدوروں اور ٹریڈ یونینز پر اثرات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ تاکہ یکطرفہ طور پر کی جانے والی نجکاری کے مضمرات سے آگاہی ہو سکے اور مزدوروں کے موقف کو بھی وزن دیا جائے۔

وقت اور وسائل کی کمی کے باعث دوسرے صوبوں کا اس رپورٹ میں تفصیلی احاطہ ممکن نہ ہوسکا۔ یہ رپورٹ نسبتاً مختصر ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اگلی دو سالہ رپورٹ زیادہ مفصل اور پاکستان بھر کے تمام مزدوروں کو درپیش مسائل اور مشکلات اور ٹریڈ یونینز تحریک کی صورتحال اور جی ایس پی پلس کے حوالے سے آٹھ بنیادی لیبر معیارات پر عملدرآمد اور اس کے مزدوروں پر اثرات کا بھرپور احاطہ کرے گی۔

اس رپورٹ کی تیاری اور اشاعت کے سلسلہ میں فریڈرک ایبرٹ اسٹفٹنگ (Friedrich Ebert Stiftung) کے پاکستان آفس کا پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کو بھرپور عملی تعاون میسر رہا ہے۔ خصوصی طور پر ایف ای ایس (FES) کے پروگرام کوآرڈینیٹر اور ایڈوائزر جناب عبدالقادر کی تکنیکی مہارت شامل رہی ان کے عملی تعاون اور معاونت کے بغیر اس اہم کام کا پایہ تکمیل تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ رپورٹ کے مصنف محمد یعقوب ہیں اور شوکت علی چودھری ان کے معاون لکھاری ہیں۔ چودھری نسیم اقبال، ملک مختار اعوان اور سعد محمد نے ان کے ساتھ معاونت کرتے ہوئے رپورٹ کو حتمی شکل دی ہے۔

محمد ظہور اعوان

صدر، پاکستان ورکرز کنفیڈریشن

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی گزشتہ رپورٹ (2014-2015) کا سرسری جائزہ

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن (Pakistan Workers Confedration) جو کے منظّم مزدوروں کی ایک وسیع اور نمائندہ تنظیم ہے جس میں صوبائی اور ملک گیر سطح کی 14 فیڈریشنز شامل ہیں کو بجا طور پر اس امر پر خوشی اور فخر ہے کہ کنفیڈریشن نے دسمبر 2015ء میں جی ایس پی پلس اور پاکستان کے مزدوروں کو درپیش مسائل اور مشکلات اور آئی ایل او کے آٹھ بنیادی لیبر معیارات پر عملدرآمد کی صورت حال کے حوالے سے ایک تفصیلی تحریری رپورٹ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر جاری کی اور یوں پاکستان کے منظّم و غیر منظّم تمام محنت کشوں کی ترجمانی کرنے کی کوشش کی۔

پاکستان کو یکم جنوری 2014ء سے 10 سال کے لئے جی ایس پی پلس کی رعایت کا حقدار قرار دیا گیا جس کی رو سے پاکستانی سرمایہ داروں کو یورپی یونین میں 6000 سے زائد اشیا بغیر کسی ڈیوٹی کے ایکسپورٹ کرنے کا حق حاصل ہو گیا اور دوسرے ممالک کے مقابلے میں ان کی مقابلاتی سکت بہتر ہونے کی بنا پر ان کے منافع میں اضافہ کا امکان بڑھا اور زیادہ زرمبادلہ کمانے کا بہتر موقع میسر آیا۔ رعایتی تجارت اور اس کا تسلسل ان 27 بین الاقوامی کنونشنز پر مؤثر عملدرآمد سے مشروط ہے، تاکہ جی ایس کے بنیادی مقاصد یعنی اچھی حکمرانی اور پائیدار ترقی کو ممکن بنایا جا سکے۔

لہٰذا حکومت پاکستان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ 27 بین الاقوامی کنونشنز پر مؤثر اور فوری عملدرآمد کو یقینی بنائے۔ ان میں سے اقوام متحدہ کے 7 انسانی حقوق کے کنونشنز ہیں۔ ماحولیات کے تحفظ کے 8 کنونشنز ہیں۔ بہتر حکمرانی و کرپشن کے خاتمے اور روک تھام کے 4 اور مزدوروں سے متعلقہ آئی ایل او کے 8 بنیادی لیبر کنونشنز شامل ہیں۔ پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی رپورٹ کو صرف آئی ایل او کے 8 بنیادی لیبر معیارات اور ان پر عملدرآمد کی صورت حال تک محدود رکھا گیا۔ یاد رہے کہ ان تمام 27 عالمی اور آئی ایل او کے کنونشنز کی حکومت پاکستان نے پہلے ہی توثیق کر رکھی ہے۔

کنفیڈریشن کی کمیٹی نے سب سے پہلے جی ایس پی پلس پر ایک معیاری کتابچہ شائع کر کے اس کو وسیع پیمانے پر تقسیم کیا تاکہ تمام یونینز فیڈریشنز اور دیگر متعلقہ حلقے جی ایس پی پلس کی رعایت اور اس کے ساتھ ریاست پاکستان کی ذمہ داریوں سے آگاہ ہو سکیں۔ ساتھ ایک معیاری سوالنامہ مرتب کر کے اہم صنعتی شہروں اور صنعتی علاقوں سے بذریعہ سروے زمینی حقائق تک پہنچنے کی کوشش کی۔

پاکستان کے مزدور طبقہ اور کنفیڈریشن کے لئے یہ امر باعث اطمینان ہے کہ ہماری گزشتہ سال جاری کردہ رپورٹ اور اس میں بیان کردہ حقائق کو تمام مزدور تنظیموں، سول سوسائٹی کی تنظیموں، حکومتی ایوانوں، صنعت کاروں، محکمہ محنت کے اہلکاروں اور دیگر دانشور حلقوں میں نہ صرف پڑھا گیا بلکہ اس کو وسیع پذیرائی ملی اور یوں متعلقہ فریقین کو بھی اس رپورٹ پر اپنی رائے کے اظہار پر مجبور ہونا پڑا۔ اگر ہم اس رپورٹ کے حوالے سے مختلف پہلوؤں پر غور کریں اور اس کی وجہ سے ہونے والے اثرات کا جائزہ لیں تو صورت حال کچھ یوں بنتی ہے۔

- ★ گزشتہ کئی عشروں پر مبنی عرصہ میں پاکستان کے مزدوروں اور ٹریڈ یونینز کی طرف سے یہ اپنی نوعیت کی اولین اور منفرد رپورٹ ہے۔ جس میں مزدوروں کو درپیش مسائل اور آئی ایل او کے 8 بنیادی معیارات پر عملدرآمد کی ناقص صورت حال کا بے لاگ تجزیہ کیا گیا ہے۔
- ★ اس رپورٹ نے یہ واضح کیا ہے کہ مزدور طبقہ ایک اہم فریق کی حیثیت سے تمام تر صورت حال سے بخوبی آگاہ ہے اور وہ حکومت اور آجروں کی بین الاقوامی ذمہ داریوں سے نابلد نہیں ہے کیونکہ ان ذمہ داریوں کو پوری کرنے کا براہ راست فائدہ مزدوروں کو ملتا ہے۔ اس لئے وہ حکومت اور آجروں کو اپنی ان بین الاقوامی ذمہ داریوں کا احساس دلاتا رہے گا۔
- ★ اس رپورٹ کی وجہ سے تمام متعلقہ فریقین اور بالخصوص مزدور تنظیموں کو جی ایس پی پلس اور آئی ایل او کے 8 بنیادی لیبر معیارات بارے بھرپور آگاہی ہوئی ہے اور وہ اپنے حقوق کے بارے میں پہلے سے زیادہ حساس ہوئے ہیں۔
- ★ کنفیڈریشن اور دیگر مزدور تنظیموں میں خود اعتمادی اور یہ احساس ابھرا ہے کہ وہ بھی بطور ایک فریق اپنا نقطہ نظر اہم ملکی اور بین الاقوامی اداروں تک پہنچا سکتے ہیں اور اس نقطہ نظر کی روشنی میں حکومت اور آجروں پر بین الاقوامی دباؤ بڑھ سکتا ہے۔ جس سے مزدوروں کے مسائل کے حل اور دادرسی کے امکانات بڑھ سکتے ہیں۔

- اس رپورٹ میں ان تمام بنیادی لیبر معیارات پر علیحدہ علیحدہ بحث کی گئی ہے اور ان پر عملدرآمد کی ناقص صورت حال اور آجروں اور حکومتی گٹھ جوڑ کی بے لاگ نشان دہی کی گئی ہے اور ان پر عملدرآمد کو کیسے یقینی بنایا جا سکتا ہے اس بارے میں ٹھوس تجاویز دی گئی ہیں۔

- تنظیم سازی اور اجتماعی سوداکاری کے حوالے سے مختلف رکاوٹوں اور آجروں کی طرف سے منفی حربوں اور ہتھکنڈوں کا ذکر کیا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ نئی تنظیمیں کیوں وجود میں نہیں آرہیں۔ نیز مزدوروں کے عمومی بنیادی اور لازمی حقوق جن میں ملازمتوں کا تقرری نامہ، ای او بی آئی اور سوشل سیکیورٹی میں رجسٹریشن، مستقل نوعیت کی ملازمتوں پر نام نہاد ٹھیکیداری نظام، عارضی و دہاڑی دار مزدوروں کی بھرتی اور ایسے ہی دیگر ہتھکنڈوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کی وجہ سے مزدوروں کو تنظیم سازی میں شدید مشکلات کا سامنا ہے اور مزدوروں کو مختلف خانوں میں بانٹ کر ان کی اجتماعی قوت کو منتشر کرنے کی منصوبہ بندی پر عملدرآمد ہو رہا ہے اور آجروں نے اپنی صوابدید کے مطابق ان کے درمیان اجرتوں اور مراعات کی تفریق پیدا کر رکھی ہے۔

- صنفی بنیادوں پر امتیازی رویوں اجرتوں اور مراعات میں تفاوت کا تفصیلی ذکر ہے۔ نیز اقلیتی مزدوروں کو بعض نچلے درجے کی ملازمتوں تک محدود رکھنے اور مختلف دیگر تعصّبات کی بنیاد پر امتیازی رویوں کی عکاسی کی گئی ہے۔

- بچوں کی مزدوری اور جبری مشقت کا تفصیلی ذکر موجود ہے اور ان کے منفی اثرات زیر بحث لائے گئے ہیں، جبکہ ان کے مکمل خاتمہ کے لئے ٹھوس تجاویز دی گئی ہیں۔

- تمام لیبر قوانین پر عملدرآمد کا بنیادی عنصر اور ذریعہ موثر لیبر انسپکشن ہے۔ لیبر انسپکشن پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ محکمہ لیبر کے ملازمین اور لیبر انسپکٹرز کی تعداد آج بھی وہی ہے جو 1972ء میں تھی، جبکہ صنعتی وتجارتی اور دیگر اداروں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے اور محکمہ کے اہلکاروں اور لیبر انسپکٹرز کے پاس بنیادی سہولتوں کا بندوبست بھی ناپید ہے جبکہ ان کی تعلیم وتربیت، لیبر انسپکشن کے لئے مطلوب جدید ساز وسامان اور طریقہ کار کی مکمل تربیت بھی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں حکومتوں کی سنجیدگی کا یہ عالم ہے کہ 10 سال تک لیبر انسپکشن پر پنجاب میں مکمل پابندی اور سندھ میں بھی غیر اعلانیہ پابندی رہی ہے جس سے صنعتکاروں کے حوصلے بڑھے ہیں اور انہوں نے من مانے طریقوں سے قوانین کو نظرانداز کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک میں پے در پے جان لیوا حادثات رونما ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ جس میں سینکڑوں مزدوروں کی جانیں ضائع ہوئی ہیں۔ بہتر لیبر انسپکشن کے لئے رپورٹ میں ٹھوس اور جاندار تجاویز دی گئی ہیں۔ جن میں ایک مرکزی اتھارٹی کے تحت لیبر انسپکشن کا علیحدہ اور خودمختار شعبہ جس میں اعلیٰ تعلیم یافتہ پیشہ ور اور بہتر تنخواہوں اور مراعات پر لیبر انسپکٹرز کی بھرتی اور ان کی باضابطہ تربیت اور ان کو اپنی صوابدید کی بنیاد پر کسی بھی لیبر انسپکشن کی مکمل آزادی اور تمام موجود صورتحال کی بلا روک ٹوک مکمل رپورٹنگ کا طریقہ کار تجویز کیا ہے۔

- گزشتہ کئی دہائیوں سے ملک میں غیر رسمی شعبے کے مزدوروں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ آج ان کی تعداد 73 فیصد کے قریب ہے ان مزدوروں کی تنظیم سازی ان پر لیبر قوانین کے اطلاق اور ان کو رسمی شعبے کے مزدوروں کی طرح سماجی تحفظ کی اسکیم میں لانے کے بارے میں تفصیلی تجاویز موجود ہیں اور ان مزدوروں کی تنظیم سازی کے لئے پیشہ ورانہ بنیاد پر شعبہ جاتی (Sector-Wise) اور عمومی (General) مزدور تنظیموں کی تشکیل کی قانون سازی پر زور دیا گیا ہے۔

- مزدوروں کے لئے نہایت ہی اہم سماجی تحفظ کے اداروں جن میں سوشل سکیورٹی، ای او بی آئی اور ورکرز ویلفیئر فنڈ کے ناقص انتظام، ان میں موجود خامیوں، ناقص منصوبہ بندی ان میں بے جا حکومتی صوابدیدی اختیارات اور اس کے نتیجے میں رشوت ستانی اور مزدوروں کے ان اہم ترین اداروں کی بھاری رقوم کا ذیاں زیر بحث لایا گیا ہے۔ ان اداروں کی تمام تر آمدن آجروں اور مزدوروں کی طرف سے ادا کردہ چندہ پر منحصر ہے، لیکن ان کی تمام تر ملکیت حکومت کے پاس ہے اور وہ مزدوروں اور آجروں کے نمائندے بھی اپنی مرضی سے منتخب کر کے کارروائی مکمل کرتی ہے جس سے ان اداروں سے مزدوروں کو بے شمار شکایات اور مشکلات ہیں ان میں بہتری لانے کے لئے تجاویز دی گئی ہیں۔

- لیبر عدلیہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے اور مزدوروں کے مقدمات کی طوالت اور انصاف کے حصول میں مشکلات اور رکاوٹوں کا ذکر ہے۔ نیز تجویز کیا گیا ہے کہ لیبر عدلیہ کو علیحدہ منظم کیا جائے اور ایسے حاضر سروس جج مقرر کئے جائیں جو لیبر قوانین اور بین الاقوامی سطح پر لیبر کنونشنز میں ہونے والی

تبدیلیوں اور رجحانات پر عبور رکھتے ہوں۔ نیز ورکر سے متعلقہ مقدمات ترجیحی بنیادوں پر کم از کم ممکنہ عرصہ میں نبٹائے جائیں۔

- مزدوروں کے بارے میں مختلف بڑی سیاسی پارٹیوں کے رویہ کے بارے میں ان کے مختلف الیکشنوں کے منشور سے چیدہ چیدہ نکات تحریر کئے گئے ہیں، تا کہ مزدوران کے دعوؤں کی حقیقت پہچان سکیں اور ان کے تحریری منشور اور اس پر عملی اقدامات میں موجود فرق کو محسوس کر سکیں۔

رپورٹ کے آخر میں مزدور تنظیموں، ٹریڈ یونینز فیڈریشنز اور کنفیڈریشن کے لئے اگلے دو سال (2016-17ء) کے لئے ایجنڈا اور اہداف کا تفصیلی ذکر ہے۔ اسی طرح مختلف متعلقہ فریق جی ایس پی پلس کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں کیسے پوری کر سکتے ہیں اس سلسلے میں مفصل تجاویز اور لائحہ عمل تجویز کیا گیا ہے۔ اس رپورٹ کا مفصل مسودہ اردو میں شائع کیا گیا ہے تا کہ تمام مزدور تنظیمیں اس سے استفادہ حاصل کر سکیں۔ البتہ رپورٹ کا خلاصہ انگریزی زبان میں بھی شائع کیا گیا ہے تا کہ بین الاقوامی ادارے اور متعلقہ افراد پاکستان میں مزدوروں کو درپیش مسائل اور چیلنجز سے آگاہ ہو سکیں اور یورپی یونین اور ان کے نمائندے جی ایس پی پلس کے حوالے سے بہتر نگرانی کر سکیں۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہماری یہ رپورٹ یورپی کمیشن اور یورپی پارلیمنٹ کے سامنے پیش ہوئی اور اس سلسلہ میں کنفیڈریشن کے مرکزی صدر جناب ظہور اعوان نے اس کو موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ جس کو بے پناہ پذیرائی ملی ہے اور اس کو بین الاقوامی سطح پر بھی بہت سے متعلقہ نمائندگان نے پڑھا ہے اور ان کو پاکستان کے مزدوروں کو درپیش مسائل اور چیلنجز سے آگاہی ہوئی ہے۔ اس کا بہترین ردعمل یہ ہوا ہے کہ یورپی یونین کے اعلیٰ سطح کے وفود کنفیڈریشن کے نمائندوں سے باضابطہ گفتگو کرتے ہیں اور ان معلومات کی روشنی میں حکومت کی توجہ ان مسائل کی طرف دلاتے ہیں جو زیر بحث آئے ہوں۔

رپورٹ کے آخر میں جو اہم اور مرکزی نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب تک مزدور طبقہ کو آزادانہ طور پر یونین سازی اور اجتماعی سودا کاری کا مکمل حق میسر نہ ہو معمولی سے معمولی حقوق کا حصول بھی ناممکن اور آجروں کی من مرضی پر منحصر ہے۔ اس لئے سب سے اہم اور بنیادی کام تنظیم سازی کی آزادی اور اجتماعی سودا کاری کے حق کا حصول ہے۔ جس کے بغیر بنیادی لیبر معیارات پر عملدرآمد کا خواب حقیقت کا روپ نہیں دھار سکتا اور نہ ہی جی ایس پی پلس کے بنیادی مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں۔

جی ایس پی پلس کے اطلاق کے بعد یورپی کمیشن کی طرف سے پاکستان کے بارے میں جاری کردہ پہلی رپورٹ کے اہم نکات

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی رپورٹ کے فوراً بعد یورپی کمیشن نے پاکستان کے بارے میں جی ایس پی پلس کے سلسلہ میں کل 27 کنونشنز پر عملدرآمد کے بارے میں یورپی پارلیمنٹ کے لئے جنوری 2016ء میں رپورٹ جاری کی ہے۔اس میں موجود آئی ایل او کے آٹھ لیبر معیارات پر عملدرآمد کے حوالے سے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

رپورٹ کے مطابق 2010ء میں 18ویں آئینی ترمیم کے بعد لیبر معیارات پر عملدرآمد کی ذمہ داری صوبوں پر منحصر ہے، جبکہ مرکز میں اوورسیز پاکستانیز اور ہیومن ریسورس ڈیویلپمنٹ کی وزارت ان کی نگرانی کا فریضہ ادا کرتا ہے۔صوبوں میں قانون سازی کا عمل جاری ہے۔ پاکستان میں لیبر قوانین پر عملدرآمد ایک اہم مسئلہ ہے۔ 2006ء میں جو لیبر انسپکشن پالیسی لاگو کی گئی ہے۔ اس کے نتائج بہت محدود ہیں۔ 340 لیبر انسپکٹر پورے پاکستان میں کسی بھی طرح موثر لیبر انسپکشن نہیں کر سکتے اور ان پر بھی آجروں کے ساتھ ملی بھگت اور کرپشن کے الزامات ہیں۔نیدر لینڈ کی مالی معاونت کے ساتھ آئی ایل او کے تعاون سے لیبر انسپکشن کو مضبوط کرنے اور لیبر انسپکٹرز کی ٹریننگ اور تکنیکی سامان مہیا کرنے کا پروجیکٹ جاری ہے۔آئی ایل او(ILO) کے ساتھ باوقار روزگار (Decent Work) پروگرام کے تحت 15-2010ء تک آئی ایل او کا تکنیکی اور عملی تعاون میسر رہا ہے۔اس پروجیکٹ کے تحت چار شعبوں پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔

1- لیبر قوانین میں اصلاح

2- انسانی وسائل کی ترقی پر زور تا کہ مناسب ملازمتوں کا حصول ممکن ہو۔

3- سماجی تحفظ کی سکیمیں جن میں غیر رسمی شعبے بھی شامل ہوں۔

4- سماجی معاملات پر سہ فریقی مشاورت اور مذاکرات۔

تنظیم سازی اور اجتماعی سودا کاری (کنونشنز 87 اور 98)

★ سب سے پہلے ان ملازمین اور اداروں کا ذکر اور ان پر تحفظات کا اظہار کیا گیا۔ جن کو ان کنونشنز کے دائرہ کار سے باہر رکھ کر تنظیم سازی سے محروم کیا گیا ہے۔ جیسے بعض سرکاری اداروں کے ملازمین، لازمی سروس کی زد میں آنے والے شعبے، زرعی شعبہ، صحت تعلیم اور حفاظت کے شعبے (Security Sectors) کے ملازمین اور وہ ملازمین جو معاشی ٹریڈ زونز (Economic Trade Zones) میں ہوں۔

★ پھیلے ہوئے وسیع غیر رسمی شعبوں میں بھی ٹریڈ یونین نہیں بن سکتی، کیونکہ اس کے لئے کوئی قانونی فریم ورک اور انجمن سازی کے قوانین موجود نہیں ہیں۔

★ رسمی شعبوں میں بھی مزدوروں کو ملازمت کے تقرری نامے نہیں دیئے جاتے اور ان کی سماجی تحفظ کے اداروں میں رجسٹریشن نہیں ہوتی جس سے وہ یونین کے ممبر نہیں بن سکتے۔

★ تنظیم سازی کے عمل کو پیچیدہ بنا دیا گیا ہے اور محکمہ محنت میں یونینز کی رجسٹریشن کے لئے مطلوبہ اہلیت وصلاحیت کا فقدان ہے۔

★ محکمہ محنت اور مالکان کی ملی بھگت سے کاغذی (جعلی) یونینز کی رجسٹریشن کا رجحان ہے اور حقیقی نمائندہ یونین سازی سے مزدوروں کو دور رکھنے کے لئے منفی ہتھکنڈے روا رکھے جاتے ہیں۔

مرکزی حکومت نے صنعتی تعلقات کمیشن کو 2012ء میں بحال کر دیا ہے۔ مرکز اور صوبوں میں سہ فریقی مشاورتی کونسلز بنائی گئی ہیں جو محنت کی منڈی کے مسائل پر بحث کرتی ہیں اسی طرح ورکرز ویلفیئر فنڈ، کم از کم اجرت کے ویج بورڈ سہ فریقی سطح پر قائم ہیں، جبکہ دو فریقی ادارہ ورکرز ایمپلائرز بائی لیٹرل کونسل پاکستان (Workers Employers Bilateral Council of Pakistan-WEBCOP) بھی موجود ہے۔

چاروں صوبوں میں صنعتی تعلقات ایکٹ نافذ ہو چکے ہیں۔ پنجاب میں 50 مزدوروں سے کم کام کی جگہوں پر ٹریڈ یونین کی پابندی کا خاتمہ ہو چکا ہے۔سندھ میں زرعی شعبہ اور ماہی گیری میں صنعتی تعلقاتی قانون(IRA) لاگو ہو چکا ہے اور پنجاب میں گھروں میں کام کرنے والے ملازمین کے بارے میں پالیسی سازی جاری ہے۔ ایک ڈومیسٹک ورکرز یونین رجسٹرڈ ہو چکی ہے۔ پاکستان ورکرز کنفیڈریشن بھی باہمی اتحاد اور مشاورت سے لیبر معیارات پر عملدرآمد کے لئے کوشاں ہے۔

جبری مشقت (کنونشنز 29 اور 105)

★ پاکستان جدید غلامی کے انڈکس 2014ء میں دنیا میں تیسرے نمبر پر ہے۔

★ زرعی شعبہ، بھٹہ خشت، قالین بافی، ماہی گیری اور کان کنی وغیرہ میں جبری مشقت موجود ہے۔ بھٹہ مالکان پیشگی قرضوں کے ذریعے مزدوروں کو جبری مشقت میں جکڑ لیتے ہیں۔

★ جبری مشقت چاروں صوبوں میں موجود ہے۔بعض اندازوں کے مطابق بھٹہ خشت میں 10 لاکھ سے زائد اور زراعت میں 18 لاکھ سے زائد کارکن، خواتین اور بچے جبری مشقت کا شکار ہیں۔

★ آئی ایل او کی ایکسپرٹ کمیٹی نے مطالبہ کیا ہے کہ چاروں صوبوں میں جبری مشقت کے خاتمہ کے لئے قانون سازی کی جائے۔

★ خیبر پختونخواہ میں جبری مشقت، ابالیشن ایکٹ 2015ء پاس کیا گیا ہے جو قرضوں تلے جکڑے ملازمین پر سے جبری مشقت کا خاتمہ کرتا ہے۔ پنجاب میں یہ ایکٹ منظوری کے آخری مراحل میں ہے۔

★ بلوچستان اور سندھ میں ایسی نئی پالیسیاں جیسا کہ پنجاب لیبر پالیسی برائے گھروں میں رہ کر کام کرنے والے ملازمین اور اس گروپ میں تشکیل کردہ نئی یونین جبری مشقت کی صورتحال میں بہتری لانے میں کردار ادا کرسکتی ہیں۔

★ پنجاب میں وزیراعلیٰ نے جبری مشقت اور بچوں کی مشقت کے مکمل خاتمہ کا عہد کیا ہے اور صوبائی محکمہ محنت نے 50 ملین ڈالر کا پروجیکٹ شروع کیا ہے۔ جس سے بھٹہ خشت اور زراعت میں سے اس مسئلے کو حل کیا جائے گا۔

★ بلوچستان نے بھی اسی طرز کا پروجیکٹ تشکیل دیا ہے اور اپنے بجٹ سے 400,000 روپے مختص کئے ہیں اور مرکزی حکومت اور آئی ایل او سے امداد کی درخواست کی ہے۔

بچوں کی مشقت کی بدترین شکلیں اور کام کرنے کی کم از کم عمر (کنونشنز 138 اور 182)

★ 1996ء کے سروے کے مطابق پاکستان میں 33 لاکھ کم عمر بچے مزدوری کررہے تھے۔

★ بچوں کی مشقت ملک کے چاروں صوبوں میں موجود ہے، اگرچہ اس میں کمی کا رجحان ہے۔

★ بدترین شکل کی بچوں کی مشقت کے اعداد و شمار ناپید ہیں، تاہم یہ تمام ملک میں موجود ہے بالخصوص زراعت اور بھٹہ خشت میں۔

★ آئی ایل او کی ایکسپرٹ کمیٹی نے پاکستان سے مطالبہ کیا ہے کہ 14 سال سے کم عمر بچوں کی ہر قسم کی مزدوری پر اور 18 سال سے کم عمر بچوں کو مضر صحت قسم کے کاموں پر موثر پابندی لگائے۔

★ مرکزی حکومت نے ایک فوکل پرسن مقرر کیا ہے جو کہ مرکزی اور صوبائی سطح پر بچوں کی مشقت اور جبری مشقت پر ہونے والے تمام سابقہ کام سے آگاہی اور ریکارڈ مرتب کرے۔ پاکستان سے بچوں کی مشقت کے خاتمہ کی حکمت عملی وضع کرے اور صوبائی حکومتوں کو قانون سازی اور سروے کی ترغیب دے۔

★ مرکزی سطح پر ایمپلائمنٹ آف چلڈرن ایکٹ، 1991ء کی شکل میں موجود ہے۔ جو ہر قسم کی بچوں کی مشقت پر پابندی لگاتا ہے۔

★ صوبے بھی اس بارے میں قانون نافذ کررہے ہیں۔ خیبر پختونخواہ حکومت نے بچوں کی مشقت کے خاتمہ کے لئے قانون سازی کے ساتھ لیبر انسپکشن کیلئے فنڈز مختص کئے ہیں، تاکہ خصوصی طور پر بچوں کی مشقت پر پابندی کی نگرانی کی جاسکے۔

★ صوبہ پنجاب میں یہ بل کابینہ کے سامنے پڑا ہے۔ سندھ اور بلوچستان میں ابھی معرض التوا میں ہے۔

امتیازی سلوک کا خاتمہ (کنونشنز نمبر 180 اور 111)

★ مساوی مواقع اور ایک ہی طرح کی ملازمتوں میں مرد و خواتین کارکنان میں غیر مساوی سلوک اور صنفی امتیازات موجود ہیں۔

★ بہتر ملازمتوں تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے خواتین کم پیداواری زرعی شعبوں میں کام کرنے پر مجبور ہیں۔ خواتین کارکنوں کو تعلیم کی کمی اور بیروزگاری اور یکساں کام کے یکساں معاوضہ جات جیسے چیلنجز درپیش ہیں۔

★ سرکاری شعبہ سے باہر خاص قانونی فریم ورک کی عدم موجودگی کی وجہ سے نجی شعبوں میں معاوضوں میں خاصا امتیاز موجود ہے۔ جس کی طرف آئی ایل او کی ایکسپرٹ کمیٹی نے بھی نشاندہی کی ہے۔ اس سلسلے میں کچھ پیش

رفت بھی قابل ذکر ہے، مرکزی حکومت نے سہ فریقی مشاورت سے 2015ء میں امتیازی سلوک کے خلاف ایک ماڈل قانون تیار کیا ہے، تا کہ صوبائی حکومتیں اس کو منظور کرواسکیں۔

- ★ وفاقی محتسب سیکرٹریٹ، پاکستان ورکرز فیڈریشن اور ایمپلائیرز فیڈریشن نے اس سلسلے میں آگہی مہم کے لئے کئی ایک سیمینارز منعقد کئے ہیں۔
- ★ تمام صوبوں نے صنفی مسائل پر ایک فوکل پرسن مقرر کیا ہے، جو دیگر محکموں کے ساتھ صنفی مسائل پر مربوط کوشش جاری رکھے گا۔
- ★ حکومت پنجاب نے گھروں میں کام کرنے والے ملازمین کے بارے میں پالیسی مسودہ مکمل کرلیا ہے اور پنجاب میں ڈومیسٹک ورکرز یونین رجسٹرڈ ہو چکی ہے جس میں 90 فیصد خواتین ہیں۔
- ★ کام کی جگہ پر ڈے کیئر سنٹرز (Day Care Centers) کا قیام، عورتوں کے سماجی رتبہ بارے صوبائی کمیشن کا قیام اور عورتوں کی مناسب نمائندگی کا ایکٹ 2014ء پنجاب میں اس بارے اہم پیش رفت کا اظہار کرتے ہیں۔
- ★ ہائرایجوکیشن کمیشن 9 قومی یونیورسٹیوں کے بزنس اور میڈیا کے نصاب میں صنفی امتیازات کو شامل کرنے پر کام کررہا ہے۔
- ★ 750 صحافی اور ایڈیٹرز کو صنفی حساسیت کی رپورٹنگ کی تربیت دی گئی ہے۔ جس سے امتیازی رویوں اور کام کی جگہ پر جنسی طور پر ہراساں کرنے اور صنفی امتیاز کے خاتمہ کو مزید تقویت دے گی۔

رپورٹ کے مطابق پاکستان میں مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کے بارے میں بہت سنجیدہ مسائل درپیش ہیں۔ مستقبل کی ترجیحات کے حوالے سے جو قوانین موجود نہیں۔ ان کا اجراء اور دوسرا موجود قوانین اور آئندہ بننے والے قوانین پر عملدرآمد میں بہتری لانے کی فوری ضرورت ہے۔ یہ تمام قوانین آٹھ بنیادی لیبر معیارات سے ہی متعلقہ ہیں۔ ٹریڈ یونینز کی تعداد اور اجتماعی سوداکاری کی کوریج بہت ہی کم ہے مزدوروں کا ایک بہت کم حصہ ٹریڈ یونینز میں منظّم ہے اور فیڈریشنز کے سامنے بڑے اہم چیلنجز ہیں کہ کس طرح نئی یونینز کو رجسٹرڈ کروایا جاسکے اور کارکنان کے حقوق اور مفادات کا تحفظ کیا جاسکے اور حق ہڑتال کا استعمال کیا جا سکے۔ اگرچہ پاکستان میں جبری مشقت غیر قانونی ہے پھر بھی 2014ء کے گلوبل سلیوری انڈکس (Global Slavery Index) کے مطابق کئی لاکھ جبری مشقت کرنے والے موجود ہیں۔ اس کے علاوہ بچوں سے بھی چاروں صوبوں میں مشقت لی جاتی ہے۔ صنفی امتیاز کا فرق اپنی جگہ موجود ہے اور خواتین ورکرز کے حقوق کے لئے زیادہ اور بہتر عمل کی ضرورت ہے۔ اس امر کو ترجیح دینی چاہئے کہ موجودہ کوششوں کے ساتھ مستقبل میں کوششوں کو مزید تیز اور مربوط کیا جائے، تاکہ جی ایس پی پلس کے پہلے دو سالوں میں جن خامیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی ہوئی ہے ان پر قابو پایا جاسکے۔

کچھ اندازوں کے مطابق جی ایس پی پلس تمام متعلقہ فریقین کے لئے ایک ترغیبی عنصر ہے جو ان کو آئی ایل او کے بنیادی معیارات پر عملدرآمد کی طرف راغب کر رہا ہے۔ حکومت، صنعت کاروں اور مزدور تنظیموں نے جی ایس پی پلس کا خیر مقدم کیا ہے، جو ایک مفید عنصر کے طور پر محنت کی منڈی میں تمام فریقین کے درمیان تعاون بڑھانے اور باہمی بات چیت اور مذاکرات پر آمادہ کرتا ہے۔

آئی ایل او کی ایکسپرٹ کمیٹی (Committee of Experts on the Application of Conventions and Recommendations) کی طرف سے حکومت پاکستان سے مطلوب وضاحتیں اور معلومات

آئی ایل او کی ایکسپرٹ کمیٹی (CEACR) نے 2016ء میں حکومت پاکستان سے بعض اہم کنونشنز پر عملدرآمد کی صورتحال بارے بعض وضاحتیں اور معلومات طلب کی ہیں جو کہ مختصراً حسب ذیل ہیں۔

لیبر انسپکشن کنونشن نمبر 81

★ حکومت واضح کرے کہ مرکزی اتھارٹی کے تحت صوبوں میں باہمی تعاون اور مربوط انداز میں لیبر انسپکشن کی صورتحال کیا ہے اور مرکزی سطح پر لیبر انسپکشن کا خاکہ اور ترجیحات کیا ہیں۔ نیز اس سلسلے میں دیگر سوشل پارٹنرز آجر اور اجیر کو اعتماد میں لے کر ان کی موثر شرکت کو یقینی بنایا گیا ہے تو اس میں ان کا کردار کیا ہے۔

★ حکومت صوبہ سندھ میں مشترکہ ایکشن پلان پر عملدرآمد جاری رکھے اس بارے میں صحت وسلامتی کی پالیسی کو موثر بنانے کے لئے نئے قوانین کو کس حد تک اپنایا گیا ہے۔ حکومت یہ بھی مطلع کرے کہ نجی ادارے اور فرمز جو اداروں کا معائنہ کرکے سرٹیفکیٹ جاری کرتی ہیں۔ کتنی تعداد میں ہیں ان کا دائرہ کار کیا ہے اور کتنے اداروں کا معائنہ کرکے سرٹیفکیٹ جاری کرتی ہیں۔

★ حکومت مطلع کرے کہ صوبوں میں لیبر انسپکشن پر عملدرآمد میں رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے کیا اقدامات بروئے کار لائے گئے ہیں۔ نیز یہ بھی واضح کیا جائے کہ لیبر انسپکٹرز کو روکنے کے کتنے واقعات ہوئے ہیں اور رکاوٹوں کے ذمہ دار لوگوں کے خلاف کیا تادیبی کاروائی یا جرمانوں کی سزا ہوئی ہے۔

مساوی کام کے مساوی معاوضہ کا کنونشن نمبر 100

★ حکومت اس کنونشن پر عملدرآمد کے سلسلے میں عملی پیش رفت سے مطلع کرے اور اس سلسلہ میں سہ فریقی مشاورتی کمیٹی نے جو اقدامات اٹھائے ہوں وہ واضح کئے جائیں۔

★ حکومت اس امر کو مدنظر رکھے کہ خیبر پختونخواہ حکومت پے منٹ آف ویجز ایکٹ میں تنخواہ کی تعریف میں مساوی کام کے مساوی کا معاوضہ کے اصول پر امر پیرا ہے۔

★ حکومت مطلع کرے کہ خیبر پختونخواہ حکومت کی طرف سے پے منٹ آف ویجز ایکٹ میں تنخواہوں میں صنفی امتیاز کے خاتمہ کے لئے کن وجوہات اور عناصر کو مدنظر رکھا گیا ہے اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ یہ بھی واضح کیا جائے کہ دیگر صوبوں میں قانون سازی میں مرد اور خواتین کارکنوں کے امتیازی معاوضوں اور فرق کو ختم کرنے کے لئے کیا اقدامات کئے گئے ہیں، اگر کام مختلف نوعیت کے ہوں لیکن ان کی قدر یکساں ہو تو کیا مساوی معاوضوں کے اصول کو لاگو کیا ہے۔ نیز اس اصول کا اطلاق سرکاری اور نجی اداروں دونوں پر یکساں لاگو کیا گیا ہے۔

★ حکومت اس امر سے بھی مطلع کرے کہ خیبر پختونخواہ حکومت کم از کم اجرت مقرر کرنے میں کسی قسم کے صنفی امتیاز سے بالاتر ہو کر فیصلہ کرے اور صنفی امتیاز سے مبرا ہو کر کم از کم اجرتوں کے تعین کو یقینی بنائے۔

★ حکومت اس امر کے لئے مناسب اقدامات کرے کہ تمام صوبے قانون سازی میں خواتین کے کام کو تسلیم کریں اور اس سلسلے میں ہونے والی پیش رفت کو کمیٹی کے علم میں لایا جائے۔ نیز صوبائی ویمن ڈویلپمنٹ ڈیپارٹمنٹس نے سرکاری اور نجی اداروں میں ان اصولوں کو لاگو کرنے کے لئے جو اقدامات اٹھائے ہوں۔ ان کو واضح کیا جائے۔

ملازمتوں اور پیشوں میں امتیازی سلوک کا کنونشن نمبر 111

★ حکومت اس امر کو مدنظر رکھے کہ سہ فریقی مشاورتی کمیٹی کے تحت مرکز اور صوبوں میں ہونے والی نئی قانون سازی میں براہ راست یا بالواسطہ ایسے قوانین نہ بنیں جن میں مزدوروں کی ملازمتوں اور پیشوں میں کسی قسم کے امتیازات روا رکھے جائیں اور ملازمتوں اور پیشوں میں بھرتی کرنے

میں سیاسی وابستگی، نسلی ولسانی یا قومی امتیازات کو مدنظر نہ رکھا جائے اور اس بارے میں ہونے والی پیش رفت سے کمیٹی کو آ گاہ رکھا جائے۔

- حکومت خواتین ورکرز کو کام کی جگہ پر جنسی طور پر ہراساں کرنے اور ان کے تحفظ کے لئے کئے گئے اقدامات سے مطلع کرے اور حکومت پنجاب نے جو کام کی جگہ پر جنسی طور پر ہراساں کرنے کے حوالے سے ایکٹ 2010ء منظور کیا ہے۔ دوسرے صوبے بھی اس طرح قانون سازی کریں تا کہ مرد وخواتین کارکنوں کو جنسی طور پر ہراساں کرنے کے خلاف تحفظ مہیا ہو سکے۔ نیز یہ بھی مطلع کیا جائے کہ اس حوالے سے کتنی شکایات سامنے آئی ہیں اور ان کا کیا مداوا کیا گیا ہے اور ان کے ذمہ دار عناصر کے خلاف کیا پابندیاں لگائی گئی ہیں۔ مزید یہ کہ صوبائی ویمن ڈویلپمنٹ ڈیپارٹمنٹس نے اس سلسلہ میں عوامی سطح پر آ گاہی مہم کو کس قدر بڑھاوا دیا ہے۔

- حکومت اعداد و شمار سے مطلع کرے کہ عورتوں کی لیبر مارکیٹ میں شرکت کی صورتحال کیا ہے اور کتنی خواتین غیر رسمی شعبوں سے رسمی شعبوں میں داخل ہو سکی ہیں۔ حکومت لیبر مارکیٹ میں خواتین کی شرکت کو بڑھانے کے لئے خصوصی اقدامات کرے۔ نیز ڈومیسٹک ورکرز (ایمپلائمنٹ اینڈ رائٹس بل 2013ء) کو منظور کرنے کے سلسلے میں جو بھی معلومات ہوں کمیٹی تک پہنچائی جائیں۔

- حکومت نے غیر مسلم اقلیتوں کے لئے مرکزی اور صوبائی سطح پر ملازمتوں کا جو کوٹہ مقرر کیا ہے۔ اس کے اثرات سے مطلع کرے اس سلسلے میں اقلیتی مزدوروں مرد وخواتین کارکنان کو جن شعبوں میں ملازمتوں پر رکھا گیا ہے ان سے آ گاہ کرے۔ حکومت یہ بھی مطلع کرے کہ اس سلسلے میں مرکزی سطح پر سہ فریقی مشاورتی کمیٹی نے کون سی سہولیات مہیا کی ہیں اور کیا اقدامات اٹھائے ہیں۔ آخر میں کمیٹی مطلع کرے کہ کن لوگوں کو شیڈولڈ کاسٹ (Scheduled Cast) سمجھا جاتا ہے۔ نیز یہ بھی واضح کیا جائے کہ ان میں غیر مسلم کتنے ہیں۔

- حکومت بذریعہ اعداد و شمار مطلع کرے کہ ذات پات یا جنس کی بنیاد پر ملازمتوں میں پر پابندی کے قانون کے دلت (Dalits) لوگوں پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ کمیٹی اس سلسلے میں یہ بھی جاننا چاہتی ہے کہ مرکزی اور صوبائی حکومتوں نے دلت لوگوں کو محنت کی منڈی میں شرکت بارے میں امتیازی رویوں کے خلاف کیا اقدامات اٹھائے ہیں اور مرکزی سہ فریقی کمیٹی کا اس میں کیا کردار ہے۔

- کمیٹی حکومت سے توقع کرتی ہے کہ وہ تمام اقلیتوں اور احمدیوں کے خلاف برداشت کے رویوں کو بڑھاوا دینے کے لئے فوری قانونی اور انتظامی اقدامات اٹھائے اور اس سلسلہ میں جو بھی پیش رفت ہو اس سے کمیٹی کو مطلع کرے نیز کمیٹی ایک بار پھر اس امر کا اعادہ کرتی ہے کہ وہ مذہبی اقلیتوں کی ملازمتوں تک رسائی کی صورتحال سے مطلع کرے جیسا کہ آئین کی شق نمبر 260(3)(b) میں واضح کیا گیا ہے۔

باب 1: صوبائی آئینی منتقلی اور شعبہ محنت کے معاملات

آئینِ پاکستان میں انسانی حقوق بشمول محنت کشوں کے حقوق کی ضمانت موجود ہے۔ پاکستان نے آئی ایل او کے 36 کنونشنز کی توثیق کر رکھی ہے۔جن میں سے 33 کنونشنز لاگو ہیں جن میں مزدوروں کے بارے میں آٹھ بنیادی لیبر معیارات بھی شامل ہیں۔2010ء میں 18ویں ترمیم کے بعد لیبر قوانین کے اجراء کی ذمہ داری صوبوں کو سونپ دی گئی اور مرکزی لیبر قوانین مرکزی دارالخلافہ اسلام آباد اور وفاق کے زیرِانتظام قبائلی علاقوں تک محدود ہو گئے ہیں۔18ویں ترمیم کے بعد صوبوں میں جو قانون سازی ہوئی ہے۔ذیل میں ان کی تفصیل درج ذیل کی جا رہی ہے۔

پنجاب

18ویں آئینی ترامیم کے بعد صوبوں میں قانون سازی کے بعد صوبہ پنجاب نے سب سے زیادہ لیبر قوانین سابقہ مرکزی قوانین سے ہی اپنائے (Adapt) ہیں، جبکہ صنعتی تعلقاتی ایکٹ(PIRA) 2010ء کی صورت میں نیا قانون بنایا اور لاگو کیا ہے۔اس کے علاوہ 2016ء میں بچوں کی مزدوری اور جبری مشقت کے خاتمہ کے لئے دو اہم قوانین بنائے اور لاگو کئے گئے ہیں۔ان میں ایک قانون دی پنجاب، پروہبشن آف چائیلڈ لیبر ایکٹ برک کلن آرڈیننس 2016ء ہے۔صوبہ پنجاب نے ابھی تک جو قوانین نافذ کئے ہیں۔وہ درج ذیل ہیں۔

جدول 1.1: صوبہ پنجاب میں نافذ کردہ قوانین محنت

- ★ پنجاب انڈسٹریل ریلیشن ایکٹ 2010ء
- ★ دی فیکٹریز (ترمیمی) ایکٹ 2012ء
- ★ دی پنجاب انڈسٹریل اینڈ کمرشل ایمپلائمنٹ (سٹینڈنگ آرڈر) (ایمنڈمنٹ) 2012ء
- ★ دی ایمپلائمنٹ (ریکارڈ آف سروسز) ایمنڈمنٹ ایکٹ 2011ء
- ★ دی منی مم ویجز (ایمنڈمنٹ) ایکٹ 2012ء
- ★ دی روڈ ٹرانسپورٹ ورکرز (ایمنڈمنٹ) ایکٹ 2012ء
- ★ دی ایمپلائمنٹ آف چلڈرن (ایمنڈمنٹ) ایکٹ 2011ء
- ★ دی پنجاب بانڈڈ لیبر سسٹم (ابالیشن) (ایمنڈمنٹ) ایکٹ 2012ء
- ★ دی پنجاب میٹرنٹی بنی فٹس (ایمنڈمنٹ) ایکٹ 2012ء
- ★ دی پنجاب ورک مینز کمپن سیشن (ایمنڈنٹ) ایکٹ 2013ء
- ★ دی پنجاب ایمپلائز سوشل سکیورٹی (ایمنڈمنٹ) ایکٹ 2013ء
- ★ دی پنجاب پےمنٹ آف ویجز (ایمنڈمنٹ) ایکٹ 2014ء
- ★ دی پنجاب منی مم ویجز فار ان سکلڈ ورکرز (ایمنڈمنٹ) آرڈیننس 2013ء
- ★ ایمپلائز کاسٹ آف لونگ (ریلیف) (ایمنڈمنٹ) ایکٹ 2013ء
- ★ دی پنجاب شاپ اینڈ اسٹیبلشمنٹس (ایمنڈمنٹ) آرڈیننس 2014ء
- ★ دی پنجاب پروھبشن آف چائیلڈ لیبرایٹ برک کلن آرڈیننس 2016ء
- ★ دی رسٹرکشن آف ایمپلائمنٹ آف چلڈرن آرڈیننس 2016ء

یہ تمام قوانین سابقہ مرکزی قوانین سے ماخوذ ہیں۔صرف (Punjab PIRA Industrial Relation Act) میں ابتدا میں 50 مزدوروں تک یونین بنانے کی پابندی تھی جو بعد میں ختم کر دی گئی اور اب یونین کی مجلس عاملہ میں اسی نسبت سے خواتین کارکن شامل ہوں گی جتنی کہ ادارہ میں ان کی مکمل تعداد ہے۔ان میں ایک قانون دی پنجاب پروہبشن چائیلڈ لیبر ایکٹ برک کلن آرڈیننس 2016ء ہے۔اس آرڈیننس کی شکل میں بچوں سے جبری مشقت کے خاتمہ اور بھٹہ خشت پر دی جانے والی پیشگی رقوم کو قانونی شکل دی گئی ہے (اگرچہ عدالت عظمیٰ کے فیصلے کے مطابق ہر قسم کی پیشگی رقم دینے پر پابندی ہے)۔ اس کے علاوہ بچوں کی ملازمت پر پابندی کا آرڈیننس 2016ء نافذ کیا ہے۔اس کی بعض دفعات مثبت ہیں اور ملازمت میں بچوں کی عمر 14 سال سے بڑھا کر 15 سال کر دی گئی ہے۔

بھٹہ خشت پر بچوں کی مشقت کا ذمہ دار صرف بھٹہ مالک نہیں ہوگا۔ان کے والدین کو بھی ذمہ دار قرار دیا جائے گا جو کہ قابل سزاوار ہوں گے۔گھروں میں رہ کر کام کرنیوالے کارکنان اور گھریلو ملازمین کی پالیسی کابینہ نے منظور کر لی ہے صحت و سلامتی (Occupational safety and Health) کے حوالے سے قانون ابھی ڈرافٹ مسودہ کی شکل میں ہے۔یہ تمام قوانین بغیر کسی معنی خیز سہ فریقی مشاورت کے بغیر مرتب ہوئے ہیں اس کے علاوہ ان قوانین کو اسمبلی میں پیش کرنے کے بجائے آرڈیننس کے ذریعے نافذ کیا گیا ہے۔

باکس 1.1: صوبہ پنجاب میں بچوں کی مزدوری اور بچوں کی جبری مشقت کے قوانین

حکومت پنجاب نے بھٹہ خشت سے بچوں کی مزدوری کے خاتمہ کے لئے ایک اہم پروجیکٹ شروع کر رکھا ہے۔ جس کے تحت ابتداء میں تمام بھٹوں کا سروے کروایا گیا اور وہاں پر موجود بچوں کی مزدوری کا اندازہ لگایا گیا۔ فی الحال یہ پروجیکٹ 10 اضلاع تک محدود ہے اور اب اس میں دو مزید اضلاع شامل کئے گئے ہیں، جبکہ بعد ازاں اس کا دائرہ کار پورے صوبے میں پھیلایا جا رہا ہے۔ 50 ملین ڈالر کے اس پروجیکٹ کے تحت بھٹہ خشت پر کام کرنے والے مزدور بچوں کو قریب ترین سکولوں میں داخلہ دلوایا گیا ہے اور یا پھر خصوصی غیر رسمی رجسٹرڈ سکولوں کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ ان بچوں کی کتابوں، وردیوں اور سفری اخراجات صوبائی حکومت برداشت کر رہی ہے۔ بچوں کو ایک ہزار روپے ماہوار ادا کئے جاتے ہیں، جبکہ داخلہ کے وقت والدین کو دو ہزار روپے فی بچہ ادا کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ 14 سے 18 سال تک کے بچوں کو ہنرمند بنانے کے لئے پیشہ وارانہ تربیت کا بندوبست کیا جاتا ہے۔

بچوں کی مشقت اور بچوں سے جبری مشقت کے حوالے سے پنجاب میں یہ دو قوانین دی پنجاب رسٹرکشن آف ایمپلائمنٹ آف چلڈرن ایکٹ 2016ء اور دی پنجاب بانڈڈ لیبر سسٹم (ابالیشن) ایکٹ بہت اہم ہیں اور اب چونکہ بچوں کی محنت مشقت کے حوالے سے مالکان کے ساتھ ساتھ والدین کو بھی ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے اس لئے اس کے کافی مثبت اثرات پڑے ہیں۔ حکومت پنجاب نے اس پروجیکٹ میں غیر سرکاری تنظیموں کو بھی شریک کیا ہے جو ان بچوں کو ان کی رہائش سے سکولوں تک لانے اور لے جانے کا بندوبست کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ اب حکومت نے پٹرول پمپس، ورکشاپوں اور ہوٹلز میں بھی بچوں کی مشقت کا سروے شروع کر رکھا ہے، تاکہ ان جگہوں پر موجود کام کرنے والے بچوں کی تعداد کا اندازہ لگایا جا سکے اور ان کے حوالے سے کوئی ٹھوس منصوبہ بنایا جا سکے، لیکن جب تک حکومت بحیثیت مجموعی بچوں کی مشقت کے خاتمے کے لئے بھرپور مہم اور اقدامات نہ کرے۔ اس کا مکمل خاتمہ ناممکن ہے۔ اب بھی مختلف اداروں، قالین بافی، کان کنی، زرعی شعبہ اور گھروں میں کام کرنیوالے ملازمین کی شکل میں کام کرنے والے بچے موجود ہے اور اس کا تدارک تبھی ممکن ہے جب حکومت آئین کے آرٹیکل 25A کے تحت سولہ سال تک کے تمام بچوں کو لازمی اور مفت تعلیم دے۔ اسکے لئے تعلیمی بجٹ بڑھانا ضروری ہے۔ پیشہ وارانہ تربیت کے زیادہ تعداد میں ادارے قائم کئے جائیں۔ نیز بیروزگاری کا خاتمہ کیا جائے اور اجرتوں اور پنشنز کا ایسا معیار ہو کہ اوسط کنبہ کے خاندانوں کی مناسب گزر بسر ہو سکے، اگرچہ بھٹہ خشت میں اُٹھایا گیا یہ قدم قابل ستائش ہے، لیکن بحیثیت مجموعی بچوں کی مشقت کے خاتمہ میں یہ ایک چھوٹا حصہ ہے جس کو تمام شعبوں تک بڑھانا ضروری ہے۔

پنجاب میں بھٹوں پر بچوں کی مزدوری کے بارے میں مندرجہ ذیل اعداد و شمار پنجاب اسمبلی میں پیش کئے گئے

2016ء تک پنجاب کے بھٹوں پر 124,000 بچے مزدوری کر رہے تھے، جن کی عمر 15 سال سے کم تھی۔

بچوں سے کام لینے کے جرم میں 787 مالکان کو گرفتار کیا گیا۔

بچوں سے کام لینے کے جرم میں 219 بھٹوں کو سیل کیا گیا۔

کل 8734 بھٹوں پر چھاپے مارے گئے، جن میں 15 سال سے کم عمر 772 بچے کام کرتے پائے گئے۔

پنجاب کے 19 اضلاع میں کل 62 ورکرز ویلفیئر سکول کام کر رہے ہیں لاہور 6، شیخوپورہ 7، گوجرانوالہ 8، ساہیوال 1، گجرات 3، سیالکوٹ 4، فیصل آباد 6، خوشاب 4، ملتان 4، مظفر گڑھ 2، ڈیرہ غازی خان 2، بہاولپور 3، رحیم یار خان 2، راولپنڈی 2، جہلم 2، خانیوال 1، لیہ 1، قصور 2، سرگودھا 2۔

خیبر پختونخواہ

خیبر پختونخواہ نے تمام قوانین محنت باقاعدہ اسمبلی کے ذریعے قانون سازی کر کے منظور کئے ہیں۔ اس لئے تمام ایکٹس (ACTS) کہلاتے ہیں۔

جدول 1.2: صوبہ خیبر پختونخواہ میں نافذ کردہ قوانین محنت

- ★ دی خیبر پختونخواہ انڈسٹریل ریلیشنز ایکٹ 2010ء
- ★ دی خیبر پختونخواہ (I&CE) سٹینڈنگ آرڈرز ایکٹ 2013ء
- ★ دی خیبر پختونخواہ انڈسٹریل سٹیٹکس (Statistics) ایکٹ 2013ء
- ★ دی خیبر پختونخواہ میٹرنٹی بینی فٹس ایکٹ 2013ء
- ★ دی خیبر پختونخواہ مینمم ویجز ایکٹ 2013ء
- ★ دی خیبر پختونخواہ پے منٹ آف ویجز ایکٹ 2013ء
- ★ دی خیبر پختونخواہ ورکرز کمپنیشن ایکٹ 2013ء
- ★ دی خیبر پختونخواہ فیکٹریز ایکٹ 2013ء
- ★ دی خیبر پختونخواہ پروبیشن (Prohibition) آف ایمپلائمنٹ آف
- ★ چلڈرن ایکٹ 2015ء
- ★ دی خیبر پختونخواہ بانڈڈ لیبر سسٹم (ابالیشن) ایکٹ 2015ء
- ★ دی خیبر پختونخواہ شاپس اینڈ اسٹیبلشمنٹ ایکٹ 2015ء

صوبہ خیبر پختونخواہ میں چونکہ تمام قانون سازی اسمبلی کے ذریعے ہوئی ہے۔ اس لئے اکثر قوانین کافی بہتر ہیں۔ جیسے بچوں کی مزدوری جبری مشقت دونوں کو ایک ایکٹ میں شامل کیا گیا ہے اور اس میں لیبر انسپکشن کا ادارہ متعارف کروایا گیا ہے جو کہ بہتر قانون ہے کم از کم اجرتوں کے قانون میں صنعتی اور کمرشل اداروں کے ساتھ فیکٹریز کو بھی شامل کیا گیا ہے جبکہ بچوں کی مزدوری کے خلاف موثر اور بہتر قانون بنایا گیا ہے۔ اسی طرح ورکرز کمپنسیشن ایکٹ کو بھی تمام صنعتی تجارتی اداروں اور

فیکٹریوں کے ملازمین تک لاگو کیا گیا ہے، جو کہ بہتر قانون ہے۔البتہ خیبر پختونخواہ میں غیر رسمی شعبوں جن میں زرعی مزدور اور گھروں میں رہ کر کام کرنے والے مزدوروں اور گھروں میں کام کرنیوالے مزدوروں (Domestic Workers) کو قوانین سے باہر رکھا گیا ہے ان کے بارے میں قانون سازی کر کے ان مزدوروں کو بھی تنظیم سازی اور سوشل سکیورٹی وغیرہ کے دائرہ کار میں لانے کی ضرورت ہے۔

بلوچستان

صوبہ بلوچستان میں ماسوائے دی بلوچستان انڈسٹریل ریلیشنز ایکٹ 2010ء باقی تمام قوانین فی الحال ڈرافٹس کی شکل میں ہیں۔ یہ ڈرافٹ ابھی سہ فریقی کمیٹیوں میں بھی زیر بحث نہیں لائے گئے۔ جن قوانین کے مسودہ جات تیاری کے مراحل میں۔ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

جدول 1.3: صوبہ بلوچستان میں مجوزہ قوانین محنت

- ★ ایمپلائمنٹ کاسٹ آف لونگ ریلیف بل
- ★ ایمپلائمنٹ (ریکارڈ آف سروس) بل
- ★ پروبیشن (Prohibition) آف ایمپلائمنٹ آف چلڈرن بل
- ★ ایسنشل (Essential) پرسانل بل
- ★ مینمم ویجز بل
- ★ سٹینڈنگ آرڈرز بل
- ★ انڈسٹریل اینڈ کمرشل ایمپلائمنٹ بل
- ★ انڈسٹریل سٹیٹکس (Statistics) بل
- ★ ورک مین کمپن سیشن (Compensation) بل
- ★ ورکرز چلڈرن ایجوکیشن بل
- ★ ایمپلائز کاسٹ آف لونگ (ریلیف) بل

بلوچستان میں صوبائی سطح پر صنعتی تعلقاتی ایکٹ میں صوبائی سطح پر بھی صنعتی تعلقات کمیشن کا تصور دیا گیا ہے، جبکہ مرکزی سطح پر بھی صنعتی تعلقات کمیشن قائم ہے۔ دی بلوچستان انڈسٹریل ریلیشنز بل 2014ء کے ڈرافٹ میں تنظیم سازی اور اجتماعی سوداکاری کی بنیادی روح برقرار ہے۔ البتہ اس میں لازمی ثالثی (Compulsory Arbitration) کا نیا تصور پیش کیا گیا ہے جو کہ فریقین کی باہمی رضا مندی کے خلاف حق ہڑتال کی نفی ہے۔ اسی طرح ایسے صنعتی تنازعات جو کہ ایک سے زائد صوبے کی بنیاد پر ہوں ان کے لئے ثالثی (Conciliation) کیلئے سہ فریقی مذاکراتی ادارہ اور لیبر محتسب کا تصور دیا گیا ہے جو کہ ایک طرح سے لیبر کورٹ اور لیبر اپیلیٹ ٹربیونل کے متوازی ادارہ بن جائے گا اور ایک ہی مقصد کے لئے کئی ایک فورمز بن جانے سے کئی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ایک سے زائد صوبوں سے متعلق صنعتی تنازعات کے معاملات کو حل کرنے کے لئے کوئی بھی بل 2014ء میں موت اور مکمل معذوری کا معاوضہ چھ لاکھ روپے تک بڑھا دیا گیا ہے جو کہ قابل ستائش ہے، لیکن سیشن 4 میں بالغ اور بچوں کے معاوضہ (Compensation) کو عمر اور تنخواہ کے ساتھ منتھی کیا گیا ہے جو کہ بچوں کی مزدوری پر پابندی کے خلاف ہے۔ دی بلوچستان فیکٹریز بل 2014ء میں پیشہ ورانہ سیفٹی اور ہیلتھ آفیسر رکھنے کی ذمہ داری مالک پر ہے۔ دی بلوچستان پیمنٹ آف ویجز بل 2014ء کے ڈرافٹ میں قانون کا دائرہ کار تعلیمی اداروں، ہسپتالوں اور گھروں میں رہ کر کام کرنے والے مزدوروں تک بڑھایا گیا ہے۔البتہ گھروں میں رہ کر کام کرنے والے مزدوروں کی تشریح واضح نہیں ہے۔ دی بلوچستان ایمپلائمنٹ آف چلڈرن (پروبیشن اینڈ ریگولیشن بل 2014ء میں بچوں کی ملازمت کے لئے پرکشش پروگرام کی منظوری دی گئی ہے جو کہ بچوں کی ملازمت اور مزدوروں کے آئی ایل او کے کنونشن کی نفی ہے۔ دی بلوچستان انڈسٹریل اینڈ کمرشل ایمپلائمنٹ (سٹینڈنگ آرڈر بل 2014ء) بہت بہتر ڈرافٹ ہے یہ قانون تمام صنعتی اور تجارتی اداروں پر لاگو ہوگا۔ جن میں دس یا دس سے زائد مزدور ملازم ہوں گے جبکہ سابقہ قانون میں یہ تعداد 20 یا اس سے زائد تھی، جبکہ 50 یا اس سے زائد ورکرز پر گریجوایٹی، گروپ انشورنس اور گروپ ترغیب (Incentive) سکیمز کا اطلاق ہوتا تھا، جبکہ گریجوایٹی کی رقم 40 دن کی تنخواہ سے بڑھا کر 60 دن کی تنخواہ کے برابر کر دی گئی ہے جو کہ قابل ستائش ہے۔ بیروزگاری الاؤنس کا ایک نیا تصور دیا گیا ہے جو کہ ڈاؤن سائزنگ کی صورت میں مالک (Employer) مزدوروں کو ایک سال سے پانچ سال تک ادا کریگا برطرفی کی صورت میں نوٹس دینے کی مدت ایک ماہ سے بڑھا کر تین ماہ کر دی گئی ہے۔ دی بلوچستان ورکرز چلڈرن ایجوکیشن اینڈ اسٹیبلشمنٹ آف ایجوکیشن انسٹیٹیوشنز 2014ء میں قانون کا دائرہ کار ہر گھر تک لاگو کیا گیا ہے اور ہر گھر جس میں گھر کا فرد کمائی کر رہا ہے۔ 100 روپے سالانہ ایجوکیشن سیشن ادا کرے گا اور ہر مزدور جو کسی بھی ادارہ میں ملازم ہوگا تنخواہ کا 5 فیصد بطور ایجوکیشن سیشن ادا کرے گا۔ یعنی ہر گھرانہ بچوں کی تعلیم کے لئے ایجوکیشن سیشن ادا کرے گا۔ آئین پاکستان میں مفت تعلیم کی گارنٹی دی گئی ہے۔ یہ قانون اس کی بنیادی روح کے منافی ہے۔

سندھ

صوبہ سندھ نے کل دس لیبر قوانین کا اجراء کیا ہے۔ تمام قوانین ایکٹ کی شکل میں ہیں۔

جدول 1.4: صوبہ سندھ میں نافذ کردہ قوانین محنت

- ★ دی سندھ انڈسٹریل ریلشنز ایکٹ 2013ء
- ★ دی سندھ ورکرز ویلفیئر فنڈ ایکٹ 2014ء
- ★ دی سندھ ایمپلائیز اولڈ ایج ایکٹ 2014ء
- ★ دی سندھ ٹرمز اینڈ کنڈیشنز آف ایمپلائمنٹ (سٹینڈنگ آرڈر) ایکٹ 2014ء
- ★ دی سندھ فیکٹریز ایکٹ 2015ء
- ★ دی سندھ ورکرز کمپنسیشن (compnsation) ایکٹ 2015ء
- ★ دی سندھ کمپنیز پرافٹ (ورکرز پارٹی سپیشن) ایکٹ 2015ء
- ★ دی سندھ شاپ اینڈ اسٹیبلشمنٹ ایکٹ 2015ء
- ★ دی سندھ ایمپلائز سوشل سکیورٹی ایکٹ 2016ء
- ★ دی سندھ منی مم ویجز ایکٹ 2016ء

دی سندھ کمپنیز پرافٹ (ورکرز پارٹی سی پیشن) ایکٹ 2015ء میں مزدوروں پر لاگو ہونے والی دفعہ میں مزدوروں کی تعداد کو 50 سے بڑھا کر 100 کر دیا گیا ہے اس سے بہت سے مزدور محروم رہ جائیں گے۔ البتہ مزدوروں کی کیٹگریز جو اس منافع کے شیئرز سے مستفید ہونگے ان کو حکومت کی طرف سے اعلان کردہ کم از کم تنخواہ سے منتھی کر دیا گیا ہے جو کہ قابل تحسین ہے۔ ورکرز ویلفیئر فنڈ ابھی تک مرکزی گورنمنٹ کی تحویل میں ہے اور یہ ایکٹ مرکزی ورکرز ویلفیئر فنڈ کے متوازی ہے اور ابھی تک فیڈرل قانون ہی جاری ہے اس لئے یہ ایکٹ فی الحال بے اثر ہی رہے گا۔ اس کے علاوہ چونکہ یہ ایکٹ سندھ پر لاگو ہے اور ایسی کمپنیاں جن کا حقیقی کاروبار دوسرے صوبے یا اسلام آباد میں ہے اور محض مرکزی دفتر سندھ میں اس شکل میں اس فنڈ کو جمع کرنے یا اس کی تقسیم پر تنازعات جنم لے سکتے ہیں۔ مزدوروں میں منافع کی رقم کی تقسیم کے بعد بقایا رقم ورکرز ویلفیئر فنڈ آرڈیننس 1971ء کیں تحت مرکزی حکومت کے پاس جمع ہوتی ہے، جبکہ سندھ گورنمنٹ نے اپنا ایکٹ نافذ کیا ہے۔ یہ ایک الجھاؤ اور پیچیدگی ابھی تک موجود ہے۔ سندھ ورکرز ویلفیئر فنڈ ایکٹ 2014ء سندھ گورنمنٹ نے ورکرز ویلفیئر فنڈ ایکٹ 2014ء نافذ کر کے مرکزی ورکرز ویلفیئر فنڈ آرڈیننس کو منسوخ کر دیا ہے اس سلسلہ میں آجروں اور مزدوروں میں یہ الجھاؤ موجود ہے کہ وہ مرکزی حکومت کو فنڈ دیں یا صوبائی حکومت کیونکہ یہ صورتحال ایک متوازن قانون کی سی ہے یہ سقم موجود ہے۔ دی سندھ ایمپلائیز اولڈ ایج بینی فٹس ایکٹ 2014ء کے نفاذ کے باوجود یہ متنازعہ صورت حال موجود ہے کہ مرکزی حکومت اور صوبوں میں EOBI کے فنڈز (Funds) کیسے تقسیم ہوں یا مرکزی ہی میں رہیں اور ان کے انتظامیہ امور کون چلائے گا۔ فی الحال یہ فنڈز مرکزی حکومت کی تحویل میں ہیں اور مزدور تنظیموں کی اکثریت بھی اس کو مرکز میں ہی رکھنے کی حامی ہے۔ اس لحاظ سے سندھ حکومت کا یہ ایکٹ ابھی نافذ العمل نہیں ہو سکتا۔ اس ایکٹ کے نفاذ کے باوجود یہ سوالات اور معاملات موجود ہیں کہ EOBI کے اثاثہ جات کس حکومت کی تحویل میں رہیں۔ ان فنڈز (Funds) کے انتظامی امور کیسے طے ہوں گے۔ ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں جانے والے مزدوروں کی پنشن کے معاملات کیسے طے ہوں گے۔ موجودہ صورتحال میں ای او بی آئی کے فنڈز کی صوبائی سطح پر وصولی اور ان کی انتظامی امور مرکزی اور صوبائی حکومت کے مابین پیچیدگیوں کا باعث بن سکتے ہیں اور حالات وواقعات سے ظاہر ہے کہ اس صورت میں تمام متعلقہ فریق بھی یکسو اور مطمئن نظر نہیں آتے۔ دی سندھ انڈسٹریل ریلشنز ایکٹ 2013ء یہ قانون نسبتاً بہتر ہے کیونکہ اس کا دائرہ کار زرعی شعبہ، ماہی گیری اور تعلیمی اداروں تک بڑھایا گیا ہے۔ دیگر اس کے جملہ دفعات زیادہ تر پرانے صنعتی تعلقاتی ایکٹ ہی ماخوذ ہیں۔ دی سندھ مینمم ویجز ایکٹ بھی کافی حد تک بہتر اور تمام صنعتی، تجارتی اداروں اور فیکٹریز پر لاگو ہوتا ہے۔ دی سندھ ٹرمز آف ایمپلائمنٹ (سٹینڈنگ آرڈر ز ایکٹ 2015ء) نیا قانون بہت بہتر ہے اور اس کا دائر ہر کار صنعتی تجارتی اور فیکٹری کے ملازم 10 مزدوروں تک پھیلایا گیا ہے اور ان کو بونس، گریجوایٹی اور لازمی گروپ انشورنس کے فوائد سے مستفید ہونے کا حق دیا گیا ہے۔ اسی طرح 20 یا اس سے زائد ملازمین والے صنعتی و تجارتی اداروں میں پرائیویٹ سکولز، تعلیمی اداروں اور ہسپتالوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

مرکزی اور صوبائی قوانین برائے صنعتی تعلقات
(Industrial Relations Acts)

محنت کے معیارات اور محنت کشوں کے حقوق کے حوالے سے صنعتی تعلقات کے قوانین بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان قوانین کے ذریعے تنظیم سازی اور اجتماعی سوداکاری، ٹریڈ یونین کی تشکیل فیڈریشن اور کنفیڈریشن کی تشکیل

سے متعلق طریقہ کار کا تعین ہوتا ہے۔ جہاں ایک طرف یہ قوانین محنت کشوں کو منظّم ہونے اور ایک اجتماعی قوت بننے میں مددگار ہوتے ہیں، وہاں آجروں کو بھی اپنی تنظیم بنانے اور اپنے حقوق واختیارات استعمال کرنے کی وضاحت کرتے ہیں۔ کارکنوں اور آجروں کے مابین تعاون اور کشمکش کی تمام شکلوں کا انحصار صنعتی تعلقات کے قوانین کے دائرہ کار کا اہم جز و ہے، انہی قوانین کے ذریعے حق ہڑتال کا استعمال یا تالہ بندی کے اختیارات کا تعین ہوتا ہے اور کارکنوں یا آجروں کی طرف سے غیر منصفانہ اور غیر قانونی اقدامات قابل تعذیر اور قابل گرفت ہوتے ہیں اور لیبر کورٹ اور اپیلٹ ٹربیونل میں انفرادی اور اجتماعی تنازعات کے حل کا نظام وضع کیا گیا ہے ذیل میں ہم چاروں صوبوں کے صنعتی تعلقات ایکٹس کی اہم شقوں کا تقابلی جائزہ پیش کررہے ہیں۔

جدول 1.5: چاروں صوبائی اوروفاقی صنعتی تعلقات ایکٹس میں بعض اہم شقوں کا تقابلی جائزہ

عنوان	صوبہ پنجاب	صوبہ سندھ	صوبہ خیبر پختونخواہ	صوبہ بلوچستان	وفاق
یونین کی مجلس عاملہ (Exective body) میں اوٹ سائیڈرز (Out Siders) کی تعداد	20فیصد	25فیصد	25فیصد	25فیصد	25فیصد
یونین کی منسوخ کی شرط	اگر یونین رجسٹریشن کے دو ماہ کے اندر ریفرنڈم کے لیے درخواست نہ دیں۔ بشرطیکہ پہلے سی بی اے (CBA) موجود نہ ہو۔	صوبہ سندھ میں ایسی کوئی شرط نہیں	اگر یونین دو ماہ کے اندر رجسٹریشن کے بعد ریفرنڈم کی درخواست نہ دے بشرطیکہ سی بی اے موجود نہ ہو	اگر یونین رجسٹریشن کے دو ماہ کے اندر ریفرنڈم کے لیے درخواست نہ دیں ۔بشرطیکہ پہلے سی بی اے موجود نہ ہو۔	اگر یونین رجسٹریشن کے دو ماہ کے اندر ریفرنڈم کے لیے درخواست نہ دیں ۔بشرطیکہ پہلے سی بی اے موجود نہ ہو۔
ریفرنڈم میں ووٹ کی فیصد کے حساب سے	اگر مسلسل دو ریفرنڈم میں 15 فیصد سے کم ووٹ لے تو منسوخ ہوجائے گی	ایسی کوئی شرط نہیں	اگر ایک بار ریفرنڈم میں 15 فیصد سے کم ووٹ حاصل کرے تو منسوخ ہو جائے گی	اگر ایک ہی بار ریفرنڈم میں 15 فیصد سے کم ووٹ حاصل کرے تو منسوخ ہوجائے گی۔	اگر ریفرنڈم میں 10 فیصد سے کم ووٹ حاصل کرے تو منسوخ ہوجائے گی۔
خواتین کارکنوں کی یونین کی مجلس عاملہ میں لازمی نمائندگی	جس قدر تعداد خواتین کارکنوں کی ملازم ہو اسی نسبت سے مجلس عاملہ میں لازمی نمائندگی	ایسی کوئی شرط نہیں	ایسی کوئی شرط نہیں	ایسی کوئی شرط نہیں	خواتین ورکرز کے تناسب کے مجلس عاملہ میں لازمی نمائندگی۔
زراعت اور فشریز میں یونین سازی کی	کوئی نہیں	سندھ میں زرعی کارکنوں اور فشریشنز میں ٹریڈ یونین کی اجازت ہے۔	نہیں	نہیں	نہیں

عنوان	صوبہ پنجاب	صوبہ سندھ	صوبہ خیبر پختونخواہ	صوبہ بلوچستان	وفاق
صوبائی سطح پر نیشنل انڈسٹریل ریلیشنز National Relations Commision	نہیں ہے	نہیں ہے	نہیں ہے	صوبائی سطح پر این آئی آر سی موجود ہے۔	وفاقی سطح پر این آئی آر سی موجود
انڈسٹری وائز یونین (Industaral Union)	نہیں ہے	نہیں ہے	نہیں ہے	صوبائی این آر سی انڈسٹری وائز یونین رجسٹرڈ کر سکتا ہے۔	نہیں ہے
فیڈریشن کی رجسٹریشن	دو یا دو سے زائد رجسٹرڈ یونین فیڈریشن رجسٹرڈ کروا سکتی ہیں	دو یا دو سے زائد رجسٹرڈ یونینز فیڈریشن بنا سکتی ہیں۔	دو یا دو سے زائد یونینز فیڈریشن بنا سکتی ہیں۔	دو یا دو سے زائد یونینز فیڈریشن بنا سکتی ہیں۔	دو یا دو سے زائد یونینز فیڈریشن بنا سکتی ہیں۔
کنفیڈریشن کی رجسٹریشن	دو یا دو سے زائد رجسٹرڈ فیڈریشنز کنفیڈریشن بنا سکتی ہیں۔	کنفیڈریشن کا ذکر نہیں ہے۔	دو یا دو سے زائد فیڈریشن بنا سکتی ہیں	دو یا دو سے زائد رجسٹرڈ فیڈریشنز کنفیڈریشن بنا سکتی ہیں	چار رجسٹرڈ یونینز جن کا تعلق دو یا دو سے زائد صوبوں سے ہے فیڈریشن یا کنفیڈریشن بنا سکتی ہیں۔
تیسری یونین کی رجسٹریشن	کل مزدوروں کا 20 فیصد	کل مزدوروں کا 20 فیصد	کل مزدوروں کا 20 فیصد	کل مزدوروں کا 20 فیصد	کل مزدوروں کا 20 فیصد

اگر ہم اس تقابلی جائزہ کو تحریر میں لائیں تو یہ صورتحال سامنے آتی ہے۔ آئی ایل او، پاکستان کی مزدور تحریک بشمول پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کے بعد یورپی یونین کی 2016 کی رپورٹ برائے جی ایس پی پلس میں واضح طور پر تنقید کی گئی ہے کہ درج ذیل اداروں کے ملازمین حقِ انجمن سازی اور صنعتی تعلقات کے قوانین کے اطلاق سے محروم ہیں اور تمام مرکزی و صوبائی ایکٹ میں یہ قدغنین یکساں ہیں۔

- ★ پولیس، ڈیفنس سروسز آف پاکستان وہ تنصیبات جو کہ مسلح افواج کے تصرف میں ہوں یا ان سے منسلک ہوں اور وفاقی حکومت کے تحت آرڈیننس فیکٹری۔
- ★ وہ جو ریاست کی ایڈمنسٹریشن میں ہوں علاوہ ریلوے اور پاکستان پوسٹ کے کارکنوں کے۔
- ★ پی آئی اے کارپوریشن کے سیکیورٹی سٹاف کے ممبران جو گریڈ 5 سے کم تنخواہیں نہ وصول کر رہے ہیں اور ایئرلائنز کی سیکیورٹی سٹاف وغیرہ جن کو حکومت بذریعہ نوٹیفکیشن واضح کرے۔
- ★ پاکستان سیکیورٹی پرنٹنگ کارپوریشن اور سیکیورٹی پیپرز لمیٹڈ۔
- ★ ایسے ادارے جو بیمار، ذہنی معذور وغیرہ کا علاج کرتے ہیں ماسوائے ان کے جو کمرشل بنیادوں پر کام کر رہے ہیں۔
- ★ واچ اینڈ وارڈ، سیکیورٹی اور فائر سروسز سٹاف جس کا تعلق آئل ریفائنری اور ایئر پورٹ سے ہو۔
- ★ قدرتی گیس اور مائع پٹرولیم گیس کی پیداوار، ترسیل اور تقسیم کی سیکیورٹی اور ائر سروسز پر مامور افراد۔
- ★ وہ ادارے جو تعلیم اور ہنگامی حالات میں خدمات سرانجام دیتے ہوں ماسوائے ان اداروں کے جو کمرشل بنیادوں پر کام کر رہے ہیں۔

آئینی اور آئی ایل او کے معیارات کے تحت صنعتی، تجارتی اور دیگر اداروں کے ان تمام ملازمین اور کارکنوں کو تنظیم سازی اور اجتماعی سودا کاری کی آزادی حاصل ہونی چاہئے اور صرف انتظامیہ سے وہ ارکان جن کو کسی کو ملازمت میں رکھنے یا ملازمت سے برخاست کرنے کے اختیارات ہوں۔ ان کو ٹریڈ یونین سے باہر ہونا

چاہئے، لیکن یہ ایک المیہ ہے کہ ہمارے قوانین میں ابھی تک کارکنوں اور انتظامیہ کی تعریف میں بعض ابہام پائے جاتے ہیں۔ نیز بعض اداروں کو خواہ مخواہ ٹریڈ یونین قوانین سے باہر رکھا گیا ہے، حالانکہ ماسوائے فوج اور پولیس کے تمام اداروں میں کام کرنے والے ملازمین اور کارکنوں کو تنظیم سازی کا حق ہونا چاہیے اور یہی ہمارے ملک کے 1973ء کے آئین کی حقیقی روح ہے۔ اس لئے ماسوائے فوج اور پولیس جن اداروں و کارکنوں کو تنظیم سازی کے حق سے محروم رکھا گیا ہے۔ ان کا یہ حق بحال ہونا ضروری ہے اور یہی آئی ایل او کے کنونشن 87 اور 98 کی حقیقی روح کی عکاسی کا مظہر ہوگا۔

- تمام صوبوں اور وفاق میں تیسری یونین کی رجسٹریشن کے لئے کل مزدوروں کی 20 فیصد ممبر شپ لازمی ہے، اگر پہلے سے موجود دو یونینز مالکان کے ایما پر بنی ہوں تو حقیقی نمائندہ یونین کی رجسٹریشن کافی مشکل ہو جاتی ہے۔
- یونین کی مجلس عاملہ میں خواتین کی نمائندگی ان کی ادارہ میں تعدادی کی نسبت وفاق اور پنجاب میں لازمی ہے، جبکہ باقی صوبوں میں نہیں ہے۔
- سندھ میں یونین کی رجسٹریشن کے بعد دو ماہ کے اندر اندر ریفرنڈم کے لئے درخواست کی کوئی شرط نہیں ہے، جبکہ دیگر صوبوں اور وفاق میں یہ شرط موجود ہے بشرطیکہ پہلے سے موجود سی بی اے نہ ہو اور نئی یونین دو ماہ کے اندر اندر ریفرنڈم چیلنج نہ کرے تو منسوخ ہو جائے گی۔
- صوبہ پنجاب میں دو لگاتار ریفرنڈم میں 15 فیصد سے کم ووٹ لینے والی یونین منسوخ ہو جائے گی، جبکہ دیگر تین صوبوں میں ایک ہی ریفرنڈم میں 15 فیصد سے کم ووٹ لینے والی یونین منسوخ ہو جائے گی، جبکہ وفاق میں 10 فیصد سے کم ووٹ لینے والی یونین منسوخ ہوگی۔
- زراعت اور ماہی گیری میں صرف صوبہ سندھ میں تنظیم کی آزادی ہے۔ دیگر صوبوں اور وفاق میں نہیں ہے۔
- ابھی تک غیر رسمی شعبوں (ماسوائے سندھ زرعی کارکنوں اور ماہی گیری کے) دیگر شعبوں ہوم بیسڈ ورکرز، گھروں میں جا کر کام کرنے والے مزدوروں اور دیگر شعبوں میں مزدور قوانین کا اطلاق نہیں ہے۔
- یہاں اس امر کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ صوبہ سندھ میں کسی ادارے کی قانونی تشریح یوں کی گئی ہے۔ کوئی دفتر، فیکٹری، سوسائٹی، فرم کمپنی، دوکان، زرعی دفتر، تعلیمی ادارہ اور ماہی گیری سے متعلق کوئی بھی ایسا دفتر یا ادارہ جو کہ صوبہ سندھ میں واقع ہو۔ براہ راست یا ٹھیکیدار کے ذریعے کارکن بھرتی کرتا ہو۔

باکس 1.2: تیسری یونین کی رجسٹریشن کی شرائط کے ذریعے حقیقی نمائندہ یونین کی رجسٹریشن کیلئے مشکلات

صنعتی تعلقات کے قوانین میں پہلی دو یونینز کی رجسٹریشن کے لئے مزدوروں کی لازمی تعداد کا کوئی تعین نہیں ہے کوئی پانچ دس یا پندرہ بیس کارکن یونین کی تشکیل اور عہدیدار منتخب کر کے رجسٹریشن کیلئے کاروائی رجسٹرار کے پاس جمع کروا سکتے ہیں کم ممبران اور عہدیداران کو مالکان کی طرف سے ڈرا دھمکا کر یا لالچ دے کر یونین سازی سے منحرف کروانا یقیناً مشکل ہوتا ہے کیونکہ تھوڑی تعداد میں زیادہ تر پرعزم اور با اعتماد ارکان شامل ہوتے ہیں جبکہ تیسری یونین کے لئے کم از کم بیس فیصد ممبران کی شرط کی وجہ سے زیادہ کارکنان پر یونین مشتمل ہوتی ہے اولاً تو اتنی تعداد میں کارکنوں کو جبرً اور بے روز گاری کے حالات میں منظّم اور قائل کرنا ہی مشکل کام ہے اور پھر ان کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے مالکان ان میں چند ایک کارکنوں کو دھونس دھاندلی یا لالچ دے کر یونین کی تشکیل سے منحرف کروا کر بیان دلوا لیتے ہیں جس سے یونین کی رجسٹریشن کو مسترد کرنے کا جواز پیدا ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ تیسری یونین کی تشکیل ایک مشکل بلکہ ناممکن کام ہے اور فیڈریشنز اس سے اجتناب کرتی ہیں تا کہ مزدور خواہ مخواہ روزگار سے محروم ہو کر انتقامی کاروائی کا نشانہ نہ بن سکیں۔ PWC کی گزشتہ رپورٹ میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ تیسری یونین کی رجسٹریشن کے لئے 20 فیصد کی شرط کا خاتمہ کیا جائے، لیکن یہ تا حال موجود ہے۔ جس کی وجہ حقیقی نمائندہ مزدور تنظیم سازی عملی طور پر یہ ناممکن ہے۔

سہ فریقی موثر مشاورات کے بغیر قانون سازی

اگرچہ 18ویں ترمیم کے بعد صوبوں نے قانون سازی کی ہے، لیکن یہ امر باعث حیرت اور باعث تشویش ہے کہ تمام صوبوں میں جو بھی قانون سازی ہوئی ہے۔ وہ محکمہ محنت کے اہلکاروں اور حکومت کی طرف سے یکطرفہ طور پر ڈرافٹ کر کے لاگو یا پاس کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں دیگر متعلقہ فریقین سے مشاورت کے عمل کو یکسر نظرانداز کیا گیا ہے، جبکہ توثیق شدہ آئی ایل او کنونشنز 144 کے مطابق قوانین سازی و اصلاحات کے لئے متعلقہ فریقین کے ساتھ سہ فریقی مشاورت لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان قوانین میں بعض ایسی کمیاں اور خامیاں موجود ہیں جن کو آسانی سے دور کیا جا سکتا تھا۔ مثلاً پنجاب کے صنعتی تعلقات ایکٹ میں پچاس کارکنوں تک یونین سازی پر پابندی کا قانون قطعی غیر ضروری اور آئین پاکستان کے منافی اور آئی ایل او کے کنونشنز کی خلاف ورزی تھا اور جس کی وجہ سے پنجاب حکومت کو خواہ مخواہ تنقید کا نشانہ بننا پڑا اور بالآخر بعد از

خرابی بسیار یہ قانون ختم بھی کرنا پڑا۔اسی طرح دیگر صوبوں کے قوانین میں بہتری کی ایسی گنجائش موجود ہے جس سے کسی فریق کے مفادات پر کوئی زد نہیں پڑتی، لیکن چونکہ حکومتوں کا اکثر وطیرہ ہے کہ وہ سب کچھ یکطرفہ طور پر طے اور لاگو کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے دیگر متعلقہ فریقین سے موثر مشاورت کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔جس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ان قوانین پر عملدرآمد میں بعض بے جا قسم کی دشواریاں پیش آتی ہیں۔

18 ویں ترمیم کے بعد چونکہ قوانین اور یونینز کا دائرہ کار صوبوں تک محدود رہ گیا ہے، لیکن بعض اہم مزدور تنظیموں کو خراب کرنے یا ان کو پریشان کرنے کے لئے بعض مالکان ایک صوبے سے کسی دوسرے صوبے میں بھی ایک آدھ دفتر قائم کر لیتے ہیں اور تنظیم کو بین الاصوبائی بنا کر اس کی رجسٹریشن کو این آئی آر سی (NIRC) کی دائرہ کار میں لے جاتے ہیں۔جس سے یونین کو خواہ مخواہ صوبے سے این آئی آر سی میں رجسٹرڈ کروانا پڑتا ہے اور یونین کے سفری اخراجات بڑھ جاتے اور وقت کا ذیاں علیحدہ ہوتا ہے۔

18 ویں ترمیم کے بعد صوبہ سندھ نے ای او بی آئی اور ورکرز ویلفیئر فنڈ کے صوبائی قوانین باقاعدہ اسمبلی سے منظور کروائے ہیں۔فی الحال یہ ادارے مرکزی حکومت کی تحویل میں ہیومن ریسورس اور اوورسیز پاکستانیز کی وزارت کے تحت ہیں۔اس طرح یہ قوانین ایک طرح سے مرکز کے متوازی ہیں جس سے کئی پیچیدگیاں جنم لے رہی ہیں۔حکومت سندھ اور پنجاب حکومت نے سپریم کورٹ میں ان اداروں کو صوبائی تحویل میں دینے کے لئے اپیلیں کر رکھی ہیں جہاں پر مقدمات زیر التواء ہیں۔بہتر صورت حال یہ ہوگی کہ چاروں صوبائی حکومتیں اجتماعی مفادات کی کونسل (Council of Common Interest) میں اس مسئلہ کو باہمی مشاورت سے حل کریں، تاکہ 18 ویں ترمیم کے بعد کا عبوری دور ختم ہو اور جو بھی فیصلہ ہونا ہے وہ ایک بار کر لیا جائے۔اس سلسلہ میں صوبہ پختونخواہ اور بلوچستان کی صوبائی اسمبلیوں نے متفقہ قراردادیں منظور کر رکھی ہیں۔جن کے تحت ای او بی آئی اور ورکرز ویلفیئر فنڈ کو مرکزی حکومت کی تحویل میں رکھنے پر زور دیا گیا ہے۔ اسی طرح زیادہ تر نمائندہ مزدور تنظیمیں بھی ان اداروں کو مرکزی حکومت کی تحویل میں رکھنے کی حامی ہیں تاکہ تمام صوبوں اور مرکز کے مزدور یکساں طور پر ان اداروں سے مستفید ہو سکیں اور جن صوبوں میں ان اداروں کے لئے فنڈز کم جمع ہوتے ہیں، تاہم مزدوروں کے ان اہم اداروں کے بارے میں مقدمات کا جلد از جلد فیصلہ ہونا چاہئے تاکہ لمبے عرصے سے موجود غیر یقینی کی صورتحال کا خاتمہ ہو سکے۔

آئینی منتقلی برائے 18 ویں ترمیم اور قوانین محنت کو درپیش چیلنجز کے ضمن میں اس امر پر تمام فریقین اور مرکزی صوبائی حکومتوں کے درمیان اتفاق ہے کہ ریٹائرڈ جسٹس شفیع الرحمٰن کمیشن کی سفارشات کے مطابق تمام قوانین محنت کو چھ قوانین (مسودات) میں اکٹھا کر لیا جائے۔چھ ممکنہ قوانین یہ ہو سکتے ہیں۔

- وہ جو صنعتی تعلقات کے زمرے میں آتے ہوں۔
- وہ جو اجرتوں کے تقرر اور ادائیگی سے متعلق ہوں۔
- وہ جو ملازمتوں اور حالات کار سے متعلقہ ہوں۔
- وہ جو پیشہ وارانہ صحت اور سلامتی کے بارے میں ہوں۔
- وہ جو انسانی وسائل کی ترقی کے بارے میں ہوں۔
- وہ جو مزدوروں کی فلاح و بہبود اور سماجی تحفظ سے متعلق ہوں۔

اس کے علاوہ تمام قوانین کو سادہ اور آسان زبان میں لکھنے کی ضرورت ہے اور قوانین میں مسلسل تحقیق اور ارتقا کی ضرورت ہے اور ہر قسم کی قانون سازی کے عمل میں تمام فریقین کے ساتھ مشاورت کا عمل لازمی اور پورا کرنا ضروری ہے۔

محکمہ محنت کی استعداد کار

اس امر سے تو سبھی بخوبی آگاہ اور تسلیم کرتے ہیں کہ صنعتی پیداوار اور پیداواری عمل کو ہموار اور تسلسل کے ساتھ رواں دواں رکھنا ملکی معیشت کے لئے انتہائی اہم ہے اور صنعتی پیداوار کے تسلسل کے لئے آجر اور اجیر کے مابین بہتر قابل عمل اور پائیدار تعلقات ہی صنعتی امن کی حقیقی ضمانت ہیں۔ان تعلقات کے لئے ضروری ہے کہ مزدوروں کے قوانین جیسے بھی ہیں ان پر ان کی حقیقی روح کے مطابق عملدرآمد کو یقینی بنایا جائے اور ان قوانین پر عملدرآمد کی تمام تر ذمہ داری محکمہ محنت کے حکام اور اہلکاروں پر منحصر ہے۔یہ محکمہ محنت ہی ہے جس کو مزدوروں کے بنیادی حقوق مثلاً تنظیم سازی اور اجتماعی سوداکاری کی آزادی، ملازمتوں پر تقرری نامہ اور ملازمین کا سروس ریکارڈ، کم از کم اجرت کے حصول کو یقینی بنانا، حالات کار اور اوقات کار کو قانونی دائرہ کار میں رکھنا، محنت کشوں کے لئے صحت وسلامتی کے لئے مناسب ماحول مہیا کرنا با تنخواہ چھٹیوں کا قانون کے مطابق حصول، خواتین مزدوروں کے تحفظ اور ان کے دیگر حقوق پر خصوصی توجہ دینا، کم عمر بچوں کی غیر قانونی مزدوری کی نگرانی اور ان کو ملازمتوں سے دور رکھنا اور ایسے ہی تمام حقوق کو یقینی بنانا اور مزدوروں کے قوانین پر موثر عملدرآمد کروانا ہوتا ہے، لہٰذا جی ایس پی پلس پر موثر عملدرآمد کے سلسلہ میں محکمہ محنت کی استعداد اور کارکردگی کی بنیادی اہمیت ہے۔اس محکمہ کی فعالیت ہی جی ایس پی پلس پروگرام کی کامیابی سے مشروط ہے۔

لیکن عملی طور پر دیکھا جائے تو گزشتہ کئی دہائیوں سے حکومتوں کی آجر نواز پالیسیوں اور سرمایہ کاری کے لئے نام نہاد مناسب بہتر اور دوستانہ ماحول مہیا کرنے کے نام پر محکمہ محنت کی افادیت اور اہمیت دیگر محکموں کی نسبت کافی کمزور اور کم ہوکر رہ گئی ہے۔ لمبے عرصہ تک لیبر انسپکشن پر غیر قانونی پابندی رہنے اور اب بھی کڑی شرائط کے ساتھ بحالی جیسے اقدامات کی وجہ سے محکمہ محنت کی کارکردگی مسلسل زوال پذیر ہے۔ یہ امر باعث حیرت اور باعث تشویش ہے کہ محکمہ محنت میں افرادی قوت آج بھی وہی ہے جو 1972ء میں تھی، جبکہ سبھی جانتے ہیں کہ اتنے لمبے عرصہ میں صنعتی اور تجارتی اداروں میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے نئے نئے صنعتی علاقے (Industral Estaets) وجود میں آئے ہیں شہروں کے پھیلاؤ کی وجہ سے فاصلے بہت بڑھ گئے ہیں اور مناسب افرادی قوت اور سفری سہولتوں کے بغیر ان تمام صنعتی وتجارتی اداروں میں مزدوروں کے حقوق کی دیکھ بھال اور نگرانی مزدوروں کے قانونی حقوق و مراعات کو یقینی بنانا اور موثر لیبر انسپکشن کے ذریعے مزدوروں کے حقوق کو پائمال کرنے والے آجروں کا احتساب اور ان کے خلاف تادیبی کاروائی کرنا محکمہ محنت کی استعداد کار کو بڑھائے بغیر ناممکن ہے۔ اگر اداروں میں نمائندہ مزدور تنظیمیں موجود ہوں تو پھر بھی مزدور اپنی اجتماعی قوت کی وجہ سے عام لیبر قوانین پر عملدرآمد کروانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، لیکن چونکہ حکومتی پالیسیوں کی وجہ سے مزدور تنظیمیں رجسٹرڈ نہیں ہو پا رہیں لہذا قوانین پر عملدرآمد کی صورتحال انتہائی ابتری کا شکار ہے۔

جہاں تک مزدور تنظیموں کا تعلق ہے ان کی ہمیشہ خواہش رہی ہے کہ محکمہ محنت خود مختار مؤثر اور فعال ہو اس کی استعداد کار بڑھے اس کے اہلکاروں کی تعداد مناسب حد تک بڑھائی جائے اور ان کو جدید تقاضوں کے مطابق ہنر سکھایا جائے، تاکہ وہ اپنی تمام تر ذمہ داریاں احسن طریقے سے سرانجام دے سکیں۔ آج صورتحال یہ ہے کہ فیکٹریوں کی ناقص تعمیر، ہنگامی حالت میں مناسب اقدامات اور لازمی آلات اور سامان کی عدم موجودگی وغیرہ کی وجہ سے سنگین ترین حادثات اور خوفناک آگ لگنے جیسے واقعات بڑھ گئے ہیں جس میں سینکڑوں مزدور جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔

مشرف دور حکومت میں اقتدار کی مقامی سطح پر منتقلی کی وجہ سے محکمہ محنت کے تنظیمی ڈھانچہ کو صوبے اور ضلعی سطح پر استوار کیا گیا تھا اور ضلعی ناظم کے تحت کر دیا گیا تھا، لیکن مقامی حکومتوں کے خاتمہ کے بعد ناظموں کا عمل دخل ختم ہو گیا تھا اور اب مقامی حکومتوں کا نظام بھی تبدیل کر دیا گیا ہے اور سابقہ کمشنری نظام بحال کر دیا گیا ہے اور اس کی مناسبت سے محکمہ محنت کا بھی پرانا تنظیمی ڈھانچہ بحال کر دیا گیا ہے۔ اگر ہم گزشتہ سال کے صوبہ پنجاب کے محکمہ محنت کے سالانہ بجٹ پر نظر دوڑائیں تو صوبہ پنجاب کی بجٹ دستاویزات کے مطابق 2014-2015ء کا بجٹ تقریباً 60 کروڑ روپے تھا۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس محکمہ کو اس قدر مالی وسائل حاصل نہیں جس قدر اس کی اہمیت اور افادیت ہے۔

لیبر انسپکشن (Labour Inspection) کی کارکردگی

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی گزشتہ رپورٹ میں لیبر انسپکشن پر ایک تفصیلی مضمون شامل تھا۔ جس میں لیبر انسپکشن کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے لیبر انسپکشن کو مضبوط اور بہتر بنانے کے لئے اہم تجاویز دی گئی تھیں۔

یہ بات تمام فریقین جن میں آجر، اجیر اور حکومت شامل ہیں پر واضح ہے کہ پیداواری عمل اور صنعتی تعلقات میں لیبر انسپکشن کا کس قدر اہم اور لازمی کردار ہے، کیونکہ صرف لیبر انسپکشن کے ذریعے بعض اہم امور اور زمینی حقائق سامنے آسکتے ہیں۔ مثلاً

- کیا کسی ادارہ یا فیکٹری کی بلڈنگ محفوظ اور وہ مقررہ معیار کے مطابق ہے اور اس سے کسی ناگہانی حادثہ کے امکانات کم سے کم ہیں۔
- ہنگامی حالت میں اس سے باہر نکلنے اور ہنگامی حالات سے نبٹنے کے لئے مناسب سامان اور آگ پر قابو پانے جیسے آلات موجود ہیں۔
- مزدوروں کی صحت وسلامتی کے لئے حالات کار مناسب ہیں اور پیشہ ورانہ بیماریوں سے محفوظ رہنے کا بندوبست موجود ہے۔
- اگر فیکٹری میں کوئی بوائیلر (Boiler) لگا ہے تو اس کا معائنہ اور باضابطہ سرٹیفکیٹ حاصل کیا گیا ہے۔
- مزدوروں کے بنیادی حقوق کی نگہداشت ان کی کم از کم اجرت کی ادائیگی، ملازمتوں پر تقرری نامے، قانون کے مطابق حالات کار اور اوقات کار کو یقینی بنایا گیا ہے۔
- فیکٹری میں کینٹین (Canteen) کا بندوبست اور فیئر پرائس شاپ (Fair Price Shop) اور دیگر اہم لوازمات موجود ہیں۔
- خواتین کارکنوں کا تحفظ اور ان کے تمام حقوق کو یقینی بنایا گیا ہے۔
- کم عمر بچوں کی بھرتی اور مزدوری کو روکنے کے لئے مناسب بندوبست کیا گیا ہے۔

یہ تمام امور جی ایس پی پلس پر عملدرآمد سے براہِ راست متعلق ہیں لہذا فوری ضرورت تھی کہ لیبر انسپکشن کو موثر بنایا جائے۔لیکن پاکستان میں محکمہ محنت جس کا لیبر انسپکشن بھی اہم حصہ ہے کی اہمیت اس امر سے واضح ہوجاتی ہے کہ محکمہ محنت اور لیبر انسپکٹرز کی جو تعداد 1972ء میں تھی آج بھی وہی ہے، حالانکہ اس عرصہ میں صنعتی اور تجارتی اداروں میں بے پناہ اضافہ ہوگیا ہے،شہر میں پھیل گئے ہیں صنعتی علاقوں تک رسائی کے فاصلے بڑھ گئے ہیں اور بغیر مناسب سفری سہولتوں کے فیکٹریوں اور اداروں کا معائنہ اور لیبر انسپکشن ممکن بھی نہیں ہے اور اتنی کم تعداد کے ساتھ لیبر انسپکٹرز مکمل دیانتداری اور یکسوئی کے ساتھ لیبر انسپکشن کرنا بھی چاہیں تو یہ ان کے بس میں نہیں ہے۔

اس پر بھی مزید قابل تشویش امر یہ ہے کہ ہمارے آجر حضرات اور حکومت کی نظر میں بھی لیبر انسپکشن کوئی اہمیت نہیں رکھتی اور ماضی میں آئی ایل او کے کنونشن 18 کی توثیق کے باوجود پنجاب میں لیبر انسپکشن پر اعلانیہ پابندی لگا دی گئی اور یہ پابندی 10 سال برقرار رہی، جبکہ صوبہ سندھ نے بھی پنجاب کی تقلید کی۔اسی عرصہ میں تمام مزدور تنظیموں نے اس غیر قانونی پابندی پر شدید احتجاج کیا،لیکن بالآخر یہ پابندی اس وقت ختم ہوئی جب مختلف اداروں میں حادثات رونما ہوئے اور جن میں سینکڑوں مزدور جان سے ہاتھ دھو بیٹھے،لیکن آج بھی لیبر انسپکشن بعض پابندیوں کے ساتھ بحال ہوئی ہے۔

ہم نے گزشتہ رپورٹ میں لیبر انسپکشن کے حوالے سے ٹھوس تجاویز دی تھیں جن میں اہم تجویز یہ تھی کہ لیبر انسپکشن کو ایک مرکزی اتھارٹی کے تحت علیحدہ منظّم کیا جائے اور لیبر انسپکٹر ایسے لوگ رکھے جائیں جن کی اس شعبہ میں مکمل مہارت اور تربیت کی جائے اور ان کو وہ تمام جدید سامان اور آلات مہیا کئے جائیں جو ایک حقیقی اور موثر لیبر انسپکشن کے لئے ضروری ہوں اور ان کو کسی بھی ادارہ یا فیکٹری کی حسب ضرورت لیبر انسپکشن کی مکمل آزادی ہو اور پھر دوران معائنہ جو بھی حقائق ان کی نظر میں آئیں ان کی بھرپور رپورٹنگ کرنے اور ان کو محکمہ کی ویب سائٹ(Web Sites) پر ظاہر کرنے کی کھلی چھٹی ہو تاکہ تمام متعلقہ فریق لیبر انسپکشن کے نتائج سے واقف ہوسکیں اور ایک شفاف صورت حال سامنے آسکے۔ صرف اسی طرح سے فیکٹریوں اور اداروں میں غیر قانونی اقدامات کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے لمبے عرصے کی حکمت عملی کے زاویہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ تمام متعلقہ فریقین کے حق میں ہے۔

لیکن جی ایس پی پلس کے تیسرے سال بھی لیبر انسپکشن میں کوئی بنیادی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے۔فی الحال وہی پرانا نظام چل رہا ہے۔البتہ لیبر انسپکشن پر نیدر لینڈ کے تعاون سے آئی ایل او اور حکومت پاکستان کا ایک پروجیکٹ چل رہا ہے جس میں لیبر انسپکٹرز کی تربیت کا سلسلہ جاری ہے،لیکن ابھی تک زمینی حقائق میں اس تربیت کا کوئی خاص عملی مظاہرہ نہیں ہوا اور نہ ہی لیبر انسپکشن میں کوئی قابل ذکر تبدیلی رونما ہوئی ہے۔

گزشتہ رپورٹ میں ہم نے لیبر انسپکشن کے بارے میں درج ذیل تجاویز دی تھیں۔PWC آج بھی اپنی گزشتہ تجاویز کا اعادہ کرتی ہے۔

- ★ ایک آزاد اور خودمختار لیبر انسپکشن اتھارٹی کا قیام جو کسی اور محکمہ کی ذیلی شاخ نہ ہو۔
- ★ اعلیٰ تعلیم یافتہ پروفیشنل اور اپنے کام میں مکمل مہارت رکھنے والے لیبر انسپکٹرز ہی ملازمت پر رکھے جائیں۔
- ★ لیبر انسپکٹر کی مکمل ٹریننگ اور ان کی استعداد کار بڑھانے کا مستقل انتظام اور اس کے لئے کوئی باضابطہ ادارہ جو یہ کام کرے۔
- ★ لیبر انسپکٹر کو انسپکشن کے لئے کسی کی اجازت کی ضرورت نہ ہو اور وہ جب چاہے جس وقت چاہے کسی بھی ادارہ کی انسپکشن کرنے کا مجاز ہو۔
- ★ جو کچھ فیکٹری یا ادارے سے معلومات اکٹھی ہوں ان کو ویب سائٹ پر مشتہر کردیں تاکہ ان کی تصدیق زمینی حقائق کے مطابق کی جاسکے۔
- ★ اگر تمام متعلقہ فریق (Stakeholders) راضی ہوں تو لیبر انسپکشن کے لئے سہ فریقی کمیٹیاں بھی تشکیل دی جاسکتی ہیں، تاکہ ان کے حاصل کردہ نتائج پر کسی کو اعتراض کا موقع نہ مل سکے۔
- ★ لیبر انسپکٹرز کی تعداد اس قدر لازمی ہو کہ وہ تمام صنعتی و تجارتی اور دیگر اداروں کی آسانی سے انسپکشن کرسکیں اور ان کی ماہانہ سہ ماہی ششماہی سالانہ رپورٹس مرتب کرسکیں۔
- ★ لیبر انسپکٹر کو مناسب تنخواہیں اور دیگر وسائل مہیا ہوں تاکہ وہ آسانی سے خریدے نہ جاسکیں اور ٹرانسپورٹ اور دیگر ضروری آلات مہیا ہوں، تاکہ وہ تیزی سے حرکت کرسکیں۔
- ★ لیبر انسپکشن کے سلسلہ میں مالکان کے علاوہ ٹریڈ یونینز کو بھی صورتحال سے آگاہ رکھا جائے اور ان کی باضابطہ شرکت کو یقینی بنایا جائے۔

- ★ مرکزی اتھارٹی ہر سال لیبر انسپکشن کی ملک گیر رپورٹ شائع کرے، تاکہ تمام متعلقہ اندرونی و بیرونی ادارے اس سے آگاہ رہیں۔
- ★ لیبر انسپکشن کو روکنے والے مالکان اور انتظامیہ اور سیاسی عناصر کی بے جا مداخلت کے تمام دروازے بند رہنے چاہیئں۔
- ★ بدلتے ہوئے حالات میں صحت و سلامتی کے نئے آلات اور نئے طریقہ کار اور تدابیر پر مبنی لٹریچر تمام متعلقہ فریقوں کو مہیا کیا جائے۔
- ★ لیبر انسپکشن کا دائرہ کار رسمی شعبوں کے ساتھ غیر رسمی شعبوں تک بھی بڑھایا جائے۔
- ★ آئی ایل او کنونشن 81 حالات کار میں تبدیلیوں کی وجہ سے افادیت کھو بٹھا ہے ضروری ہے کہ حکومت پاکستان اس کی جگہ جدید کنونشن نمبر 155 اور 186 کی توثیق کرے۔

باکس 1.3: گڈانی شپ بریکنگ یارڈ (Gaddani Ship Breaking Yard) میں خوفناک حادثہ

دنیا کے تیسرے بڑے شپ بریکنگ یارڈ میں یکم نومبر 2016ء کو ایک خوفناک حادثہ ہوا، جبکہ تیل کے لئے استعمال ہونے والے جہاز کو توڑنے کے عمل کے دوران ایسی خوفناک آگ بھڑک اٹھی جس کو تین دن تک بجھایا نہ جاسکا۔ اس خوفناک آگ کی وجہ سے 18 مزدور جل کر مر گئے، جبکہ 60 شدید زخمی ہوئے۔
گڈانی شپ بریکنگ یارڈ میں مزدور قوانین پر کسی طرح سے عملدرآمد نہیں ہوتا۔ مزدوروں کو ٹھیکیداری نظام کے تحت ملازمتوں پر رکھا جاتا ہے اور ان کو تنظیم سازی کی آزادی میسر نہیں ہے اور نہ ہی ان کو سوشل سکیورٹی اور ای او بی آئی میں رجسٹریشن کی سہولت ہے۔ یہاں پر مزدوروں کو صحت و سلامتی کے آلات بھی میسر نہیں ہیں کہ وہ خود کو حادثات سے محفوظ رکھ سکیں۔ یہاں پر لیبر انسپکشن کے ذریعے کبھی ان حالات کا تجزیہ نہیں کیا گیا کہ یہاں پر مزدوروں کو کیسے حالات میں کام کروایا جاتا ہے اور لیبر قوانین پر کس حد تک عملدرآمد کروایا جاتا ہے۔ مزدوروں کے اس قدر بے کسی کی حالت میں ہلاکت اس امر کی غماز ہے کہ صوبائی محکمہ محنت اور صوبائی حکومت مزدوروں کے بارے میں کس قدر حساس اور فکر مند ہے اور وہ مزدوروں کی صحت و سلامتی کے مسائل کو کس قدر اہمیت دیتی ہے۔ اس سارے المیہ کے بعد ان تمام ذمہ داروں کو جو مزدوروں کو ٹھیکیداروں اور منافع خوروں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر خود اپنی آئینی ذمہ داریوں کے لاتعلق ہو چکے ہیں ان کو بھی مالکان اور ٹھیکیداروں کے ساتھ بھرپور احتساب کے عمل سے گزارنا چاہئے تاکہ مزدوروں کے اس قدر سستے خون کا حساب لیا جاسکے۔
یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ گڈانی شپ بریکنگ یارڈ میں جب کام عروج پر ہو تو یہاں پر مزدوروں کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ جاتی ہے، جبکہ اکثر معمول کے حالات میں بھی ان کی تعداد تین ہزار سے پانچ ہزار کے درمیان موجود ہوتی ہے اتنی بڑی تعداد میں مزدوروں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لئے مناسب اقدامات نہ ہونا بذات خود ایک المیہ سے کم نہیں ہے۔

ایکسپورٹ پراسسنگ زونز (Export Processing Zones)

حکومت نے ایکسپورٹ بڑھانے کے لئے ملک کے مختلف حصوں میں ایکسپورٹ پراسسنگ زونز قائم کئے ہیں جہاں پر سرمایہ کاری کرنے والوں کو بہت سی سہولیات اور مراعات سے نوازا گیا ہے۔

ان زونز کو وزارت انڈسٹری کے تحت ایک خود مختار ادارہ (Export Prossing Zone Authority) کنٹرول کرتی ہے۔ زونز میں موجود اداروں پر بجلی اور گیس کا کوئی ٹیکس نہیں ہے۔ ان میں سرمایہ کاری کی کوئی حد نہیں ہے۔ مشینری منگوانے پر بھی سرمائے کی کوئی قید نہیں ہے۔ یہاں پر مزدور قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا اور یہ صرف مجاز اتھارٹی کی مرضی سے لاگو ہو سکتے ہیں۔ ان زونز میں گارمنٹس، سپورٹس، کیمیکلز، الیکٹرک، لیدر، پلاسٹک، فوڈ پراسیسنگ، فرنیچر اور کھلونے بنانے کے کارخانے ہیں۔

ان زونز کی پالیسی اور مزدور قوانین کے عدم نفاذ میں جی ایس پی پلس کے بعد بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی اور ان میں کام کرنے والے مزدور بدستور یونین سازی اور دیگر مزدور قوانین سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ ان اداروں میں اجرتوں کے معیار اور دیگر سہولیات بارے صورتحال غیر واضح ہے۔

ایکسپورٹ پراسسنگ زونز اتھارٹی آرڈیننس 1980ء اور ایکسپورٹ پراسسنگ زون (کنٹرول ایمپلائمنٹ) ایکٹ 1982ء کے مطابق ان زونز میں آئی آر او (صنعتی تعلقاتی آرڈیننس) کا اطلاق نہیں ہوتا ہے اس لئے یہاں پر تنظیم سازی اور اجتماعی سودا کاری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ یہ زونز درج ذیل قوانین محنت کے دائرہ کار سے بھی باہر ہیں۔

- ★ ورک مینز کمپنسیشن ایکٹ 1923ء
- ★ فیکٹریز ایکٹ 1934ء
- ★ پے منٹ آف ویجز ایکٹ 1936ء

- کم ازکم اجرتوں کا آرڈیننس 1961ء
- پروفیشنل ایمپلائیز سوشل سکیورٹی آرڈیننس 1965ء
- ویسٹ پاکستان انڈسٹریل اینڈ کمرشل ایمپلائمنٹ (سٹینڈنگ آرڈرز) آرڈیننس 1968ء
- ویسٹ پاکستان شاپس اینڈ اسٹیبلمنٹس آرڈیننس 1969ء
- ایمپلائز اولڈ ایج بینی فیٹس ایکٹ 1976ء

وزارت صنعت و پیداوار کے مطابق پورے ملک میں ایکسپورٹ پراسسنگ زونز میں کل 301 صنعتیں ہیں اوران میں اندازاً 40 ہزار مزدور کام کرتے ہیں۔ جن میں سے 70 فیصد خواتین کارکن ہیں۔

جدول 1.6: ایکسپورٹ پراسسنگ زونز کے بارے میں اہم اعداد و شمار

ایکسپورٹ پراسسنگ زونز	برآمدات (ملین ڈالر)	رقبہ (ایکڑز)
کراچی	386.998	385
سینڈک	88.935	1284
ڈاڈر	0.000[a]	1500
رسالپور	1.110	92
سیالکوٹ	0.660	238
طوارکی	3.092	220
گجرانوالہ	0.055	113
گوادر	0.000[a]	1000
ملک گیر سطح پر یونٹوں کی تعداد	301	
ملازمین کی تعداد	40,000 (تقریباً)	
خواتین کارکنان	70 فی صد (تقریباً)	

بحوالہ: وزارت صنعت کی سالانہ رپورٹ 2013-14 اور 2014-15

کراچی میں اعلیٰ معیار کی ملبوسات، کیمیکلز، کھلونے، پلاسٹک اور انجینئرنگ کا سامان تیار ہوتا ہے۔ سیالکوٹ میں آلات جراحی، کھیلوں کا سامان اور چمڑے کی مصنوعات تیار ہوتے ہیں۔ رسالپور میں ٹریڈنگ، ویرہاؤسنگ، فرنیچر اور انجینئرنگ کے کارخانے ہیں۔ گوجرانوالہ میں لائٹ انجینئرنگ اور کنزیومر ڈیورایبل تیار ہوتے ہیں۔

a) ترقیاتی کام کے باعث پیداواری کام شروع نہیں کیا جاسکا۔

جی ایس پی کی رعایت کا برقرار رہنا حکومت آجروں اور کارکنوں سب کے لئے یکساں فائدہ اضافے اور زرمبادلہ کے حصول کیلئے اہم ذریعہ ہے۔ اس سلسلہ میں حکومت کو ایکسپورٹ پراسسنگ زونز میں موجود تمام اداروں اور صنعتوں کو لیبر قوانین کے دائرہ کار میں لاتے ہوئے آئی ایل او کے 8 بنیادی لیبر معیارات کو تمام صنعتوں میں نافذ کرنا چاہیئے، تاکہ جی ایس پی پلس کی رعایت کو برقرار رکھا جائے۔

کم ازکم اجرت کے تعین کے لئے نظام (Minimum Wage Boards) اوران کی کارکردگی

چاروں صوبوں اور مرکز میں کم ازکم اجرت مقرر کرنے کے لئے کم از کم اجرت بورڈز موجود ہیں جو ایک غیر ہنر مند مزدور کی کم ازکم اجرت کا تعین کرتے ہیں یہ اس لئے ضروری ہے کہ بیروزگاری اور غربت اور معاشی بدحالی کی وجہ سے مزدوروں کو بہت ہی کم اور من مانے معاوضہ پر کام پر لگا کر ان کا بدترین استحصال نہ کیا جا سکے۔

صوبائی حکومتیں مینیمم ویج بورڈ کے ایک چیئرمین اور ایک آزاد نمائندے کا تقرر کرتی ہیں۔ ان دونوں کا تعلق آجروں اور مزدوروں کی تنظیموں سے نہیں ہوتا اور یہ مزدور قوانین اور معاشی معاملات کے بارے میں کافی علم رکھتے ہوں۔ حکومت پنجاب نے ڈائریکٹر جنرل لیبر ویلفیئر پنجاب کو بھی اس کا ممبر بنا دیا ہے۔ اس کے علاوہ دو نمائندے آجروں اور مزدوروں کی تنظیموں سے لئے جاتے ہیں اگر حکومت کی طرف تسلیم شدہ نمائندہ آجروں اور مزدور تنظیموں نے اس مقصد کے لئے اپنی طرف سے نمائندے نامزد کئے ہوں تو ان کو بھی بورڈ کی رکنیت کے لئے مدنظر رکھا جاتا ہے، چونکہ مزدوروں کو مختلف صنعتوں اور شعبوں کے حوالے سے مختلف شعبوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس لئے ہر شعبوں کے مزدوروں کی کم ازکم اجرت کے تعین کے لئے اس مخصوص شعبہ سے متعلق ایک آجر اور ایک مزدور نمائندہ کو بھی بورڈ میں شامل کیا جاتا ہے۔ کم ازکم اجرت تمام مزدوروں کی محنت کے حساب سے جیسے گھنٹوں روزانہ ہفتہ وار یا ماہوار محنت کی اجرت کے حساب سے مقرر کی جاتی ہے۔ اسی طرح ٹھیکیداری یا پیس رٹ پر کام کرنے والوں کے لئے بھی اس حساب سے معاوضہ مقرر کیا جاتا ہے تاکہ وہ کم ازکم اجرت سے کم وصول نہ کرسکیں اسی اجرت کی بنا پر مقررہ اوقات سے زائد کام کرنے والے مزدوروں کے لئے اوور ٹائم (Over Time) اور اس کی ادائیگی کا تعین ہوتا ہے۔ سفری اخراجات، بونس، گریجوایٹی اور پراویڈنٹ فنڈ وغیرہ کو کم ازکم اجرت کا حصہ تصور نہیں کیا جاتا۔ کم ازکم

اجرت کی بنیاد معاشی حالات اور مہنگائی پر منحصر ہوتی ہے اور بورڈ ممبران ان حالات کی روشنی میں کم ازکم اجرت کا تعین کرتے ہیں۔ یہ بورڈ اپنی سفارشات مرتب کر کے صوبائی حکومت کو ارسال کرتے ہیں۔

اور متعلقہ حکومت بذریعہ نوٹیفکیشن کم ازکم اجرت کا اعلان کرتی ہیں۔ اگر ادارے یہ اجرت ادا نہیں کرتے تو ان کے خلاف قانونی کاروائی ہوسکتی ہے اور اگر پہلی دفعہ کوئی آجر کم ازکم اجرت سے انکاری ہو یا ادا نہ کرتا ہو تو ثابت ہونے پر پنجاب میں اسے چھ ماہ قید اور 20 ہزار روپے جرمانہ تک سزا ہوسکتی ہے اور اگر دوبارہ یہی جرم ثابت ہو جائے تو چھ ماہ قید اور 50 ہزار روپے تک جرمانہ کیا جا سکتا ہے اس سزا کو لیبر کورٹ میں چیلنج کیا جا سکتا ہے جس کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بورڈ کم ازکم اجرت کی ادائیگی کے بارے میں معلومات اکٹھا کرنے کے لئے فیکٹریوں اور اداروں میں انسپکٹرز کو بھجوا سکتا ہے جو تمام ریکارڈ کی تحقیق کر سکتے ہیں اور ان انسپکٹرز کو فیکٹری میں داخلہ سے نہیں روکا جا سکتا۔ جہاں تک کوئلہ اور دیگر معدنیات کی کانوں کے مزدوروں کا تعلق ہے تو ان کی اجرت کے تعین کے لئے ان کا اپنا ویج بورڈ ہوتا ہے جو سہ فریقی بنیاد پر استوار ہوتا ہے اور کوئلہ کی کانوں کے مزدوروں کی اجرت کا تعین کرتا ہے، جبکہ اخباری کارکنوں کے لئے ان کا اپنا ویج ایوارڈ ہوتا ہے اور ان کا ویج بورڈ مرکزی حکومت مقرر کرتی ہے اور یہ ویج ایوارڈ اخباری کارکنوں کے معاوضوں کا اسی طرح سہ فریقی بنیاد اپنی سفارشات کے تحت مقرر کرتا ہے۔

یہ بات عملی مشاہدہ کی ہے کہ اکثر نجی اداروں اور فیکٹریوں میں کم ازکم اجرت ادا نہیں کی جاتی اور پھر مزدوروں سے 12,12 گھنٹے ڈیوٹی لی جاتی ہے اور زائد وقت کا اوور ٹائم بھی نہیں دیا جاتا۔ مالکان اس مقصد کے لئے یا تو دوہرا ریکارڈ بنا لیتے ہیں یا پھر رقم لکھے بغیر تنخواہ کی وصولی پر دستخط کروا لیتے ہیں۔ بعض اوقات کچی پنسل سے رقم لکھ لی جاتی ہے اور بعد میں اسی کو ربر سے صاف کر کے مرضی کی رقم لکھ لی جاتی ہے۔ اگرچہ مزدوروں کو یہ حق ہے کہ وہ کم ازکم اجرت نہ ملنے کی شکایت کر سکیں، لیکن جو مزدور بھی ایسی جرأت کرے اس کو نوکری سے نکال دیا جاتا ہے اور پھر اس کی ملازمت کا کوئی تحفظ نہیں ہوتا اور نہ اس کو ملازمت پر بحالی کے لئے آسانی سے انصاف ملتا ہے۔ اکثر اداروں میں مزدوروں کے پاس تقرری نامے اور سوشل سکیورٹی اور ای او بی آئی کی رجسٹریشن کارڈز بھی نہیں ہوتے اسی لئے وہ لیبر کورٹ میں مقدمات کرنے سے گھبراتے ہیں پھر انصاف کا حصول تھکا دینے والا مہنگا عمل ہے جو انفرادی طور پر مزدور برداشت نہیں کر سکتے۔

لیکن یہ بات واضح ہے کہ اکثر حکومتی ادارے اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ کن کن اداروں میں کم ازکم اجرت نہیں دی جاتی لیکن اکثر ذمہ دار حکام اس سے چشم پوشی کرتے ہیں اور مالکان کی ملی بھگت سے اپنا ذاتی مفاد حاصل کرتے ہیں اور یوں مزدور انتہائی بے بسی اور بے کسی سے کم ازکم اجرت کے حصول سے بھی محروم ہیں۔ جہاں تک ہنرمند اور پہلے سے موجود پرانے مزدوروں کا تعلق ہے تو ان کو بھی کم از کم اجرت ہی ادا کرنا زیادتی ہے، کیونکہ ان کو اپنے تجربے کی بنیاد پر زیادہ اجرت دی جانی چاہئے اور جس نسبت سے کم ازکم اجرت میں اضافہ ہو کم ازکم اسی تناسب سے ان کی اجرتوں میں بھی اضافہ کیا جانا ضروری ہے۔

گزشتہ کئی سالوں سے کم ازکم اجرت کا تعین سیاسی پارٹیوں اور حکومتوں کا ایک سیاسی نعرہ بن گیا ہے اور کم از کم ویج بورڈز کے بجائے حکومتی سربراہ یوم مئی (May Day) یا بجٹ کے موقع پر کم ازکم تنخواہ کا اعلان کرتے ہیں اور بورڈز اس کے جواز کے لئے اپنی کاروائی مکمل کرتے ہیں۔ ان بورڈز کی نمائندگی کے لئے لازمی طور پر آجروں اور مزدوروں کی تسلیم شدہ نمائندہ تنظیموں سے ممبران نامزد کروائے جائیں۔ یہ بورڈز اپنی سفارشات کی ایک اوسط کنبہ اور اس کی کم ازکم غذائی، لباس وغیرہ اور دیگر ضروریات کو مدنظر رکھ کر تیار کریں اور چونکہ یہ اجرت سال میں صرف ایک بار مقرر کی جاسکتی ہے اس لئے ضروریات کا بھرپور تجزیہ کرتے ہوئے یہ اجرت مقرر کی جائے اور پھر اس کے جواز کی مناسب تشہیر کی جائے۔

جدول 1.7: سرکاری اعلان کردہ غیر ہنرمند کارکنوں کی کم ازکم اجرتوں کا رجحان ظاہری (Nominal) اور حقیقی (Real) اجرتوں کا موازنہ (پاکستانی روپوں میں)

سال	ظاہری اجرت	حقیقی اجرت
2008	4,600	
2009	6,000	5,128
2010	7,000	5,434
2011	7,000	4,779
2012	8,000	4,921
2013	10.000	5,727
2014	12,000	6,328
2015	13,000	6,541
2016	14,000	6,828
2008 سے کم ازکم اجرتوں میں اضافہ	8,000	2,226 (6 فیصد سالانہ)

بحوالہ: پاکستان کا وفاقی بجٹ اور پاکستان بیورو آف شماریات (Statistics) 2008ء سے 2016ء تک کے اعداد و شمار

درج بالا جدول میں سرکاری سطح پر اعلان کردہ غیر ہنرمند کارکنوں کی کم از کم اجرتوں کی ظاہری اور حقیقی اجرتوں کا موازنہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ ایک غیر ہنر مند کارکن کے روزانہ 8 گھنٹے کی محنت کی کم از کم ماہانہ اجرت ہے مگر اعلان کردہ اجرتوں اور ان پر عملدرآمد میں وسیع فرق موجود ہے۔ جیسا کہ جدول نمبر 1.8 سے ظاہر ہے۔

جدول 1.8: مختلف شعبوں میں ادا کردہ اوسط اجرتیں اور ان اجرتوں میں صنفی امتیاز کا تناسب

معیشت کے اہم شعبے	اجرتوں کا تناسب (فی صد) خواتین کارکنان بہ نسبت مرد کارکنان		2014-15 اوسط اجرتیں پاکستانی روپے	
	2008-09	2014-15	مرد کارکن	خواتین کارکن
زرعی شعبہ	59	70	9,041	6,344
صنعت وحرفت	39	38	14,465	5,434
کنسٹرکشن (تعمیراتی شعبہ)	79	89	12,040	10,705
ہول سیل اور تجارت	96	100	10,710	10,740
فنانس اور انشورنس	89	62	38,806	24,114
پبلک ایڈمنسٹریشن اور ڈیفنس	67	92	25,946	23,935
شعبہ تعلیم	75	62	28,408	17,644
شعبہ صحت	75	78	24,604	19,161
دیگر خدمات	50	80	9,589	7,670
گھریلو خدمات	37	48	10,601	5,078

بحوالہ لیبر فورس سروے 2009 تا 2015

2009ء سے 2015ء کارکنوں کی اکثریت زراعت اور صنعت و حرفت (Manufacturing) کے شعبوں میں بحیثیت ہنر مند کارکن اور کاریگر کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ ان دو شعبوں میں اوسط اجرتیں سب شعبوں سے نہ صرف کم ہیں، بلکہ سرکاری اعلان کردہ کم از کم اجرت سے بھی کم ہیں۔ سرکاری اعداد وشمار بھی اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ دو تہائی سے زیادہ کارکنان کی اجرتیں کم از کم قانونی اجرتوں سے بھی کم ہیں اس پر مستزاد اجرتوں کے حوالے سے صنفی امتیاز ہے جو انتہائی گمبھیر مسئلہ ہے۔ صنعت و حرفت (Manufacturing) جن میں ٹیکسٹائل اور گارمنٹس کے برآمدی شعبے بھی شامل ہیں یہاں خواتین اور مرد کارکنان کی اجرت میں 38 نسبت 100 کا وسیع فرق موجود ہے۔

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن اس بات پر زور دیتی ہے کہ اجرتوں کے نظام میں بڑے پیمانے پر اصلاح کی ضرورت ہے۔ کم از کم اجرت مقرر کرنے کا پیمانہ اس بات پر ہونا چاہیے کہ گھرانے کو اپنی زندگی کی ساری ضرورتیں (Cost of Living) پوری کرنے کے لیے کتنے اخراجات کرنے پڑتے ہیں۔ ذیل میں جدول 1.8 کے ذریعے ایک محنت کش کنبہ (میاں بیوی 3 بچے) کی بنیادی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے اخراجات کا ایک خلاصہ پیش کیا گیا ہے یہ اعداد و شمار سرکاری ذرائع سے حاصل کیے گئے اور 1970 سے بنیادی ضرورتوں کے اخراجات (Cost of Living) کے رجحانات کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس جدول کے مطابق جنوری 2017 میں ایک کنبہ کے کم از کم ماہانہ اخراجات چالیس ہزار پانچ سو انیس روپے ہیں۔

جدول 1.9: پانچ ممبران پر مشتمل (میاں بیوی، 3 بچے) ایک محنت کش خاندان کی ماہانہ بنیادی مالی ضروریات کا خلاصہ

پاکستانی روپیوں میں

پیریڈ	خوراک	گھریلو سامان	ٹرانسپورٹ	گھر کا کرایہ	متفرقات	سردیوں اور گرمیوں کے کپڑے	جوتے	بستر وغیرہ	کل ماہانہ اخراجات
جنوری 1970ء	142.00	20.75	5.00		17.72	18.95	8.00	2.64	215.06
جنوری 1990ء	1,018.00	560.00	130.00	700.00	225.60	271.66	87.50	35.25	3,028.01
جنوری 2000ء	3,763.60	3,047.50	800.00	900.00	764.40	629.16	172.50	222.87	10,300.03
جنوری 2012ء	9,964.48	4,400.00	977.50	1,500.00	980.00	895.85	200.00	192.70	19,110.53
جنوری 2014ء	11,767.80	7,750.00	1,200.00	3,500.00	1,750.00	1,268.74	262.50	237.75	27,736.79
جنوری 2016ء	11,938.88	11,600.00	1,800.00	6,500.00	2,282.00	1,495.00	358.33	241.66	36,215.87
جنوری 2017ء	13,724.00	12,100.00	2,000.00	7,500.00	2,625.00	1,496.00	383.00	691.00	40,519.00

نوٹ: یہ جدول پاکستان ورکرز فیڈریشن کی اس سلسلے میں کی جانے والی تحقیق کو پیش نظر رکھ کر تیار کیا گیا ہے۔

ای او بی آئی (EOBI) میں کارکنان کے اندراج کی صورتحال

ای او بی آئی یعنی ایمپلائز اولڈ ایج بینی فٹس انسٹیٹیوشن وہ ادارہ ہے جو مزدوروں کو ریٹائرمنٹ کے بعد یا دوران ملازمت فوتگی کی صورت میں ان کی بیوگان اوران کے لواحقین کوپنشن کی ادائیگی کرتا ہے۔جس کے تمام قوائد وضوابط اس کے آرڈیننس میں موجود ہیں۔ای او بی آئی میں مزدوروں کی رجسٹریشن میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ایک قدرتی اور لازمی امر ہے، کیونکہ نئی رجسٹرڈ ہونے والی فیکٹریوں یا پرانے غیر رجسٹرڈ کارکنوں کے دباؤ کی وجہ سے رجسٹریشن میں اضافہ کرنا پڑتا ہے اور پھر محکمہ کے اہلکاروں کے لئے بھی وقتاً فوقتاً ٹارگٹ مقرر کئے جاتے ہیں کہ وہ بتدریج رجسٹریشن میں اضافہ کریں۔البتہ جتنی بھاری تعداد ای او بی آئی میں رجسٹریشن کی حقدار ہے اگران سب کو رجسٹرڈ کیا جا سکے تو تعداد میں کئی گنا اضافہ ممکن ہے اور اس سے ادارے کی آمدن میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو سکتا ہے اب جبکہ پانچ کارکنوں کے ادارے تک ای او بی آئی کا قانون لاگو ہے ملک بھر میں بے شمار صنعتی اور تجارتی ادارے اس کے دائرہ کار میں آتے ہیں، لیکن محکمے کی مخصوص پالیسیوں کی وجہ سے تمام کارکنوں کو یکدم رجسٹرڈ نہیں کیا جاتا اور مالکان کے ساتھ باہمی رضامندی سے معاملات کو چلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ذیل میں ہم مالی سال 2014ء اور 2015ء کے اعداد و شمار کا موازنہ درج کر رہے ہیں۔

جدول 1.10: پاکستان بھر میں EOBI کے حوالے سے اعداد وشمار

عنوان	2014ء	2015ء	اضافہ
صوبہ پنجاب			
رجسٹرڈ کارکنوں کی تعداد	3,064,048	3,272,133	208,085
محکمہ کو ملنے والی کنٹری بیوشن (ملین روپے)	6,414.064	6,700.332	286.268
عمر کی بناء پر پنشنز کو ملنے والی رقوم (ملین روپے)	4,701.610	5,011.258	309.648
معذور پنشنز کو ملنے والی رقوم (ملین روپے)	92.719	99.705	6.986
پسماندگان کی پنشن (ملین روپے)	2,707.168	2,901.072	193.904
صوبہ سندھ			
رجسٹرڈ کارکنوں کی تعداد	2,270,412	2,418,691	148,279
محکمہ کو ملنے والی کنٹری بیوشن (ملین روپے)	4,535.540	4,617.731	82.191
عمر کی بناء پر پنشنز کو ملنے والی رقوم (ملین روپے)	3,059.286	3,330.749	27.163
معذوروں کو ملنے والی پنشن کی رقوم (ملین روپے)	72.583	77.007	4.424
پسماندگان کو ملنے والی پنشن کی رقوم (ملین روپے)	1,646.377	1,759.166	112.789
صوبہ خیبر پختونخواہ			
رجسٹرڈ کارکنوں کی تعداد	362,588	380,004	17,416
محکمہ کو ملنے والی کنٹری بیوشن (ملین روپے)	644.408	659.954	15.546
عمر کی بناء پر پنشنز کو ملنے والی رقوم (ملین روپے)	1,113.528	1,160.291	46.763
معذوروں کو ملنے والی پنشن کی رقوم (ملین روپے)	30.831	32.245	1.414
پسماندگان کو ملنے والی رقوم (ملین روپے)	698.858	347.561	351.297 کمی
صوبہ بلوچستان			
رجسٹرڈ کارکنوں کی تعداد	108,427	113,262	4,835
محکمہ کو ملنے والی کنٹری بیوشن (ملین روپے)	212.848	200.235	12.613

عنوان	2014ء	2015ء	اضافہ
عمر کی بنا پر پنشنز کو ملنے والی رقوم (ملین روپے)	130.363	139.959	9.596
معذوروں کو ملنے والی پنشن کی رقوم (ملین روپے)	2.375	2.931	556
پسماندگان کو ملنے والی پنشن (ملین روپے)	81.679	88.427	6.748
وفاقی علاقہ جات			
رجسٹرڈ کارکنوں کی تعداد	267,746	294,382	26,636
محکمہ کو ملنے والی کنٹری بیوشن (ملین روپے)	930.637	930.426	211
عمر کی بنا پر پنشنز کو ملنے والی رقوم (ملین روپے)	299.336	358.052	58.716
معذوری کی بنا پر ملنے والی بنی فٹس (ملین روپے)	4.51	5.027	4.576
پسماندگان کو ملنے والی بنی فٹس (ملین روپے)	89.262	99.850	10.588

حوالہ ای او بی آئی ڈیپارٹمنٹ

★ ان اعداد و شمار کی روشنی میں ظاہر ہوتا ہے کہ ای او بی آئی کی رجسٹریشن میں بھی اضافہ بتدریج ہو رہا ہے اور یکدم تمام حق دار کارکنوں کی رجسٹریشن کو کئی گنا بڑھایا نہیں جا رہا۔ شاید محکمہ اور مالکان کی باہمی رضامندی سے ہی یہ بتدریج اضافہ ہو رہا ہو۔ وگرنہ جب 5 کارکنوں والے اداروں تک ای او بی آئی کا دائرہ کار بڑھا دیا گیا ہے تو بڑی تعداد میں حقدار کارکن اس زمرے میں آتے ہیں۔

★ ہماری خواہش ہے کہ اس ادارے کا دائرہ کار خود روزگار کارکنوں تک بڑھایا جائے رفتہ رفتہ غیر رسمی شعبوں کے مزدوروں مثلاً گھروں میں رہ کر کام کرنے والے مزدوروں، گھروں میں جا کر کام کرنیوالے مزدوروں اور زرعی شعبہ تک اس کو لے جانے کیلئے منصوبہ بندی کی جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ محنت کش اس سے مستفید ہو سکیں۔

★ اس سلسلے میں پاکستان ورکرز کنفیڈریشن (PWC) کی گزشتہ رپورٹ میں EOBI اور سوشل سیکورٹی کے حوالے سے مندرجہ ذیل سفارشات پیش کی گئی تھیں۔

★ 18ویں آئینی ترمیم کے بعد یہ ادارہ ایک طرح سے منجمد ہو کر رہ گیا ہے۔ مرکزی حکومت اس ادارہ کے حوالے سے قانون سازی سے گریزاں ہے، جبکہ صوبائی حکومتوں میں سے سندھ اور پنجاب کی حکومتیں اس کو صوبائی حکومتوں کے سپرد کرنے کی خواہشمند ہیں۔ حکومت سندھ کچھ ضرورت سے زیادہ سرگرم ہے اور اس نے اس بارے میں نئی آئین سازی بھی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی اس کی آمدن جو کہ کم از کم 13 ہزار روپے کی تنخواہ کا چھ فیصد ہونا چاہئے تھا۔ وہ 8000 روپے تنخواہ کی بنیاد پر منجمد ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مرکزی اور صوبائی حکومتیں مل کر کونسل آف کامن انٹریسٹ (CCI) کے فورم پر اس بارے میں کسی حتمی قابل عمل حل کی طرف بڑھیں اور اس بارے میں مزدوروں کے مفادات اور ان کی تجاویز کو بھی مدنظر رکھیں۔ 18ویں آئینی ترمیم 2010ء میں ہوئی تھی، لیکن اتنے عرصہ میں اس ادارے کے بارے میں حتمی فیصلہ نہ ہونا سیاسی پارٹیوں اور حکومتوں کی عدم دلچسپی کا اظہار ہے، جو انتہائی قابل تشویش ہے اور ادارہ کو خواہ مخواہ بھاری مالی نقصان پہنچ رہا ہے۔ اس ادارہ میں ابھی بے شمار مزید کارکنوں کو رجسٹرڈ کرنے کی گنجائش موجود ہے، لیکن اس بارے میں کوئی توجہ نہیں دی جا رہی۔ محکمے کے کارندے آجروں سے ذاتی سودا بازی کر کے حقدار کارکنوں کو رجسٹریشن سے محروم رکھ کر ان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا رہے ہیں اور یوں لاکھوں مزدور اس ادارہ کی سہولتوں کے حصول میں ناکام ہیں۔ اس ادارہ کو لازمی طور پر تمام حقدار کارکنوں کی رجسٹریشن کو یقینی بنانا چاہئے اور اس امر کا بھی خیال رہے کہ رجسٹرڈ مزدوروں کو لازمی طور پر رجسٹریشن کارڈ وصول ہوں۔

★ چونکہ یہ ادارہ مزدوروں کے مفاد میں آجروں اور کارکنوں کے فنڈز سے قائم و دائم ہے اور حکومت اس ادارہ میں محض سہولت کار (ریگولیٹری باڈی) کا فرض سرانجام دے رہی ہے۔ اس لئے اس ادارہ پر حکومت کا قطعی اور فیصلہ کن کنٹرول اس ادارہ کے نقصان اور تنزلی کا باعث بن رہا ہے۔ اس ادارہ کی سب سے بڑی اور بااختیار باڈی BOT (بورڈ آف ٹرسٹیز) ہے۔ اس ادارہ میں آجروں اور مزدوروں کے نمائندوں کی شرح 40,40 فیصد،

جبکہ حکومت کی نمائندگی 20 فیصد ہونی چاہئے اور ادارہ کی چیئر مین شپ آجروں اوراجیر کے نمائندوں میں باری باری تقسیم ہونی چاہئے۔ BOT کے لئے ارکان کی نامزدگی کا اختیار آجر اور اجیر کی نمائندہ تنظیموں کو ہونا چاہئے اور حکومت کے یہ صوابدیدی اختیارات لازمی طور پر ختم ہوں، کیونکہ ہر حکومت اپنے سیاسی حمایتوں کو نوازنے کے لئے ان کو نامزد کر لیتی ہے اور پھر ان سے اپنی مرضی سے بنائے گئے منصوبوں پر انگوٹھے لگوا لئے جاتے ہیں جس سے ادارہ میں کرپشن اور بدعنوانی کے دروازے کھلتے ہیں۔

- ★ تمام سیاسی پارٹیاں اور حکومتیں زبانی اور تحریری طور پر اس امر کو مانتے ہیں کہ مزدور اس ملک کی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی ہیں، لیکن ای او بی آئی کے فنڈز میں میچنگ گرانٹ دینے میں ہر حکومت نے مکمل کنجوسی کا اظہار کیا ہے اور محنت کشوں کے دوررس مفادات سے روگردانی کی ہے، اگر ہم دیگر سرکاری اور نیم سرکاری اداروں کی پنشن کا ای او بی آئی کی پنشن سے موازنہ کریں تو یہ کوئی مقابلہ ہی نہیں بنتا اور اگر اس معمولی پنشن کے مسلسل جاری رہنے پر شکوک وشبہات پیدا ہو رہے ہوں تو یہ صورت حال مزدور تنظیموں اور مزدوروں کے لئے انتہائی پریشان کن ہے۔
- ★ ای او بی آئی کے بارے میں سپریم کورٹ کو بھی جلد از جلد فیصلہ کرنا چاہئے اور لوٹ مار کے ذمہ دار عناصر کو عبرتناک سزا دے کر لوٹی گئی رقوم کی ریکوری کو یقینی بنانا چاہئے اور مجرم خواہ جتنے بھی بااثر کیوں نہ ہوں ان سے ہر صورت میں ریٹائرڈ کارکنان اور بیوگان کی یہ رقوم وصول کرنی چاہئیں۔
- ★ ادارہ میں تمام ملازمین کی بھرتی صرف اور صرف میرٹ کی بنیاد پر ہونی چاہئے اور سیاسی و گروہی مفادات کے تحت لوگوں کو نوازنے سے مکمل گریز کی ضرورت ہے۔
- ★ ادارہ کی رقوم کی سرمایہ کاری بہت سوچ بچار کے بعد شفاف طریقے سے صرف محفوظ پروجیکٹس میں کی جائے جہاں رقم ڈوبنے کا احتمال نہ ہو۔
- ★ ادارہ کی اپنے تمام تر اکاؤنٹس کی آڈٹ رپورٹ تمام رجسٹرڈ لیبر فیڈریشنز اور ایمپلائرز فیڈریشن کو ارسال کرنی چاہئے تاکہ تمام اسٹیک ہولڈرز ادارہ کی مالی حالت سے باخبر رہیں۔
- ★ ادارہ میں کارکنوں کی رجسٹریشن کا دائرہ کار غیر رسمی شعبوں اور خود روزگار کارکنوں تک بڑھایا جائے، تاکہ زیادہ سے زیادہ محنت کش اس ادارہ کی سہولیات سے مستفید ہو سکیں۔
- ★ کوئی ایسا شکایت سیل بنایا جائے جہاں حقدار کارکن یہ شکایت کر سکیں کہ وہ ای او بی آئی میں رجسٹریشن کے حقدار ہیں اور ان کو جان بوجھ کر نظر انداز کیا گیا ہے اور پھر ان کی اس شکایت کا فوری طور پر ازالہ کیا جائے۔

سوشل سکیورٹی (Social Security)

- ★ اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ تمام صنعتی وتجارتی اداروں کے حقدار کارکنوں کو لازماً سوشل سکیورٹی میں رجسٹرڈ کیا جائے اور ان کو باضابطہ رجسٹریشن کارڈ مہیا بلکہ وصول کروائے جائیں، کیونکہ ورکرز ویلفیئر فنڈ کی مراعات کے حصول کے لئے کارکن کے پاس سوشل سکیورٹی کارڈ ہونا ضروری ہے اور اگر اس کے پاس یہ کارڈ نہ ہوگا تو وہ میرج گرانٹ، ڈیتھ گرانٹ، بچوں کے سکول میں داخلہ، ٹیلنٹ سکالرشپ، ہاؤسنگ کالونیز اور فلیٹس وغیرہ کے حصول کا بھی حق دار نہیں ہوگا۔ جس کا اس کو ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔
- ★ اگر تمام حق دار مزدور باضابطہ رجسٹرڈ ہو جائیں تو سوشل سکیورٹی کی آمدن میں بھی بہت اضافہ ہوگا اور مزید ہسپتال اور ڈسپنسریاں اور دیگر سہولیات مہیا کرنے میں آسانی ہوگی۔
- ★ اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ کسی بھی صورت میں سوشل سکیورٹی ہسپتال اور ڈسپنسریز پر جعلی یا گھٹیا معیار کی ادویات مہیا نہ ہو سکیں۔
- ★ محکمے کے ارکان جو جان بوجھ کر حق دار کارکنان کو محض اس لئے سوشل سکیورٹی میں رجسٹرڈ نہیں کرتے کہ وہ آجروں سے ساز باز کر کے اپنی ذاتی سودا بازی کرتے ہیں۔ ان کے احتساب کا کوئی واضح طریقہ کار ہونا چاہئے تاکہ محکمہ سے کرپشن ختم ہو۔ محکمہ کا پبلک میں امیج بہتر ہو اور حقدار مزدور محروم بھی نہ رہیں۔
- ★ سوشل سکیورٹی کی گورننگ باڈی میں آجروں اور مزدوروں کے نمائندوں کا تناسب زیادہ ہونا چاہئے۔ آجر نمائندے 40 فیصد، مزدوروں کے نمائندے 40 فیصد اور حکومتی ارکان صرف 20 فیصد ہوں اور چیئر مین لازمی آجر اور ورکرز کے نمائندوں میں سے ہو جو باری باری تبدیل ہوں۔
- ★ صوبائی حکومتوں کا یہ صوابدیدی اختیار ختم ہونا لازمی ہے جس کے تحت وہ من مرضی سے اپنے سیاسی ورکرز کو نوازنے کے لئے ان کو گورننگ باڈی کا ممبر بنا دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف یہ حق فیڈریشنز اور ایمپلائرز فیڈریشن کا ہے کہ وہ خود اپنے بہترین نمائندے گورننگ باڈی کے لئے بھیجیں۔

★ سوشل سکیورٹی کا دائرہ کار غیر رسمی شعبوں تک بڑھانے کی اشد ضرورت ہے تا کہ اس میں ہوم بیسڈ ورکرز، ڈومیسٹک ورکرز، زرعی سیکٹر سے منسلک کارکن بھی رجسٹریشن حاصل کر سکیں اس بارے میں سہ فریقی کمیٹیوں میں پالیسی بنانے کی ضرورت ہے تا کہ اس کا طریقہ کار طے کیا جا سکے۔اسی طرح خود روزگار کارکنان کو بھی سوشل سکیورٹی میں رجسٹریشن کا حق ہونا چاہئے تا کہ اگر وہ فنڈز ادا کریں تو سوشل سکیورٹی سے سہولیات بھی حاصل کر سکیں۔

★ کوئی ایسا شکایت سیل بنایا جائے جہاں سوشل سکیورٹی میں رجسٹریشن کے حق دار کارکن رجسٹرڈ نہ کئے جانے کی شکایت کر سکیں اور پھر ان کی شکایت کے ازالہ کا کوئی میکنزم تیار کیا جائے۔

جی ایس پی پلس کے بعد لیبر جوڈیشری (Labour Judiciary) کی صورتحال

★ پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی سابقہ رپورٹ میں لیبر جوڈیشری کے بارے میں کافی تفصیلی روشنی ڈالی گئی تھی اور سستے اور جلد انصاف کے حصول میں مشکلات کی وجہ سے مزدوروں کی عدلیہ سے رجوع کرنے اور انصاف کے حصول کی توقعات سے مایوسی کا ذکر کیا تھا اس میں یہ بھی تجاویز دی گئی تھیں کہ لیبر عدلیہ کا کیڈر (Cadre) الگ مقرر کیا جائے اور اس میں ایسے جج کو بھرتی کیا جائے جو مزدور قوانین پر دسترس رکھتے ہوں اور بدلتے ہوئے حالات میں بین الاقوامی قوانین یا تبدیلیوں اور نئے رجحانات سے واقف ہوں اور پیداواری عمل اور پیداواری رشتوں کی نزاکت سمجھتے ہوں۔ یہ جج حاضر سروس ہوں، کیونکہ ریٹائرڈ جج زیادہ دیر تک کام کرنے سے اجتناب کرتے ہیں۔

★ لیبر عدلیہ کے جج صوبائی حکومتوں کی طرف سے بھرتی نہ کئے جائیں، بلکہ ان کو دیگر عدلیہ کی طرح ہائی کورٹس اور سپریم کورٹس یا مرکزی لاڈویژن سے بھرتی کیا جائے، تا کہ ان پر صوبائی انتظامیہ اثر انداز نہ ہو سکے۔

★ ان ججز کو تمام سروس کے لئے لیبر عدلیہ کے کیڈر میں ہی رکھا جائے، تا کہ ان کے تجربات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھایا جا سکے۔

★ ان ججز کی تنخواہیں اور مراعات دیگر ججوں کے برابر ہوں۔

★ لیبر سے متعلقہ مقدمات لازمی طور پر ایک طے شدہ عرصہ کے اندر اندر نپٹائے جانے چاہئیں۔

★ اگر لیبر کورٹس کم ہوں تو ان کی تعداد میں اضافہ کر دیا جائے،

لیکن جی ایس پی پلس کے تیسرے سال بھی لیبر جوڈیشری کی صورت حال جوں کی توں ہے اور مقدمات کے فیصلے سال ہا سال تک معرض التوا میں رہتے ہیں۔ مزدور عدلیہ سے رجوع کرنے سے کتراتے ہیں، کیونکہ وہ لمبے عرصہ تک مقدمہ بازی کا مالی بوجھ اور آئے روز عدالتوں میں حاضری کے چکر لگانے سے گھبراتے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ لیبر عدلیہ میں ایسی اصلاحات لائی جائیں کہ مزدوروں سے متعلق مقدمات جلد از جلد نپٹائے جا سکیں اور جو مالکان دیدہ دانستہ مزدوروں کے حقوق پورا نہیں کر رہے ان کو یہ خوف ہو کہ عدالتیں ان کا احتساب کر کے مزدوروں کو جائز حقوق دلوانے میں سرگرمی کے ساتھ کام کر رہی ہیں، تا کہ موجودہ صورتحال میں جو معاشرتی توازن مالکان اور آجروں کے حق میں چلا گیا ہے اس کو پھر سے متوازن کرتے ہوئے آجر اور اجیر کے لئے مساوی بنیادوں پر لایا جائے۔

نجکاری اور ٹریڈ یونین تحریک پر اثرات

پاکستان میں 1970ء کی دہائی میں جن صنعتوں، بنکوں اور نجی اداروں کو سرکاری تحویل میں لیا گیا سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد نیو ورلڈ آرڈر، لبرلائزیشن اور پرائیوٹائزیشن (New World Order Liberalisation and Privatisation) کی نئی حکمت عملی کے تحت پاکستان میں 90-1989ء ان صنعتوں اور بنکوں کو دوبارہ نجی تحویل میں دینے کا عمل زور و شور سے شروع کیا اور اس کیلئے ایک باقاعدہ پراوئیٹائزیشن کمیشن (Privatisation Commission) قائم کیا گیا۔جس کو قانونی تحفظ فراہم کیا گیا۔

پاکستان میں نجکاری کا عمل ہمیشہ متنازعہ اور اقربا پروری اور غیر شفافیت جیسے الزامات کی زد میں رہا ہے۔نجکاری کے جواز میں ابتدا میں حکومت کا یہ پروپیگنڈا تھا کہ وہ صرف بیمار صنعتی یونٹس کو نجکاری کرنے کو ترجیح دے گی، لیکن عملاً اس کے الٹ ہوا اور سب سے پہلے وہی ادارے فروخت ہوئے جو زیادہ منافع بخش تھے، پھر کہا گیا کہ اس سے صنعتوں میں نئی سرمایہ کاری آئے گی۔ان میں توسیع ہوگی نئی ٹیکنالوجی کے ساتھ پیداوار میں بہتری آئے گی، ملازمتوں کے مواقع بڑھیں

گے اور مقابلہ بازی کے رجحان کی وجہ سے قیمتوں میں کمی آئے گی اور عوام کو سستی اشیاء ملیں گی، لیکن عملاً یہی ہوا کہ اکثر ادارے بند ہوگئے کچھ کی مشینری بیچ کران کے پلاٹ بنا کر بیچ دیا گیا۔ بعض جوں کے توں رہے اور کچھ میں بہتری آئی، لیکن ملازمتوں کے مواقع بڑھنے کے بجائے اور کم ہوئے، کیونکہ پرانے ملازمین اور مزدوروں سے جن کی تنخواہیں نسبتاً بہتر تھیں اور جو تجربہ کار اور مزدور تحریک سے حاصل شدہ شعور اور جدوجہد کی وجہ سے مزدوروں کے حقوق سے آشنا تھے ان سے جان چھڑانے کے لئے ان کو گولڈن ہینڈ شیک (Golden Handshake) دے کر یا رضا کارانہ علیحدگی کی سکیموں کے ذریعے فارغ کر کے ان کی جگہ نئے عارضی اور ٹھیکیداری نظام کے تحت مزدوروں کو بھرتی کیا گیا اور ان کو قلیل معاوضوں کے ساتھ وہ تمام قانونی سہولیات بھی مہیا نہ کی گئیں جو کہ ان کا حق تھا اور اس طرح مزدوروں کی کارخانوں میں تعداد بڑھنے کی بجائے بہت کم رہ گئی اور ان پر کام کا بوجھ بہت بڑھ گیا۔ اشیائے صرف کی قیمتیں کم ہونے کی بجائے ان میں آئے دن اضافہ ہوا مالکان کی تنظیموں نے اجارہ داری کے کلچر کو فروغ دے کر پورے پورے شعبے کے لئے قیمتیں مقرر کر دیں اور تمام ممبران کو اس امر کا پابند کیا کہ وہ اس سے کم قیمت پر مال نہیں بیچیں گے۔ اس طرح کے اجارہ داری کی سیمنٹ اور شوگر اور گھی وغیرہ میں بڑی مثالیں موجود ہیں اور ان کے خلاف اجارہ داری پاکستان مسابقتی کمیشن (Competition Commission of Pakistan) نے کئی بار بھاری جرمانے عائد کئے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ایک تاثر دیا گیا کہ یہ صنعتی اور ادارے فروخت کر کے ان کی آمدن کا 90 فیصد بیرونی قرضوں کی ادائیگی میں اور 10 فیصد غربت کے خاتمے پر صرف ہوگا، لیکن آج دیکھا جا سکتا ہے کہ ملکی اور غیر ملکی قرضوں کا بوجھ کس قدر بڑھ گیا ہے اور آج ہر شہری ایک لاکھ 10 ہزار سے زائد کا مقروض ہے، جبکہ آدھی سے زیادہ آبادی غربت کی لکیر سے نیچے غرق ہو چکی ہے۔

جہاں تک نجکاری کے عمل میں شفافیت اور اقربا نوازی کا سوال ہے تو اس طرح کے کئی مقدمات ابھی عدالتوں میں زیرِ التواء ہیں۔ جن پر ابھی فیصلے آنے باقی ہیں۔ یہ ہمارے عدالتی نظام کا کمال ہے کہ یہ فیصلے کئی دہائیوں سے التواء میں ہیں جس سے بہت سی چیزیں منظرِ عام پر نہیں آسکیں۔ بعض اداروں کی نجکاری کے حوالے سے کچھ اعداد و شمار واقعی قابلِ توجہ ہیں جیسے۔ مسلم کمرشل بینک کے دو تہائی شیئرز جتنی رقم میں فروخت ہوئے پرائیویٹائزیشن کے فوری بعد ہی اس بینک کا منافع اس سے زیادہ تھا۔ کیپکو تھرمل پاور جو کہ سوئی گیس سے چلنے والا بڑا تھرمل پاور تھا اس نے نجکاری کے بعد واپڈا کو بجلی اس سے دوگنا قیمت پر فروخت کی جس قیمت پر یہ بجلی بنا رہا تھا اور صرف دو سالوں میں نجکاری میں ادا کی گئی ساری رقم وصول کر لی۔

اس طرح مہنگی بجلی کا بالواسطہ صنعتوں پر بھی منفی اثر پڑا۔ یونائیڈ بینک کی فروخت سے قبل 21 بلین روپے کی مالی امداد دی گئی۔ یعنی اس پر موجود ادائیگیاں حکومت نے اپنے کھاتے میں لے لیں، جبکہ اس کے 51 فیصد شیئرز سے صرف 12.4 بلین روپے وصول ہوئے۔

کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن (KESC) کے 73 فیصد شیئرز کی فروخت سے اس کے ذمہ واجبات جو کہ حکومت نے اپنے کھاتے میں لئے تھے کم رقم وصول ہوئی اور اس ادارے نے واپڈا سے مسلسل 700 میگاواٹ بجلی وصول کی اور یوں یہ واپڈا کا اربوں روپے کا نادہندہ ہے، جبکہ اپنے وسائل سے مزید بجلی پیدا کرنے پر بہت کم توجہ اور سرمایہ کاری کی، جبکہ ایک سروے رپورٹ کے مطابق صنعتوں میں کل 100 صنعتوں میں سے 20 فیصد پہلے سے بہتر ہوئیں، جبکہ 44 فیصد میں کوئی تبدیلی نہ آسکی، جبکہ 35 فیصد کی صورتحال پہلے سے بھی بدتر ہوئی۔

- ★ نجکاری کے نتیجے میں یا تو مزدور تنظیمیں ختم ہوگئیں یا پھر کمزور اور بے اثر ہوگئیں۔
- ★ کچھ ادارے بند ہوگئے اور ان کی پیداوار ختم ہوگئی، بیروزگاری میں اضافہ ہوا اور سرمایہ منجمد ہوگیا۔
- ★ نجی مالکان نے پرانے زیادہ تنخواہوں والے تجربہ کار اور ٹریڈ یونین تحریک سے باخبر اور مزدوروں کے حقوق سے مکمل آشنا ملازمین اور مزدوروں سے جان چھڑانے کے لئے ان کو گولڈن ہینڈ شیک اور رضا کارانہ علیحدگی سکیموں کے ذریعے فارغ کر دیا اور ان کی جگہ پر بہت کم عارضی اور ٹھیکیداری نظام کے تحت مزدوروں کو بھرتی کیا گیا۔ جس سے ملازمتوں کے مواقع مزید کم ہوئے اور مزدوروں پر کام کا بوجھ بہت بڑھ گیا۔
- ★ یہ عارضی اور ٹھیکیداری نظام کے تحت کام کرنے والے مزدور ٹریڈ یونین کی ممبر شپ سے دور رہے اور یوں مزدور مختلف خانوں میں بٹ گئے جس سے ٹریڈ یونینز کمزور ہوئیں۔
- ★ بنکوں/مالیاتی اداروں میں 27-B جیسی دفعات کے تحت کام کے اوقات میں ٹریڈ یونینز اور سرگرمیوں پر پابندیاں عائد کر دی گئیں اور یوں یہ تنظیمیں یا تو ختم یا بالکل مفلوج ہو کر رہ گئیں اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ ان بینکس اور مالیاتی اداروں میں یونینز کا نام و نشان تک ختم ہو کر رہ گیا ہے۔
- ★ پاکستان میں منظم مزدوروں کی تعداد پہلے ہی کم تھی اور نجکاری کے بعد اس میں مزید کمی آئی اور یوں ٹریڈ یونین تحریک کو بڑا دھچکا لگا۔

حکومت نے اب نئے سرے سے تمام کلیدی اداروں کو نجی شعبہ کے حوالے کرنے کا عزم کر رکھا ہے جن میں واپڈا، پاکستان، اسٹیل، او جی ڈی سی ، پی آئی اے پاکستان سٹیٹ آئل، اسٹیٹ لائف انشورنس وغیرہ شامل ہیں۔ ان اداروں کی نجکاری سے قبل ماضی میں کی گئی نجکاری کے اثرات اور اس کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر غور کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ کلیدی ادارے ہیں۔

جہاں تک سرکاری اور نجی اداروں کو بہتر انداز میں چلانے اور ان کی اچھی گورننس کا سوال ہے تو یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب تک کسی بھی ادارے میں پیشہ ور اور اپنے کام میں مکمل مہارت رکھنے والی انتظامیہ نہ ہو تو وہ ادارہ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا، اگر اداروں میں بھرتیاں اور انتظامیہ سیاسی بنیادوں پر ہوں اور پھر کرپشن اور بدانتظامی پر احتساب کا عمل بھی نہ ہو تو کوئی بھی ادارہ منافع بخش اور کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اگر نجی شعبہ بہت کامیاب ہوتا تو آج ہزاروں کارخانے بند نہ ہوتے اور ان میں لگایا گیا کھربوں کا سرمایہ منجمد نہ ہوتا اور یہ بھی یاد رہے کہ پاکستانی عوام کے خزانے سے بھی اربوں روپے کے قرضے زیادہ تر نجی شعبہ ہی کو معاف کیئے گئے ہیں۔ جس سے ان کی اہلیت وصلاحیت اور کامیابی کو جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے۔

باکس 1.4: پی آئی اے کے ملازمین پر نجکاری کے اثرات

2015ء میں حکومت پاکستان نے انٹرنیشنل مونٹری فنڈ (International Monetoery Fund) کے دباؤ کی وجہ سے پی آئی اے کو نجی شعبہ کے حوالے کرنے کے عمل کا آغاز کیا اور پی آئی اے کے قانون میں تبدیلی کرتے ہوئے پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز کارپوریشن کو ایک لمیٹڈ کمپنی میں تبدیل کر دیا۔ جس کے تحت یہ فیصلہ ہوا کہ پی آئی اے کے 87 فیصد حصص حکومت پاکستان کی ملکیت رہیں گے اور 13 فیصد حصص نجی اداروں کے حوالے کئے جائیں گے۔ پی آئی اے کو کارپوریشن سے لمیٹڈ کمپنی بنانے کے فیصلے پر جب حکومت نے عملدرآمد کرنے کی کوشش کی تو ادارے کی تمام مزدور اور افسران کی تنظیموں نے اس فیصلے کے خلاف زبردست احتجاج کیا۔ حکومت اور پی آئی اے انتظامیہ نے اس احتجاج کو طاقت کے ذریعے دبانے کی کوشش کی تو اس کشمکش میں کراچی ایئرپورٹ پر دو محنت کشوں کی پولیس کی گولیاں لگنے سے موت واقع ہوگئی۔ پولیس اور پیرا ملٹری فورس کے تشدد کی وجہ سے درجنوں ملازمین زخمی بھی ہوئے۔ اس صورتحال سے یہ احتجاج پورے ملک میں پھیل گیا اور دیگر اداروں کی یونینز اور محنت کش بھی اس تحریک کا ساتھ دینے کے لئے میدان عمل میں کود پڑے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے حکومت پاکستان نے پی آئی اے پر ''لازمی سروس کا قانون'' نافذ کر کے ملازمین کے حق ہڑتال پر پابندی عائد کر دی اور سینکڑوں ملازمین کو ہڑتال میں حصہ لینے کی پاداش میں شوکاز نوٹس (Show Cause Notice) جاری کئے گئے۔ لازمی سروس کا قانون جس کا اطلاق 1952ء سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ اس قانون کے کسی بھی ادارے پر لاگو ہونے کے بعد اس ادارے کے ملازمین اگر اس قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہڑتال کرنے یا دیگر سرگرمیاں جاری رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ادارے کی انتظامیہ انہیں نہ صرف ملازمت سے برخاست کر سکتی ہے، بلکہ انہیں ایک سال تک سزا بھی ہوسکتی ہے۔ اس قانون کے تحت ہونے والی برطرفی کے خلاف کسی بھی عدالت میں اپیل نہیں کی جاسکتی اور سی بی اے (CBA) یونین کی سوداکاری کرنے کی سہولت سمیت انتظامیہ کے ساتھ باہمی مشاورت کی قانونی سہولت اور ہڑتال کرنے کا قانونی حق بھی معطل ہوجاتا ہے۔

حکومت پاکستان نے پی آئی اے پر اس قانون کے اطلاق سے آئی ایل او کے کنونشنز 87 اور 97 کی کھلی خلاف ورزی کی ہے۔ یہ قانون آئی ایل او کنونشنز کی نفی کرنے کے ساتھ پاکستان کے لیبر قوانین کی بھی خلاف ورزی ہے۔ اس قانون کے اطلاق کے بعد محنت کش قومی اور صوبائی سطح پر موجود لیبر قوانین سے استفادہ کرنے سے محروم ہوجاتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ آئین پاکستان میں دیئے گئے بنیادی انسانی حقوق اور تنظیم سازی کی ضمانتوں کی بھی خلاف ورزی ہیں اس طرح کی پابندیوں سے ملازمین اپنے ٹریڈ یونین کرنے کے بنیادی حقوق سے محروم ہوجانے کی وجہ سے اپنے لئے قانون کے مطابق بہتر سے بہتر مراعات بھی حاصل نہیں کرسکتے اور ایسا بھی ہے کہ ماضی میں یونینز اور انتظامیہ کے درمیان باہمی گفت وشنید کے نتیجہ میں طے پانے والے معاہدات پر عملدرآمد میں بھی بہت سی دشواریاں پیدا ہوجاتی ہیں

پی ٹی سی ایل کی نجکاری اور مزدوروں پر اثرات

نجکاری سے قبل 05-2004ء میں پی ٹی سی ایل کا خالص منافع 29.7 ارب روپے تھا اور ادارہ میں ملازمین کی تعداد 72,000 تھی اور یونینز بہت مضبوط، فعال اور سرگرم ومتحرک تھیں جن کا ٹریڈ یونین تحریک کی مضبوطی میں اہم کردار تھا۔

چونکہ پرانے ملازمین ٹریڈ یونین شعور سے لیس اور تجربہ کار ہوتے ہیں اور زیادہ ملازمت کی وجہ سے ان کی تنخواہیں بھی زیادہ ہوتی ہیں اس لئے نجی مالکان ان سے جان چھڑاتے ہیں۔ چنانچہ گولڈن شیک ہینڈ (Golden Shake Hand) اور دو دفعہ رضا کارانہ علیحدگی کی سکیموں کے تحت 55,000 ملازمین فارغ ہوکر پیداواری کام سے باہر ہوگئے ہیں اور اب صرف 17 ہزار ملازمین رہ گئے ہیں جن سے ان پر کام کا بوجھ بہت بڑھ گیا ہے۔

اب ایک بار پھر 28 نومبر 2016ء کو ایک اور رضا کارانہ علیحدگی کی سکیم کا اجراء کیا گیا ہے۔ انتظامیہ کی خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ پرانے اور مزدور تحریک کے تجربات سے لیس کارکن فارغ ہو جائیں اور ان کو خوفزدہ کرنے کے لئے 5000 مزدوروں پر تبادلوں کی تلوار لٹکا دی گئی ہے۔ پرانے ملازمین کی جگہ پر نئے ملازمین ٹھیکیداری اور دہاڑی دار ورکر کے طور پر بھرتی کئے جا رہے ہیں تا کہ ان کو کم از کم اجرت اور کم سہولیات دینا پڑیں۔ 313 راہنماؤں اور سرگرم کارکنوں کو گزشتہ 5 سال سے برطرف کیا گیا ہے۔ جن کی کوئی دادرسی نہیں ہوئی۔ 40 ہزار پنشنرز جن میں بیوہ خواتین بھی شامل ہیں کی پنشنز واضح قانون وتحفظ کے باوجود گزشتہ چار سال سے روک لی گئی ہیں۔ انتقامی کارروائیوں کے خلاف کارکنوں نے اعلیٰ عدالتوں سے اہم مقدمات جیتے ہیں، لیکن انتظامیہ مسلسل عدالتوں کے احکامات پر بھی عملدرآمد سے گریزاں ہے۔ یونین کی قوت پہلے سے بہت کمزور ہو چکی ہے، لیکن اس کے باوجود وہ مسلسل جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہے۔

سکول ٹیچرز کی نجکاری کے خلاف جدوجہد

پاکستان میں اردو زبان میں تعلیم دینے والے سرکاری سکول حصول تعلیم کا سب سے بڑا نیٹ ورک ہیں جو چاروں صوبوں آزاد کشمیر، فاٹا اور گلگت بلتستان تک پھیلا ہوا ہے۔ سرکاری سکولوں سے تقریباً 8 لاکھ اساتذہ جن میں لیڈی ٹیچرز کی بھی بڑی تعداد ہے وابستہ ہیں۔ پاکستان میں بیک وقت کئی طرح کے نظام تعلیم رائج ہیں۔ امراء اور اشرافیہ کے بچے برطانیہ کے کیمرج (Cambridge) طرز کے سکولوں میں مہنگی تعلیم حاصل کرتے ہیں، جبکہ مڈل کلاس کے بچے انگلش میڈیم سکولوں میں مہنگی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور صرف غریب عوام اور محنت کشوں کی اولاد سرکاری سکولوں میں تعلیم حاصل کرتی ہے۔ پاکستان میں تعلیم کا شعبہ شروع ہی سے نظرانداز ہے قومی آمدن کا 2 فیصد سے بھی کم تعلیم پر خرچ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی ملک میں شرح خواندگی 60 فیصد جبکہ خواتین میں 45 فیصد ہے اور ان میں سے صرف 18 فیصد طالبات 10 سال یا اس سے اوپر تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ ڈھائی کروڑ بچے سکولوں سے باہر ہیں۔ شرح تعلیم میں ہمارا ملک 160 ویں نمبر پر ہے۔ سرکاری سکولوں میں تعلیم سہولیات پہلے ہی کم ہیں۔ سکولوں کی چاردیواری، مناسب کمرے، فرنیچر، پانی اور بیت الخلا جیسی اہم سہولتیں ناپید ہیں۔ دور دراز جاگیرداری علاقوں میں قبضہ گروپ اور جاگیردار سکولوں میں مویشی باندھتے اور ان کو بطور گودام استعمال کرتے ہیں۔

اب حکومت ان سرکاری سکولوں کو بھی نجی شعبہ کے حوالے کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور یوں اپنی تعلیمی ذمہ داریوں سے جان چھڑانا چاہتی ہے، اگر ان نسبتاً سستے سرکاری سکولوں کو بھی تعلیمی معیار کی بہتری کے نام پر نجی شعبہ کے حوالے کر دیا گیا جہاں ملک کے 85 فیصد آبادی کے بچے زیر تعلیم ہیں تو ملک مزید جہالت کے اندھیروں میں ڈوب جائے گا۔

ملک بھر میں 28 اساتذہ تنظیمیں موجود ہیں۔ جن میں سے 17 کا ریکارڈ سرکاری سطح پر موجود ہے۔ یوں تو یہ اساتذہ تنظیمیں کم تنخواہوں کم سہولیات اور بہتر مراعات کے لئے ہمیشہ جدوجہد کرتی رہی ہیں، لیکن پنجاب حکومت کی طرف سے سرکاری سکولوں کو پرائیویٹائز کرنے کے اعلان کے بعد سال 2016ء میں یوم مئی پر پنجاب بھر میں اساتذہ نے بھرپور مظاہرے کئے جس کو دیکھتے ہوئے پنجاب ٹیچرز یونین نے 14 مئی بروز ہفتہ نجکاری کے خلاف پنجاب اسمبلی کے سامنے دھرنا دینے کی کال دی جس پر پنجاب بھر کے تمام علاقوں سے بھاری تعداد میں اساتذہ جن میں خواتین اساتذہ بھی شامل تھیں لاہور پہنچے۔ بالآخر حکومت سے مذاکرات ہوئے اور طے پایا کہ صرف ان سکولوں کو نجی شعبہ کے حوالے کیا جائے گا جہاں پر 20 سے کم طلبا ہوں گے اور کسی استاد کو فارغ نہیں کیا جائے گا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ سندھ میں اساتذہ کی یونین نے یونین کو غیرقانونی قرار دینے کے فیصلہ کے خلاف لمبی جدوجہد کی اور بالآخر گزشتہ دسمبر میں ہائیکورٹ سے غیرقانونی پابندی کو کالعدم قرار دلوا کر 150,000 اساتذہ کی یونین اور یونین کی سرگرمیاں بحال کروائیں اور اس جدوجہد میں برطرف کردہ 150 اساتذہ کو بحال کروایا۔

لیڈی ہیلتھ ورکرز (Lady Health Workers) کی جدوجہد

لیڈی ہیلتھ ورکرز کا پروگرام 1994ء میں پیپلز پارٹی کی حکومت نے شروع کیا تھا۔ جس کا مقصد دیہاتوں، دور دراز علاقوں اور کمیونٹی کی سطح پر ایک بڑی تعداد میں ایسی لیڈی ہیلتھ ورکرز کو بھرتی کرنا تھا جن کی مسلسل ٹریننگ کے ذریعے ان کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ گھروں میں خواتین اور بچوں کی صحت کی دیکھ بھال کر سکیں اور دوران حمل اور ڈلیوری میں زچہ بچہ کی امداد کر سکیں۔ خاندانی منصوبہ بندی پر بہتر مشورہ دے سکیں۔ ملیریا، پولیو اور اس طرح کے وبائی امراض کے خاتمے کے لئے اپنا موثر کردار ادا کر سکیں۔ یہ تجربہ بہت کامیاب رہا اور خواتین ورکرز ہونے کے ناطے انہوں نے کمیونٹی میں اپنا موثر کردار اور اعتماد حاصل کیا اور گھروں میں جا کر ادویات مہیا کرنے اور خواتین کو اپنی اور بچوں کی صحت کے حوالے سے مشورے سے نوازنے جیسے عمل نے ان کی خدمات کو اجاگر کیا ہے۔ ان کی خدمات کا دائرہ کار دو سو گھرانے یا اوسطاً ایک ہزار لوگ ہوتے ہیں اور ہر لیڈی ہیلتھ ورکر کو ہر ماہ ایک بار ہر گھر میں ضرور جانا ہوتا ہے اور وہ لوگوں کو مفت ادویات مہیا کرتی ہیں اور ہر ایمرجنسی میں ان کو گائیڈ کرتی ہیں اور فوری طبی امداد مہیا کرتی ہیں۔ ان کی 2000ء میں تعداد 40,000 ہزار جبکہ 2008ء میں 90,000 اور موجودہ تعداد 110,000 ہے جبکہ ان کی تعداد کا ہدف 150,000 ہے۔

ان لیڈی ہیلتھ ورکرز نے اپنی تنظیم میں منظّم ہو کر اپنے مطالبات کم تنخواہوں اور دیر کے بعد ان کی ادائیگی، گورنمنٹ ملازم کی طرح ریگولر (مستقل) ملازمت، سفری اخراجات کی وصولی اور ہراساں کرنے جیسے واقعات کے خلاف مسلسل جدوجہد کی ہے اور پھر سپریم کورٹ تک، اپنی ریگولر سروس اور تنخواہوں کا مقدمہ لڑا ہے اور مسلسل تین سالوں سے جدوجہد کرتے ہوئے بالآخر حکومت کو ان کے جائز مطالبات ماننے پڑے اور ان کو سرکاری ملازمین کے مختلف سکیلوں میں ریگولر کیا گیا اور ان کی تنخواہوں میں بھی اضافہ کیا گیا۔

یہ امر قابل ذکر ہے اور اکثر سوچا جاتا ہے کہ خواتین جدوجہد کے عمل سے دور رہتی ہیں، لیکن لیڈی ہیلتھ ورکرز نے بڑے پیمانے پر جدوجہد میں حصہ لے کر ثابت کیا کہ وہ اپنے حقوق کے حصول کے لئے ہر طرح سے قربانی دے سکتی ہیں۔

نرسوں کی جدوجہد

یہ تو ایک مسلمہ امر ہے کہ ملک میں آبادی اور مریضوں کے مقابلے میں ڈاکٹروں اور نرسوں کی شدید کمی ہے 2016-2015ء کے اکنامک سروے آف پاکستان کے مطابق ملک بھر میں رجسٹرڈ جبکہ نرسوں کی تعداد 94,800 اور تربیت یافتہ طبی امداد فراہم کرنے والے کارکنان کی تعداد 15,325 ہے۔ہسپتالوں میں ایک نرس کو اوسطاً 50 مریضوں کی دیکھ بھال کرنا پڑتی ہے۔جبکہ نرسنگ کونسل کے قانون کے مطابق یہ تعداد ایک اور دس کی ہونی چاہئے۔ یہ تعداد عام وارڈز کی ہے۔مخصوص شعبوں پر یہ تعداد ایک اور دو کی ہونی چاہئے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ نرسوں کی ڈیوٹی اور ذمہ داری اہم اور محنت طلب ہے 2016ء میں حکومت نے 2800 نرسوں کو نوکری سے برطرف کر دیا۔جس کے خلاف 11 مارچ کو 2016 سرکاری ہسپتالوں کی نرسوں نے صوبائی اسمبلی کے سامنے احتجاج کیا۔ ینگ ڈاکٹرز، ہاسپٹلز ورکرز ایسوسی ایشن اور دیگر ٹریڈ یونین اور سماجی تنظیمیں بھی عملی طور پر نرسوں کی حمایت میں سامنے آ گئیں۔یوں احتجاج کو پھیلتے دیکھ کر اور نرسوں کی مستقل مزاجی کو دیکھتے ہوئے بالآخر حکومت کو ان کے مطالبات کو تسلیم کرنا پڑا اور 2800 برطرف شدہ نرسوں کو تین سال کے کنٹریکٹ پر بحال کر دیا گیا اور اس کے بعد مستقل کرنے کا وعدہ کیا گیا اور ساتھ نرسوں کی تنخواہوں میں 4000 روپے کا اضافہ کیا گیا

ٹیوٹا (Tevta) ملازمین کی عارضی مزدوروں کو مستقل کروانے کی جدوجہد

ٹیوٹا (Tevta): مختلف نوعیت کے ٹیکنیکل ٹریننگ (Technical Training) کے کورسز کروانے کا ادارہ ہے جہاں مرد و خواتین دونوں ٹریننگ حاصل کر کے نسبتاً بہتر ملازمت کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔ٹیوٹا کا قیام 1999ء میں عمل میں آیا۔جس کے تحت 10 ہزار ملازمین تھے۔ 2004ء میں مزید 4200 ملازمین کو کنٹریکٹ پر بھرتی کیا گیا، حالانکہ ان کے کام کی نوعیت مستقل تھی۔ان کی تنخواہیں دیگر سرکاری ملازمین سے نصف تھیں۔سال ہا سال سے عارضی طور پر کام کرنے والے ان مزدوروں کو مستقل کرنے کے لئے یونین آواز اٹھاتی رہی اور 2013ء میں اسی مسئلے کے حل کے لئے صوبہ بھر میں ہڑتال کی کال دی اور لاہور میں وزیر اعلیٰ ہاؤس کے سامنے دھرنا دیا۔جس پر انتظامیہ مذاکرات پر مجبور ہوئی اور طے پایا کہ انتظامیہ بورڈ آف ڈائریکٹرز سے باضابطہ منظوری لے کر ان کو مستقل کر دے گی۔12 مارچ 2013 کو بورڈ کی میٹنگ میں اس کو مستقل کرنے کا فیصلہ ہو گیا۔اس کے باوجود انتظامیہ تین سال تک ٹال مٹول سے کام لیتی رہی جس پر یونین کو پھر مزدوروں کو متحرک کرنا پڑا جس کی پاداش میں یونین کے دو نمائندے برطرف اور 5 نمائندے معطل ہوئے۔بہر حال مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں بالآخر ان 4200 ملازمین کو مستقل کر دیا گیا اور برطرف اور معطل نمائندے بھی بحال ہوئے۔البتہ ان ملازمین کی سابقہ سروس کو ملازمت میں شامل نہیں کیا گیا۔جس پر یونین مسلسل کوشش کر رہی ہے کہ یہ سروس بھی شامل ہو سکے۔اس تمام جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب انتظامیہ مزید 1400 ملازمین کو مستقل بنیاد پر بھرتی کرنے جا رہی ہے۔

اس امر سے واضح ہے کہ جب تک مزدور جدوجہد نہ کریں۔تو ان کو بلاوجہ عارضی اور کم اجرتوں پر رکھ کر ان کا استحصال کیا جاتا ہے اور سرکاری محکمے اس طریقے سے اپنی بچت کرتے ہیں جو کہ سراسر مزدور دشمن پالیسی ہے۔

پنجاب پارکس اینڈ ہارٹیکلچر اتھارٹی کے مزدوروں کی جدوجہد

پنجاب پارکس اینڈ ہارٹیکلچر اتھارٹی لاہور کا ایک اہم ترین ادارہ ہے۔لاہور کی تمام پبلک پارکوں اور سڑکوں پر درخت لگانا، گرین بیلٹ کی حفاظت، موسم کے لحاظ سے نئے نئے پھولوں کے پودے اگانا۔اس ادارہ کے ملازمین کی ذمہ داری ہے اور یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ لاہور شہر کی تمام تر خوبصورتی پی ایچ اے کے ملازمین کی محنت کا نتیجہ ہے۔ادارہ میں ٹریڈ یونینز موجود ہیں۔ 1998ء میں ادارہ میں ملازمین کی تعداد 4700 تھی۔جن میں سے صرف 600 مستقل تھے۔یونین کی جدوجہد جلسوں، جلوسوں اور مظاہروں کی وجہ سے 2007ء میں 2000 عارضی ملازمین کو مستقل کیا گیا۔

اس مسلسل جدوجہد کی وجہ سے آج ادارہ میں کل مزدوروں کی تعداد 7500 ہے۔جس میں 4500 مزدور مستقل اور 3000 ابھی بھی کنٹریکٹ پر ہیں۔جس کے لئے یونین مسلسل جدوجہد کر رہی ہے، لیکن یہ عجیب منطق ہے کہ ادارہ میں صرف عارضی یا کنٹریکٹ لیبر کے طور پر مزدور (زیادہ تر مالی) رکھے جاتے ہیں۔کم اجرتوں اور دیگر سہولیات نہ دے کر ان کا استحصال کیا جاتا ہے اور پھر یونین کی جدوجہد کے بعد ان کی ایک کھیپ مستقل کر دی جاتی ہے۔جس سے یہ امر بالکل واضح ہے کہ یہ تمام مزدور دراصل مستقل کام اور ملازمت کے حقدار ہیں صرف ان کو یونین کی ممبر شپ سے دور رکھنے اور ان سے من مانی شرائط پر کام لینے کے لئے عارضی طور پر بھرتی کیا جاتا ہے۔

افرادی قوت کی برآمد

پاکستان دنیا میں چھٹا سب سے زیادہ آبادی والا ملک ہے جس کی آبادی 195,4 ملین ہے۔ آبادی میں اضافے کی شرح 1,89 سالانہ فی صد ہے۔ افرادی قوت کے سروے 15-2014ء کے مطابق پاکستان میں افرادی قوت کی تعداد 61,04 ملین ہے۔ اس افرادی قوت میں سے 57,42 ملین باروزگار جبکہ 3,6 ملین لوگ بیروزگار ہیں۔ پاکستان افرادی قوت درآمد کرنے والے ممالک کے لئے مزدوروں کی ایک پرکشش منڈی ہے۔ جہاں سے پڑھے لکھے انتہائی ہنرمند اور غیر ہنرمند کارکنوں اور مختلف شعبہ جات کے پیشہ ورانہ افراد اور ماہرین کو برآمد کرنے کی بہت بڑی استعداد موجود ہے۔ 1970ء کی دہائی سے قبل بیرون ملک جانے والے افراد کا زیادہ رخ برطانیہ اور پھر یورپ، امریکہ اور کینیڈا کی طرف تھا، لیکن اب پاکستان دنیا کے پچاس ممالک بالخصوص مشرق وسطی اور خلیجی ریاستوں میں مختلف پیشوں اور کاموں کے لئے بڑی تعداد میں افرادی قوت فراہم کر رہا ہے۔ بیرون ملک کام کرنے والے کارکن پاکستان کی معاشی ترقی اور زرمبادلہ مہیا کرنے کا بڑا ذریعہ ہیں۔ 2015ء میں ترسیلات زر 18.7 ارب ڈالر تک پہنچ گئی ہیں جن میں 18.2 فیصد کی شاندار نمو کا اظہار ہوتا ہے۔

جدول 1.11: 2011ء سے 2015ء تک بیرون ممالک جانے والے پاکستانیوں کی تعداد

ممالک	2011ء	2012ء	2013ء	2014ء	2015ء
یو اے ای	156,353	182,630	273,234	350,522	326,986
بحرین	10,641	10,530	9,600	9,226	9,029
ملائیشیا	2,092	1,309	2,031	20,577	20,216
عمان	53,525	69,407	47,797	39,793	17,988
قطر	5,121	7,320	8,119	10,042	12,741
سعودی عرب	22,2247	358,560	270,502	312,489	522,750
برطانیہ	308	183	158	250	260

1,6 ملین سے زائد پاکستانی 2011ء سے 2015ء تک روزگار کیلئے سعودی عرب گئے جو کہ کل تعداد کا 49,9 فیصد بنتا ہے، جبکہ اسی عرصہ میں 1,3 ملین لوگ (38.2 فیصد) متحدہ عرب امارات میں روزگار کیلئے پہنچے۔ عمان پاکستانی افرادی قوت کا تیسرا سب سے بڑا درآمد کنندہ ہے۔ 2011ء سے 2015ء کے دوران سلطنت عمان کی طرف 0,26 ملین (7,6 فیصد) ملازمت کے متلاشی افراد ملازمت کے حصول کے لئے گئے درج ذیل جدول سے ظاہر ہوتا ہے ترک وطن کرنے والے کل پاکستانی کارکنوں کی تقریباً نصف تعداد ناخواندہ اور غیر ہنر مند کارکنوں پر مشتمل ہے اور محض 1,76 فیصد ورکرز وائٹ کالر (White Coller) ملازمین ہیں۔ ہنرمند کارکنوں میں ڈرائیوروں کی تعداد سب سے زیادہ ہے اور اس کے بعد معماروں، بڑھیوں اور درزیوں کا نمبر آتا ہے۔

جدول 1.12: بیرون ممالک جانے والے کارکنان کی تعداد بالحاظ اہلیت

سال	انتہائی اہلیت یافتہ	انتہائی مہارت یافتہ	ہنرمند	نیم ہنرمند	غیر ہنرمند	کل
2011ء	6,974	3,018	171,672	73,247	201,982	456,893
2012ء	9,298	4,202	261,531	104,240	259,316	63,8587
2013ء	12,057	5,032	263,138	102,963	239,524	62,2714
2014ء	14,647	6,216	287,649	120,204	323,750	752,466
2015ء	17,484	7,853	397,317	151,636	372,281	946,571
کل	60,460	26,321	1,38,1307	552,290	1,396,853	3,417,231

جدول 1.13: بیرون ملک جانے والے کارکنوں کی صوبہ وار تقسیم

سال	اسلام آباد	پنجاب	سندھ	خیبرپختونخواہ	بلوچستان	آزادکشمیر	شمالی علاقہ جات	قبائلی علاقہ جات	کل
2010	1168	189,379	31,814	98,222	3,130	22,535	458	16,198	362,904
2011	1,790	226,917	40,171	130,119	5,262	33,133	732	18,769	456,893
2012	4,190	337,884	46,607	176,349	5,122	38,833	780	29,022	638,587
2013	7,119	326,012	55,608	150,418	9,293	40,038	1,190	33,046	622,714
2014	8,943	383,533	89,703	167,424	7,258	52,120	2,073	41,412	752,466
2015	9,028	478,646	116,935	220,993	7,686	64,586	2,899	45,798	946,571

ترسیلات زر کے حساب سے دیکھیں تو یہ پاکستانی زرمبادلہ کا بڑا ذریعہ ہیں۔ سال 2014-15ء میں یہ رقم 18,719,9 ارب ڈالر تھی، جبکہ سال 2015-16ء میں جولائی سے مارچ تک یہ رقم 16,0344 ارب ڈالر بنتی ہے جو کہ گزشتہ سال اس عرصہ کے مقابلہ میں 5,25 فیصد زیادہ ہے۔ اگر ہم ان بیرون ملک جانے والے افراد کا جائزہ لیں تو سرکاری سطح پر بیورو آف امیگریشن کے علاوہ بہت سی رجسٹرڈ ایجنسیاں اس کاروبار میں شامل ہیں اور پھر ان کے آگے ایجنٹ اور سب ایجنٹ اس کام میں ملوث ہیں۔

حکومتی ریٹ کے مطابق ان بیرون ملک جانے والے افراد کو اوورسیز پاکستانیز پروموٹرز کو پاکستانی 21,25 سو روپے (201 ڈالر) سے 31,524 سو روپے (301 ڈالر) ادا کرنے چاہئیں لیکن یہ اکثر 45,575 سو روپے (435 ڈالر) سے 48,524 سو روپے (463 ڈالر) تک ادا کرتے ہیں۔

پھر مختلف ممالک کو بھجوانے کے مختلف ریٹ ہیں اور ان ایجنٹوں کے ذریعے جانے والے اکثر غلط شناخت یا غیر قانونی طور پر بیرون ملک جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جن میں اکثر دوران سفر حادثات کا شکار ہو کر موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں، اگر کسی کے پاس بیرون ملک سے ورک پرمٹ (Work Permit) آجائیں تو وہ مختلف ایجنٹوں کو بیچ دیتا ہے اور اپنا حصہ وصول کر کے بیرون ملک جانے والے کارکنوں کو سب ایجنٹوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے، چونکہ نصف کے قریب باہر جانے والے افراد غیر ہنرمند اور ان پڑھ ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ ملک میں بھرتی کے وقت جو معاہدہ ہوتا ہے بیرون ملک اس پر عملدرآمد نہیں ہوتا اور جس کام کے لئے ان کو بھی بھیجا جاتا ہے اس سے گھٹیا اور کم اجرت والے کام پر لگا دیا جاتا ہے اور وہ اس قدر مجبور ہوتے ہیں کہ واپس بھی نہیں آسکتے اور یہی کام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ جو افراد سمگلنگ اور غیر قانونی طریقہ سے مختلف ممالک میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان کو اپنی شناخت خفیہ رکھنی پڑتی ہے اور ان کا سب سے زیادہ استحصال ہوتا ہے اور بے بسی کے عالم میں محنت مشقت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، کیونکہ وہ احتجاج یا رپورٹ بھی نہیں کر سکتے۔

یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ ناخواندہ اور بے ہنر افراد کے بجائے نیم ہنرمند یا ہنرمند افراد کو باہر بھیجنے کے لئے باقاعدہ زیادہ سے زیادہ تربیتی مرکز قائم کئے جائیں جہاں کارکنوں کی فنی تربیت سے لیس کیا جائے اور وہ زیادہ کارآمد اور معاوضہ کمانے والے کارکن بن جائیں اور یورپ، امریکہ، کینیڈا اور دیگر ممالک میں جو غیر قانونی طریقے سے رہائش پذیر افراد گرفتار ہو کر ملک بدر کئے جاتے ہیں۔ ان میں کمی آئے اور ملک میں ایسے ادارے قائم ہوں جو بیرون ملک جانے کے خواہشمند افراد کی باقاعدہ رجسٹریشن کریں۔ ان کی تربیت کریں اور ان کو بیرون ملک ڈیمانڈ کے طابق بھجوایا جائے۔ لیبر مائیگریشن فرام پاکستان (Labour Migration from Pakistan) کی رپورٹ کے مطابق 2011ء میں بیرون ملک پاکستانیوں کی سب سے زیادہ تعداد کو ملک بدر (ڈی پورٹ) کیا گیا۔ جن کی تعداد ایک لاکھ تھی، جبکہ گزشتہ تین سالوں کے دوران اڑھائی لاکھ سے زائد پاکستانیوں کو بیرون ملک سے ملک بدر کیا جا چکا ہے۔ جن میں سے زیادہ تر کا تعلق گجرات، جہلم، بہاولپور اور منڈی بہاؤالدین کے اضلاع سے تھا۔ پاکستان ورکرز کنفیڈریشن ایسے کارکنوں کی رجسٹریشن، راہنمائی اور ان کی تربیت میں اپنا کردار ادا کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس کے پاس مناسب وسائل ہوں اور پھر بیرون ملک مزدور تنظیموں اور فیڈریشنز سے مناسب روابط کے ذریعے ان کی بیرون ملک بھی مناسب امداد راہنمائی اور قانونی امداد میں معاونت کر سکتی ہے۔ یہ بیرون ملک جانے والے کارکن ملک کا بہت بڑا اثاثہ اور زرمبادلہ کا بڑا ذریعہ ہیں اور اندرون ملک بیروزگاری میں کمی بھی لاتے ہیں اور ان کا رویہ اور ان کی قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے اپنے فرائض کی سرانجام دہی ملک کی ساکھ کو مضبوط اور بہتر کرتی ہے۔ غیر قانونی سمگلنگ اور انسانی ٹریفکنگ کا سلسلہ لازمی طور پر بند کرنا ہو گا، تا کہ بیرونی ملک جانے والے پاکستانی جیلوں میں گلنے سڑنے یا دیگر سزاؤں سے محفوظ رہ سکیں اور ملک بدر ہو کر ملک کی بدنامی کا سبب نہ بن سکیں۔

باکس 1.5: مائیگرنٹ ورکرز (Migrant Workers) کے حقوق

آئی ایل او کے کنونشن نمبر 97 (1949ء) میں مائیگرنٹ ورکرز (Migrant) کے حقوق دیئے گئے ہیں۔

- ★ ہر مائیگرنٹ (Migrant) ورکرز بلالحاظ قوم نسل، مذہب اور جنس اسی سلوک کا حق دار ہوگا۔ جس سلوک کے حق دار اس ملک کے اپنے شہری ہیں۔
- ★ تمام سہولیات بشمول کام کے اوقات، اوورٹائم با تنخواہ چھٹیاں گھر میں کام کرنے کی ممانعت، کام کرنے کی کم از کم عمر کی حد، تربیتی کارکن عورتوں اور نوجوانوں کے کام وغیرہ کے متعلق معاملات کو مجاز اتھارٹیز کی طرف سے ریگولیٹ کیا جائے گا۔
- ★ مائیگرنٹ ورکر (Migrant) یونین کی ممبرشپ کے حصول اور اجتماعی سوداکاری سے ملنے والے فوائد کے حصول کا حق دار ہوگا۔
- ★ دوران کام لگنے والے زخم، میٹرنٹی، بیماری، مفلوج ہوجانا، بڑھاپا، موت، بیروزگاری اور خاندان کی ذمہ داریاں اور وہ تمام سہولیات جو مقامی قانون میں موجود ہیں۔ جن میں سوشل سکیورٹی وغیرہ کا حقدار ہوگا۔
- ★ رہائش کی سہولیات میسر ہوں گی۔
- ★ آئی ایل او کا دوسرا کنونشن 143 (1975ء) ان مائیگرنٹ ورکرز کے بارے میں ہے۔ جن کو غیر قانونی طریقے سے ملازمتوں، خفیہ اور غیر قانونی نقل وحمل کے ذریعے سے انسانی سمگلنگ یا ٹریفکنگ کے ذریعے منتقل کیا جاتا ہے اور جو شدید استحصال کی زد میں رہتے ہیں۔

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن اور یورپی کمیشن کی سابقہ رپورٹس کے بعد کی صورتحال

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی طرف سے جاری کردہ گزشتہ رپورٹ اور یورپی کمیشن کی طرف سے جاری کردہ رپورٹ میں جن مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے۔ان پر عملی طور پرٹھوس پیش رفت بہت کم ہے۔

- ★ ٹریڈ یونین کی رجسٹریشن آج بھی انتہائی مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ خیبر پختونخواہ میں گدون میں ڈائینا(Dynea) کیمیکل انڈسٹری میں یونین سازی کے خلاف پورا چیمبر آف کامرس متحد ہوا اور مشترکہ اخراجات سے یونین کو ناکام بنایا۔لاہور میں فرینڈز فارما،منور فارما، بی ایم فارما، روبی ڈائننگ اور ٹرانسفو میں یونینز کی رجسٹریشن کی درخواستیں مسترد کردی گئیں اور تمام عہدیداروں اور کارکنوں کو ملازمتوں سے فارغ کردیا گیا۔
- ★ لاہور میں چیمبر آف کامرس نے مشترکہ قرارداد میں محکمہ محنت سے مطالبہ کیا کہ کوئی بھی یونین رجسٹر کرنے سے قبل ان سے پیشگی منظوری لی جائے۔ جس سے تنظیم سازی کے بارے میں مالکان کے معاندانہ رویہ کا اظہار ہوتا ہے۔
- ★ پرائیویٹ سیکٹر میں آج بھی ملازمتوں کے تقرری نامے نہیں ملتے، حق دار مزدور کی سوشل سیکیورٹی اور ای او بی آئی میں رجسٹریشن نہیں ہوتی۔جس سے مزدوروں کو ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے۔
- ★ اکثر اداروں میں کم از کم اجرت نہیں دی جارہی اور اوقات کار آٹھ گھنٹوں سے زائد ہونے کے باوجود اوورٹائم نہیں دیا جاتا۔
- ★ کام پر صحت وسلامتی کے مسائل موجود ہیں۔آئے روز حادثات اور آگ لگنے کے واقعات اور بوائلر پھٹنے سے مزدوروں کی ہلاکت جیسے حادثات ہوتے رہتے ہیں۔
- ★ پنجاب میں پیشہ ورانہ صحت وسلامتی کا قانون (OSH) ابھی تک ڈرافٹ ہوا ہے اور اس پر قانون سازی کا مرحلہ باقی ہے۔ایسے اہم قانون کی عدم موجودگی میں بہت سے مسائل حل طلب ہیں۔
- ★ خواتین کارکنوں کے ساتھ صنفی امتیاز اور معاوضوں میں فرق کا رویہ جاری ہے۔اور قانونی پیش رفت نہ ہو پائی ٹھیکیداری اور دیہاڑی دار مزدوروں کا طریقہ کار مرد اور خواتین کارکنوں دونوں پر مسلط ہے اور یہ کارکن ملازمتوں میں شدید عدم تحفظ کا شکار ہیں، اگر یہاں پر لیبر انسپکشن ہو تو مالکان مزدوروں کو واضح ہدایات دیتے ہیں کہ کن سوالات کا جواب کیا دینا ہے اور بصورت دیگر ملازمتوں سے برطرفی لازمی ہے۔
- ★ اگرچہ بھٹہ خشت میں پنجاب میں 10 اضلاع سے بچہ مزدوری کی تعلیم کا بندوبست کردیا گیا ہے،لیکن دیگر شعبوں میں ابھی تک بچہ مزدوری موجود ہے اور جب تک مفت لازمی تعلیم کا قانون اور باوقار روزگار کی فراہمی پر موثر عملدرآمد نہ ہو یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا۔
- ★ بانڈڈ لیبر کے حوالے سے پنجاب میں پیشگی کی رقم کو قانونی تحفظ دیا گیا ہے (اگرچہ سپریم کورٹ نے ہر قسم کی پیشگی رقم پر پابندی لگا رکھی ہے) لیکن گروی شدہ مزدوروں کا یہ سلسلہ بھٹہ خشت اور زراعت میں اب بھی جاری ہے اور آئے روز گروی شدہ مزدوروں کی بذریعہ عدلیہ رہائی کی خبریں میڈیا میں آتی رہتی ہیں۔اس تمام بحث سے یہ ظاہر ہے کہ جی ایس پی پلس کے حوالے سے لیبر معیارات پر عملدرآمد کے سلسلے میں حکومتی اور ٹریڈ یونینز کی سطح پر بہت سی بنیادی کوششوں کی ضرورت ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ جب تک حکومت اور آجروں کا رویہ تنظیم سازی کے بارے میں معاندانہ رہے گا تمام دیگر مسائل کا حل بہت مشکل ہے۔
- ★ حکومتی اداروں اور مالکان کو پاکستان ورکرز کنفیڈریشن اور یورپی کمیشن کی رپورٹوں میں جن معاملات کی درستگی کی نشاندہی کی گئی ہے۔ان کو ہنگامی بنیادوں پر بہتر کرنے کی اشد ضرورت ہے،تاکہ آئندہ کسی منفی رپورٹ کی بنا پر جی ایس پی پلس کی بندش کی نوبت نہ آئے اور یہ رعایت بدستور جاری رہے۔

باب نمبر2: پنجاب کے تین اضلاع میں معیارات محنت پر عملدر آمد کی صورتحال

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن(PWC) کی اس عبوری رپورٹ میں صوبہ پنجاب کے تین اہم اضلاع جہاں برآمدی شعبے کی بڑی تعداد موجود ہے کا سروے کیا گیا ہے۔اس ضمن میں تینوں اضلاع میں معیارات محنت کے حوالے سے قوانین محنت پر عملدر آمد کی عمومی صورت حال ذیل میں بیان کی گئی ہے۔

لاہور: ضلع لاہور صوبائی ہیڈ کوارٹر اور سیاسی و ثقافتی حوالے سے بہت اہم مرکز ہے۔لیکن ضلع لاہور میں صنعتیں تمام طرف موجود ہیں۔مثلاً شاہدرہ، ملتان روڈ، فیروز پور روڈ، گلبرگ، بادامی باغ، مغلپورہ، کوٹ لکھپت، بند روڈ اس کے علاوہ نئ انڈسٹریل اسٹیٹ میں سینکڑوں کارخانے ہیں جن میں قائداعظم انڈسٹریل اسٹیٹ، سندر اسٹیٹ، لاہور رائے ونڈ روڈ اور مانگا میں بہت سی نئ صنعتیں لگائی گئی ہیں۔ضلع بھر میں رجسٹرڈ فیکٹریوں کی تعداد 2510 ہے،جبکہ رجسٹرڈ یونینز کی تعداد 210 ہے۔ضلع لاہور میں ٹیکسٹائل اور گارمنٹس اور لیدر گارمنٹس کی فیکٹریوں کی کافی تعداد ہے۔رجسٹرڈ یونینز میں سے 22 یونینز کا تعلق ٹیکسٹائل اور گارمنٹس کے 11 یونٹس سے ہے۔جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان یونٹس میں 2,2 یونینز رجسٹرڈ ہیں۔ضلع لاہور میں رجسٹرڈ یونٹس کے علاوہ ہزاروں غیر رجسٹرڈ کارخانے موجود ہیں۔جن میں لیبر قوانین کی صورتحال غیر واضح ہے۔

اکثر اداروں میں تقرری کے لیٹرز کی وصولی اور سوشل سیکیورٹی اور ای او بی آئی میں کارکنوں کی رجسٹریشن نہیں ہے۔کارکن بغیر اوور ٹائم 12,12 گھنٹے کام پر مجبور ہیں۔ضلع لاہور میں نئ یونینز کی رجسٹریشن کافی مشکل ہے۔یہاں پر صوبائی حکومت اور چیمبر آف کامرس کی مرضی کے بغیر یونین کی رجسٹریشن محال ہے۔2016ء میں کم از کم 5 یونینز کی رجسٹریشن مسترد ہوئی اور یونین بنانے والے کارکن ملازمتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔جن کا کوئی تحفظ نہ ہو سکا۔بعض مالکان نے حفظ ماتقدم کے تحت 2,2 پاکٹ یونینز رجسٹرڈ کروا رکھی ہیں، تا کہ تیسری حقیقی نمائندہ یونین کی رجسٹریشن مشکل ہو۔ضلع لاہور میں ماضی میں ٹریڈ یونین تحریک بہت مضبوط اور زوردار رہی ہے،لیکن اب بڑے سرکاری یونٹس پرائیوٹائز یا بند ہونے کی وجہ سے تحریک کمزور ہوئی ہے۔لیبر قوانین پر عملدر آمد کی صورتحال بہت کمزور ہے۔محکمہ محنت کے ملازمین کی تعداد 1972ء والی ہے، جبکہ لاہور بہت پھیل گیا ہے، لیبر انسپکشن کمزور اور برائے نام ہے، اگر محکمہ چاہے بھی تو اس موجودہ تعداد کے ساتھ حقیقی معنوں میں لیبر انسپکشن ناممکن ہے۔ضلع لاہور میں بھٹوں کی بھی کافی تعداد ہے۔جن سے چائیلڈ لیبر ختم کر کے بچوں کو سکولوں میں بھیجنا محکمہ محنت کی ذمہ داری ہے۔اب محکمہ پٹرول پمپس، ہوٹلز اور کشاپس میں بچوں کی مزدوری پر سروے کر رہا ہے تا کہ یہاں سے بھی بچوں کی مزدوری ختم ہو۔

ضلع لاہور میں غیر رسمی شعبہ اور زرعی شعبہ بھی موجود ہے جہاں پر کوئی لیبر قوانین لاگو نہیں ہوتے۔گھروں میں کام کرنے والے اور گھروں پر کام کرنے والے مزدوروں کے بارے میں پالیسیاں صوبائی کابینہ کے سامنے پیش ہو چکی ہیں۔مزید قانون سازی کا انتظار ہے۔ضلع لاہور دو بڑے وفاقی محکموں ریلوے اور واپڈا کا ہیڈ کوارٹر ہے۔اس لئے ان محکموں کے مزدور اور مزدور تنظیمیں بھی لاہور کی مزدور تحریک کو متاثر کرتی ہیں۔

فیصل آباد پنجاب کا ایک اہم صنعتی شہر ہے۔جس میں بھاری تعداد میں محنت کش مختلف صنعتوں، تجارتی اداروں اور پاور لومز(Power Looms) سے وابستہ ہیں۔فیصل آباد میں ٹیکسٹائل اور گارمنٹس کے حوالے سے اہم مرکز ہے۔ضلع بھر میں رجسٹرڈ کارخانوں کی تعداد 1113 ہے۔جن میں ٹیکسٹائل، گارمنٹس، کپڑا بنانے اور ہوزری سے متعلقہ فیکٹریوں کی تعداد تقریباً 582 ہے۔اس کے علاوہ ہزاروں چھوٹے اور درمیانے درجے کے یونٹس غیر رجسٹرڈ ہیں۔فیصل آباد میں رجسٹرڈ مزدور تنظیموں کی تعداد 113 ہے۔جن میں 22 ٹیکسٹائل ملوں میں دو دو رجسٹرڈ مزدور تنظیمیں ہیں، جبکہ ہوزری میں دو گارمنٹس میں 2 پاور لومز میں تین رجسٹرڈ یونینز ہیں۔دیگر مزدور تنظیمیں مختلف اداروں شوگر ملوں، بھٹوں وغیرہ سے متعلق ہیں۔

22 ٹیکسٹائل ملز میں 2,2 مزدور تنظیموں کی رجسٹریشن سے اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ یہ تنظیمیں مالکان کے ایما پر حفظ ما تقدم کے طور پر رجسٹرڈ کروائی گئی ہوں۔بہر حال اس امر کی تصدیق فوری طور پر ممکن نہیں۔البتہ فیصل آباد میں حقیقی نمائندہ یونینز کی تعداد کافی کم ہے۔نئ یونینز کی رجسٹریشن صوبہ پنجاب کے دیگر شہروں کی طرح یہاں پر بھی مشکل بلکہ ناممکن عمل ہے۔مزدور تنظیموں کے عہدیداران کو ملازمتوں سے فارغ کر دیا جاتا ہے جن کا فوری طور پر کوئی تحفظ نہیں اس لئے مزدور نئ تنظیم کی تشکیل سے گھبراتے ہیں۔تمام اداروں میں عارضی، دیہاڑی دار اور ٹھیکیداری نظام موجود ہے اور ان شعبوں کے مزدور ویسے ہی یونین سے لاتعلق

رہتے ہیں۔فیصل آباد میں بھی تمام مزدوروں کو ملازمتوں پر تقرری کے لیٹرز نہیں ملتے اور ان کی سوشل سیکیورٹی اور ای او بی آئی میں رجسٹریشن کی شرح بہت کم ہے۔ ٹیکسٹائل اور بالخصوص گارمنٹ سیکٹر میں خواتین ورکرز کی بڑی تعداد موجود ہے جو امتیازی رویوں کا شکار ہے اکثر اداروں میں کم از کم اجرت کا فقدان ہے۔

فیصل آباد میں غیر رسمی شعبہ جیسا کہ گھروں میں رہ کر کام کرنے والے مزدور، گھروں میں کام کرنے والے اور گھروں پر جا کر کام کرنے والے مزدوروں اور زرعی شعبہ سے منسلک ورکرز کی بھاری تعداد موجود ہے جن میں خواتین ورکرز زیادہ تعداد میں ہیں۔ان ورکرز پر مزدور قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا اس لئے غیر منظّم اور سوشل سیکیورٹی کے اسکیم سے باہر ہیں۔ان کو صرف پیشہ ورانہ بنیادوں یا شعبہ جاتی یا جنرل یونین کے تحت منظّم کیا جا سکتا ہے۔فیصل آباد میں لیبر قومی موومنٹ ایک غیر رجسٹرڈ تنظیم ہے مگر پاور لومز کے مزدوروں اور بھٹہ مزدوروں میں کافی سرگرم ہے اور ان اداروں کے مزدوروں کو کم از کم اجرت، سوشل سیکیورٹی اور ای او بی آئی رجسٹریشن کارڈ بنوانے کے لئے مصروف جدوجہد ہے۔فیصل آباد میں ذرائع نقل و حمل کے مزدوروں کی بھاری تعداد موجود ہے۔جن کو اوقات کار، حالات کار اور کم اجرتوں سے متعلق مشکلات اور مسائل درپیش ہیں۔

فیصل آباد کے مالکان مسلسل احتجاج کرتے رہتے ہیں کہ وہ بجلی اور گیس کی سپلائی اور ان کی قیمتوں میں دوسرے صوبوں کی نسبت امتیازی رویوں کا شکار ہیں اور اس وجہ سے ان کی مقابلاتی سکت ملک کے اندر بھی اور بین الاقوامی سطح پر بھی متاثر ہو رہی ہے۔

سیالکوٹ برآمدی صنعت کے حوالے سے ایک اہم مرکز ہے۔جس میں گارمنٹس کھیلوں کا سامان، ٹینریز (Tanneries)، چمڑے کے ملبوسات، سرجیکل (طبی آلات) ایمبرائیڈری (سلمٰی ستارہ) اور اعلیٰ سطح کی کٹلری (Cutlery) وغیرہ کے بڑے، درمیانے اور چھوٹے سائیز کے ہزاروں فیکٹریاں اور کارخانے موجود ہیں۔ضلعی محکمہ محنت کے ریکارڈ کے مطابق ضلع سیالکوٹ میں 658 یونٹس رجسٹرڈ ہیں۔جن میں زیادہ تعداد چھوٹے یونٹس کی ہے۔400 ورکرز سے 1200 ورکرز تک صرف 5 بڑے یونٹس ہیں۔ضلع سیالکوٹ میں رجسٹرڈ یونینز کی تعداد 69 ہے۔جن میں اکثر فیکٹریوں میں 2,2 یونینز رجسٹرڈ ہیں۔جس میں یہ امکان موجود ہے کہ یہ یونینز حفظ ماتقدم کے طور پر مالکان کے ایما پر رجسٹرڈ ہوئی ہوں۔صحیح معنوں میں متحرک اور سرگرم یونینز کی تعداد بہت کم ہے۔ضلع بھر میں غیر رجسٹرڈ یونٹس کی تعداد بہت زیادہ ہے جہاں کے مزدوروں کے حالات اجرتیں اور سہولیات وغیرہ غیر واضح ہیں۔اسی طرح ایکسپورٹ پراسیسنگ زون کے مزدوروں کے حالات بھی غیر واضح ہیں، کیونکہ یہاں لیبر قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا۔محکمہ محنت کے عملہ کی تعداد بھی کم ہے اور اگر وہ چاہیں بھی تو پورے ضلع کے تمام یونٹس کی لیبر انسپکشن کافی مشکل ہے۔

پنجاب کے تین اہم اضلاع، لاہور، فیصل آباد اور سیالکوٹ میں سال 2015ء اور 2016ء میں لیبر انسپکشن کی صورتحال

پنجاب کے تین اہم اضلاع لاہور، فیصل آباد اور سیالکوٹ میں سال 2015ء اور سال 2016ء میں جتنی لیبر انسپکشنز ہوئیں اور جن میں جتنے چالان اور جرمانے ہوئے ان کی صورتحال حسب ذیل ہے۔

جدول 2.1: فیکٹریز کی انسپکشن کی رپورٹ

ضلع کا نام	انسپکشنز کی تعداد	جتنے چالان ہوئے	جو جرمانہ کیا گیا (روپیوں میں)
2015ء			
لاہور	1,017	3,555	214,900
فیصل آباد	720	846	145,000
سیالکوٹ	540	104	12,500
2016ء			
لاہور	1,527	5,079	307,000
فیصل آباد	836	991	235,000
سیالکوٹ	980	124	17,500

بحوالہ: محکمہ محنت پنجاب

ان اعداد و شمار کی روشنی میں یہ صورتحال سامنے آئی ہے کہ ضلع لاہور میں 2015ء کی نسبت 2016ء میں 510 لیبر انسپکشنز زیادہ ہوئیں۔1524 چالان زیادہ ہوئے۔اسی طرح ضلع فیصل آباد میں سال 2015ء سے سال 2016ء میں 116 زیادہ انسپکشنز ہوئیں۔145 چالان زیادہ ہوئے۔ضلع سیالکوٹ میں 2015ء سے 2016ء میں 140 انسپکشنز زیادہ ہوئیں جن میں 20 چالان زیادہ ہوئے۔

جدول 2.2: ضلع لاہور میں ای او بی آئی میں رجسٹریشن اور پنشنز کی صورتحال

عنوان	2014-15	2015-16	اضافہ
کنٹری بیوشن (ملین روپے)	1960	2439	4790
رجسٹرڈ کارکنوں (تعداد)	388,709	433,919	45,210
پنشنز (تعداد)	51,569	55,182	3,613
گرانٹ کیسز (تعداد)	1,757	2,190	433
کل رقم جو پنشن میں ادا کی گئی (ملین روپے)	283.62	303.5	19.8
ٹوٹل رقم جو گرانٹ کی شکل میں ادا ہوئی (ملین روپے)	35.14	43.8	8.6

بحوالہ: ای او بی آئی پنجاب

جدول 2.3: فیصل آباد ریجن کی ای او بی آئی میں رجسٹریشن اور پنشنز کی صورت حال

عنوان	2014-2015	2015-16	اضافہ
کنٹری بیوشن (ملین روپے)	1,030	1,127	970
رجسٹرڈ کارکنوں (تعداد)	298,833	305,797	69,640
پنشنز (تعداد)	35,521	37,568	2,047
گرانٹ کیسز (تعداد)	188	360	4,720
پنشن کی مد میں رقم کی ادائیگی (ملین روپے)	1,717.29	2,364.63	647.3
گرانٹ کی مد میں رقم کی ادائیگی (ملین روپے)	5.9	7.34	1.4

بحوالہ: ای او بی آئی پنجاب

جدول 2.4: ضلع سیالکوٹ میں ای او بی آئی کی رجسٹریشن اور پنشنز کی صورتحال

عنوان	2014-2015	2015-16	اضافہ
کنٹری بیوشن (ملین روپے)	257.81	295.97	38.1
رجسٹرڈ کارکنوں (تعداد)	72,928	75,149	2,221
پنشنز (تعداد)	6,861	7,394	5,330
گرانٹ کیسز (تعداد)	451	486	35
پنشن کی مد میں ادا کردہ رقوم (ملین روپے)	37.73	40.67	2.9
گرانٹ کی مد میں ادا کردہ رقوم (ملین روپے)	9.02	9.72	0.7

بحوالہ: ای او بی آئی پنجاب

ان اعداد و شمار کی روشنی میں واضح ہے کہ اس عرصہ کے دوران ضلع لاہور میں سال میں 45,210 کارکنوں کی مزید رجسٹریشن ہوئی جبکہ ضلع فیصل آباد میں 6,964 ورکرز کی مزید رجسٹریشن ہوئی اور ضلع سیالکوٹ میں سال کے دوران 2,221 کارکنوں کی مزید رجسٹریشن ہوئی۔

پنجاب سوشل سیکیورٹی

پنجاب سب سے بڑا صوبہ ہے اور اس میں مزدوروں کی بھی بھاری اکثریت موجود ہے۔ پنجاب سوشل سیکیورٹی مزدوروں اور ان کے کنبے کے حق دار افراد کی طبی امداد کا اہم ادارہ ہے۔ ویسے تو نئی فیکٹریوں اور اداروں کے قیام سے سوشل سیکیورٹی میں رجسٹرڈ ورکرز کی تعداد میں اضافہ ایک لازمی امر ہے۔ رسمی شعبہ میں بہت سے کارکن جو عارضی اور ٹھیکیداری کے تحت مزدوری کے زمرے میں آتے ہیں حق دار ہوتے ہوئے بھی عموماً اس سہولت سے محروم رہتے ہیں اور اب جبکہ سوشل سیکیورٹی 5 مزدوروں تک کے اداروں پر لاگو ہے اگر بھرپور مہم کے ساتھ تمام حقدار مزدوروں کی رجسٹریشن کی جائے تو ان کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ممکن ہے جس سے محکمہ کی آمدن میں بھی اضافہ ہوسکتا ہے اور اس کی مزید توسیع بھی ضروری ہوجائے گی۔

بہر حال پنجاب سوشل سکیورٹی کی طرف سے دستیاب اعداد وشمار جو جی ایس پی پلس دسمبر 2013ء اور پھر جی ایس پی پلس کے بعد اگست 2016ء تک کے اعداد وشمار کا موازنہ ہے۔اس میں اضافہ نسبتاً حوصلہ افزا ہے،لیکن ابھی اس میں بڑی گنجائش موجود ہے۔اعداد وشمار حسب ذیل ہیں۔

جدول 2.5: صوبہ پنجاب میں سوشل سکیورٹی کے اعداد وشمار

کوائف	جی ایس پی پلس سے قبل دسمبر 2013ء	اگست 2016ء	(اضافہ)
ماہوار سوشل سکیورٹی کا ٹارگٹ (روپوں میں)	632,152,223	1,043,075,000	410,922,777
اسٹیبلشمنٹس کی تعداد	58,859	68,413	9,556
رجسٹرڈ کارکنوں کی تعداد	867,082	965,112	98,030
رجسٹرڈ زیر کفالت افراد کی تعداد	5,202,492	5,790,672	588,180

حوالہ : سوشل سکیورٹی ڈیپارٹمنٹ

ان اعداد و شمار سے بہر حال اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ مختلف سرکاری محکموں میں رجسٹریشن کے حوالے سے کچھ تیزی آ رہی ہے،لیکن اس کے باوجود بہت سے حقدار ورکرز اس میں رجسٹریشن سے محروم ہیں۔سوشل سکیورٹی کو مزید کوششیں تیز کر کے یہ اضافہ جاری رکھنا چاہیئے۔

باکس 2.1: پنجاب حکومت کے کچھ اہم پروجیکٹس (Projects)

نمبر 1: ہوم بیسڈ ورکرز کو بااختیار (Empowerment) بنانے کا پروجیکٹ

ٹارگٹ اضلاع: لاہور۔گوجرانوالہ۔ملتان

تعاون: یو این ویمن (UN Women)

ہوم بیسڈ ورکرز کو بااختیار بنانے کیلئے یو این ویمن کے تعاون سے ایک پروجیکٹ مئی 2014 سے جاری ہے جسمیں تین اضلاع کو ٹارگٹ کیا گیا ہے،جس میں لاہور،گوجرانوالہ اور ملتان شامل ہیں۔

اس پروجیکٹ سے متعلقہ تین اضلاع میں پہلے مرحلہ میں درج ذیل کام ہوں گے۔

1:-/12000 ہوم بیسڈ ورکرز کے اعداد وشمار اور کوائف اکٹھے کرنا۔

2: ان اضلاع میں ہوم بیسڈ ورکرز کی تکنیکی مہارت میں اضافہ کرنا۔

3: گھروں میں کام کرنے والے محنت کشوں کے مسائل پر ان کو آگاہی دینا۔

4: گھروں میں کام کرنے والے محنت کشوں کی شکایات اور تنازعات کے حل اور ازالہ کیلئے طریقہ کار طے کرنا۔

دوسرا مرحلہ:

1: ایک مخصوص فارم پر کروا کر کے اس کے مطابق کم از کم 12000 ہوم بیسڈ ورکرز کو رجسٹریشن کارڈ مہیا کرنا۔

2: ان رجسٹرڈ ورکرز میں سے کم از کم 3000 ہوم بیسڈ ورکرز کی ادارہ سوشل سکیورٹی میں رجسٹریشن کروانا۔

3: ان رجسٹرڈ ورکرز میں سے کم از کم 600 ورکرز کو متعلقہ اضلاع میں حکومتی ٹیکنیکل اداروں کے ذریعہ ان کی مہارت میں اضافہ۔

4: ان کارکنوں کے حقوق اور کم از کم اجرت لاگو کرنے کیلئے ایک شکایت اور تنازعات کے حل کیلئے ادارہ بنانا اور شکایات کے ازالہ کیلئے طریقہ کار طے کرنا۔

نمبر 2: مائیگرنٹ ورکرز کیلئے ریسورس سنٹر (Resource Centre For Migrant Wokers)

آئی ایل او کے تعاون سے لاہور میں انڈسٹریل ریلیشنز انسٹیوٹ (IRI) میں مائیگرنٹ ورکرز کیلئے ایک ریسورس سنٹر قائم کیا گیا ہے جو ستمبر 2015 سے شروع ہو کر جون 2017 تک برقرار رہے گا۔

اس میں درج ذیل کام ہو گئے۔

1: مائیگرنٹ ورکرز کو بہتر مشورے کیلئے سٹاف کی ٹریننگ

2: ملک سے باہر جانے سے قبل مائیگرنٹ ورکرز کیلئے ایسے تحریری مواد کی تیاری جوان کیلئے فائدہ مند ہو۔

3: ملک سے باہر جانے سے قبل ان کی ذہنی اور شعوری طور پر آگہی کا پروگرام۔

نمبر 3: یونیسیف کا چائیلڈ لیبر بارے پروگرام

آئی ایل او کے تعاون سے مئی 2013 سے ستمبر 2017 تک یونیسیف کا چائیلڈ لیبر بارے پروگرام جاری ہے جس میں پنجاب میں چائیلڈ لیبر کا سروے کیا جا رہا ہے۔

نمبر 4: لیبر انسپکشن کو مظبوط کرنے کا پروجیکٹ

اس سلسلے میں لیبر انسپکشن میں اصلاحات لانا شامل ہے یہ آئی ایل او کے تعاون سے جاری ہے۔

ضلع لاہور، فیصل آباد اور سیالکوٹ میں معیارات محنت جانچنے کیلئے ایک فوری سروے کے نتائج

جیسا کے رپورٹ کے گزشتہ صفحات میں واضح کیا گیا ہے کہ اس سال کی عبوری رپورٹ کیلئے وقت اور وسائل کی قلت تھی اس لیئے سروے کے لیئے صرف پنجاب کے تین اہم شہروں پر توجہ مرکوز کی گئی اور ان شہروں میں بھی اس صنعت پر توجہ دی گئی جو اپنی مصنوعات کو برآمد کرتی ہیں اس سروے سے جو نتائج سامنے آئے ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

جدول 2.6: برآمدی مصنوعات تیار کرنے والے اداروں اور فیکٹریوں میں ملازم مرد اور خواتین کارکنوں کی تعداد اور ای او بی آئی اور سوشل سیکیورٹی میں رجسٹرڈ کارکن (سروے کے نتائج)

برآمدی شعبہ	صنعت	مرد کارکن	خواتین کارکن	سروے کردہ اداروں میں کارکنوں کی کل تعداد	سوشل سیکیورٹی میں رجسٹرڈ	ای او بی آئی میں رجسٹرڈ
لاہور						
گارمنٹس	19	30,706	13,132	43,838	18,372	17,568
نٹ ویر	2	3,506	624	4,130	1,823	1,785
چمڑے کی مصنوعات	28	46,116	2,141	48,257	26,127	24,999
اونی مصنوعات	1	1,147	112	1,259	345	290
میزان	**50**	**81,475**	**16,009**	**97,484**	**46,667**	**44,642**
فیصل آباد						
گارمنٹس	20	15,784	3,410	19,194	5,048	4,743
ٹیکسٹائل/فیبرکس	26	20,062	1,235	21,297	7,573	6,115
ہوزری	4	1,632	390	2,022	640	572
میزان	**50**	**35,478**	**5,035**	**40,513**	**13,261**	**12,430**
سیالکوٹ						
گارمنٹس	27	31,189	6,562	37,751	18,576	16,541
آلات جراحی	13	3,353	228	3,581	1,186	1,056
چمڑے کی مصنوعات	10	4,461	1,337	5,798	1,873	1,426
میزان	**50**	**39,009**	**8,127**	**47,130**	**21,635**	**19,023**
کل میزان	**150**	**155,962**	**29,171**	**185,127**	**81,563**	**76,095**

- ضلع لاہور میں جن پچاس فیکٹریوں کا سروے کیا گیا ان میں گارمنٹس کی 19 نٹ ویئر (knitwear) کی 2 ٹیکسٹائل/فیبرکس کی 28 اور ایک وولن فیکٹری ہے۔

- ان فیکٹریوں میں کل کارکنوں کی تعداد 97,484 ہے جن میں سے 81,475 مرد کارکن اور 16,009 خواتین ورکرز ہیں اور ان میں سے سوشل سیکورٹی ہیں 46,667 ورکرز اور ای او بی آئی ہیں 44,642 ورکرز رجسٹرڈ ہیں۔ اس حساب سے مرد کارکن کی تعداد 84 فیصد اور خواتین کارکنوں کی تعداد 16 فیصد ہے۔

- ضلع فیصل آباد میں جن فیکٹریوں کا سروے کیا گیا ہے ان میں گارمنٹس کی 20 فیبرکس/ٹیکسٹائل کی 26 اور ہوزری کی 4 فیکٹریاں شامل ہیں۔ ان تمام فیکٹریوں میں کل مزدوروں کی تعداد 40,513 ہے جبکہ ان میں مرد کارکنوں کی تعداد 35,478 اور خواتین کارکنوں کی تعداد 5,035 ہے۔ ان میں سے 13,261 کارکن سوشل سیکورٹی میں اور 12,430 کارکن ای او بی آئی میں رجسٹرڈ ہیں۔ ان کل کارکنوں میں تقریباً 88 فیصد مرد کارکن اور 12 فیصد خواتین کارکن ہیں۔

- ضلع سیالکوٹ میں جن فیکٹریوں کا سروے کیا گیا ہے ان میں کھیلوں کا سامان کی 27، جراحی کی 3 اور چمڑے کی مصنوعات کی 10 فیکٹریاں شامل ہیں ان فیکٹریوں میں کل کارکنوں کی تعداد 47130 جن میں سے 39,009 (83 فیصد) مرد کارکن اور 8,127 (17 فیصد) خواتین کارکن ہیں ان میں سے 21,635 (44 فیصد) سوشل سیکورٹی اور 19,023 (41 فیصد) ای او بی آئی میں رجسٹرڈ ہیں۔

گراف 1 : سروے کردہ اداروں میں اندرون فیکٹری اور بیرون فیکٹری تیار کردہ مصنوعات (پیداوار) کی صورت حال

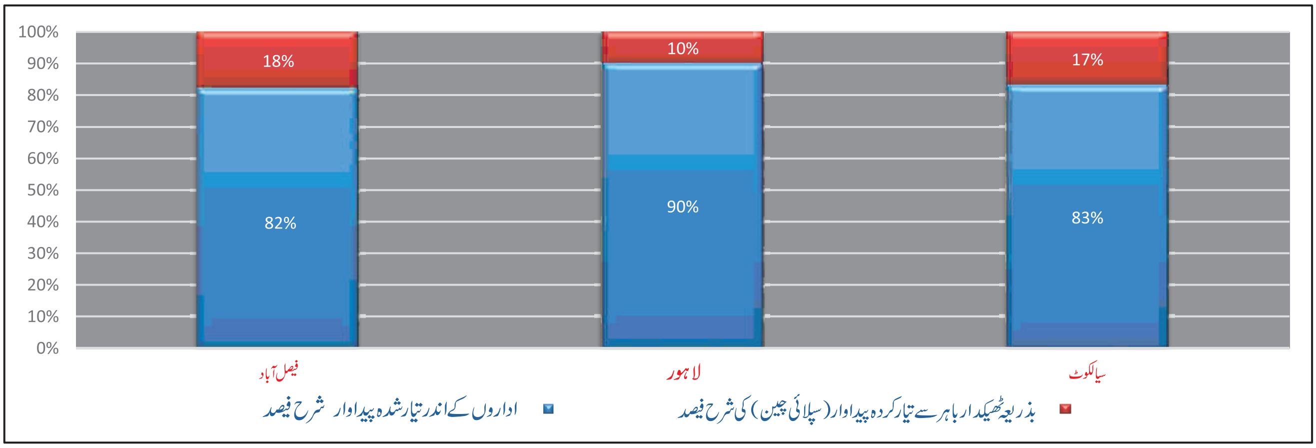

★ اگر پیداواری عمل کے حوالے سے تجزیہ کیا جائے تو فیصل آباد میں 82 فیصد مصنوعات فیکٹریوں کے اندر تیار ہوتی ہیں جبکہ 18 فیصد کام باہر سے بذریعہ ٹھیکیدار کروایا جاتا ہے۔ اسی طرح ضلع لاہور میں 90 فیصد مال فیکٹریوں کے اندر تیار ہوتا ہے جبکہ اس کا 10 فیصد کام باہر سے بذریعہ ٹھیکیدار کروایا جاتا ہے اور ضلع سیالکوٹ میں 83 فیصد مال فیکٹریوں کے اندر تیار ہوتا ہے اور اس کا 17 فیصد حصہ باہر سے بذریعہ ٹھیکیدار تیار کیا جاتا ہے۔

گراف 2 : سروے کردہ اداروں میں کم از کم اجرت اور سماجی مراعات کے حصول کی صورت حال اداروں کی فیصد تعداد جو مراعات حاصل کر رہے ہیں۔

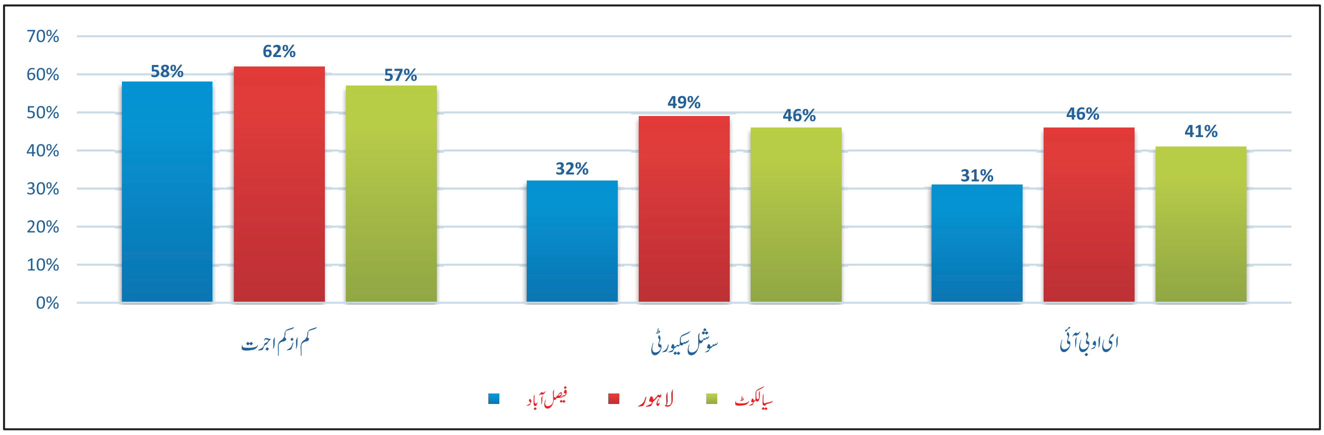

★ اگر ان تینوں اضلاع میں کارکنوں کو ملنے والی کم از کم اجرت کے حساب سے دیکھا جائے تو ضلع فیصل آباد میں 58 فیصد، ضلع لاہور میں 62 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 57 فیصد ورکرز کو کم از کم اجرت ادا کی جا رہی ہے۔

★ ان اضلاع میں سوشل سیکورٹی کی رجسٹریشن کی صورت حال یہ ہے ضلع فیصل آباد میں 32 فیصد ضلع لاہور میں 49 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 46 فیصد کارکن سوشل سیکورٹی میں رجسٹرڈ ہیں۔

★ اگر ان اضلاع میں ای او بی آئی میں رجسٹرڈ کارکنوں کے حساب سے دیکھا جائے تو ضلع فیصل آباد میں 31 فیصد، ضلع لاہور میں 46 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 41 فیصد کارکن رجسٹرڈ ہیں۔

★ ان اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ سوشل سیکورٹی اور ای او بی آئی میں 50 فیصد سے بھی کم کارکن رجسٹرڈ ہیں جو کہ باعث تشویش ہے۔

★ اگر رجسٹرڈ ٹریڈ یونینز کے حوالے سے جائزہ لیا جائے تو تینوں اضلاع میں رجسٹرڈ ٹریڈ یونینز کی صورت حال یہ ہے۔ ضلع فیصل آباد میں 11 فیصد، ضلع لاہور میں 6 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 8 فیصد اداروں میں یونینز رجسٹرڈ ہیں۔ جبکہ جی ایس پی پلس (2014ء) کے بعد کوئی نئی یونین رجسٹرڈ نہیں ہوئی اور صرف ضلع سیالکوٹ میں 2 فیصد یونینز میں خواتین ورکرز کی نمائندگی موجود ہے۔

★ ضلع فیصل آباد میں 3 فیصد، ضلع لاہور میں 3 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 5 فیصد یونینز میں خفیہ بیلٹ سے الیکشنز ہوتے ہیں۔

★ اسی طرح ضلع فیصل آباد میں 8 فیصد، ضلع لاہور میں 5 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 6 فیصد فیکٹریوں میں ریفرنڈم کا انعقاد ہوتا ہے جبکہ ضلع فیصل آباد میں 3 فیصد، ضلع لاہور میں 3 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 5 فیصد سی بی اے یونینز مالکان سے باضابطہ معاہدے کرتی ہیں۔

گراف 3 : فیکٹریوں میں ٹریڈ یونینز کی صورت حال فیصد تعداد جن اداروں میں ہاں میں جواب دیا گیا۔

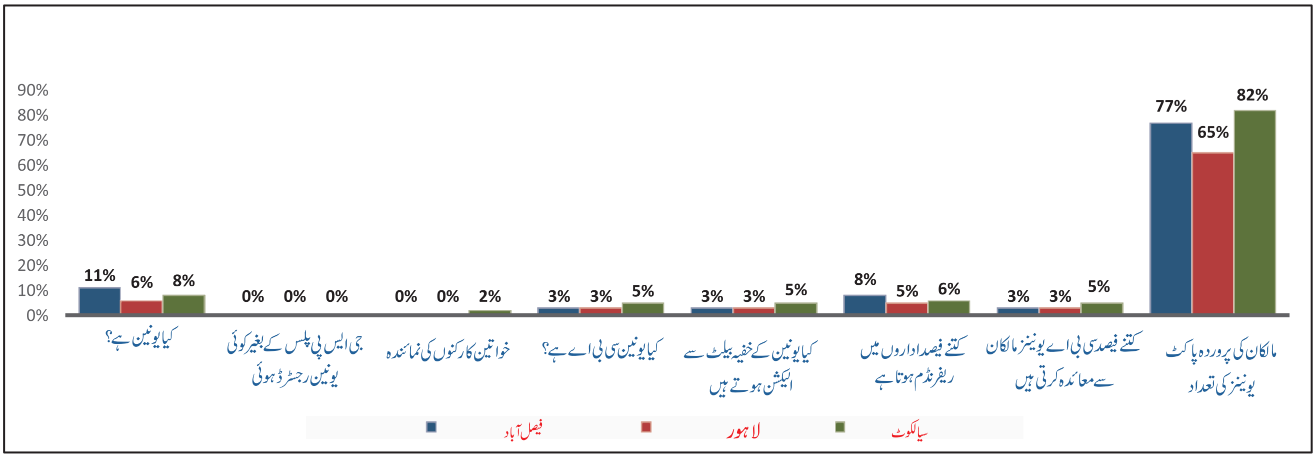

★ ان رجسٹرڈ یونینز میں سے ضلع فیصل آباد میں 77 فیصد، ضلع لاہور میں 65 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 82 فیصد یونینز مالکان کی حمایت یافتہ یا پاکٹ یونینز ہیں جو کہ کافی تشویش ناک صورت حال ہے۔

★ اگر مرد اور خواتین کارکنوں کی تنخواہوں میں موجود فرق اور صنفی امتیاز کے حوالے سے دیکھا جائے تو ضلع فیصل آباد میں 70 فیصد خواتین ارکنوں نے تنخواہوں میں موجود فرق کا مثبت جواب دیا۔ اس طرح ضلع لاہور میں 76 فیصد اور ضلع سیالکوت میں 60 فیصد خواتین کارکنوں نے تنخواہوں میں فرق اور صنفی امتیاز کے تحت اجرتوں میں موجود فرق کا مثبت جواب دیا۔

گراف 4 : خواتین کارکنوں کے حالات کار اور صنفی امتیازات اداروں کی فیصد اور تعداد جن میں کارکنوں کا جواب ہاں میں تھا۔

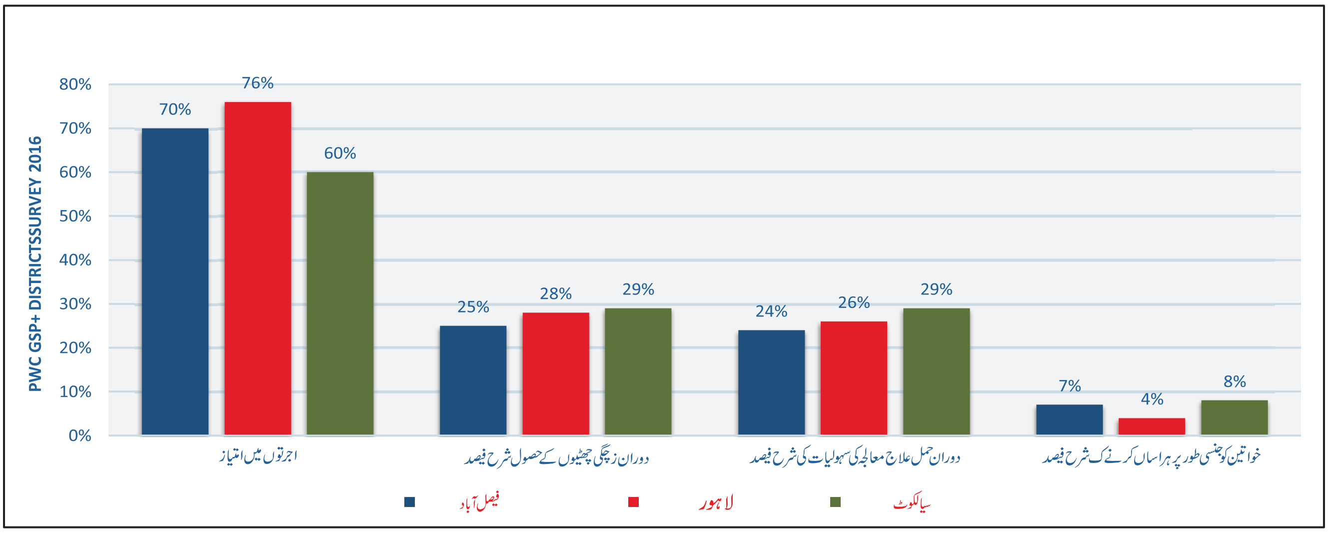

★ میٹرنٹی لیو (دوران حمل چھٹیوں) کے حوالے سے دیکھا جائے تو ضلع فیصل آباد میں 25 فیصد، ضلع لاہور میں 28 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 29 فیصد ادروں میں خواتین کارکنوں کو میٹرنٹی لیو کی سہولت میسّر ہے۔

★ خواتین ورکرز کو جنسی طور پر ہراساں کرنے کے حوالے سے ضلع فیصل آباد میں 7 فیصد، ضلع لاہور میں 4 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 8 فیصد اداروں میں خواتین کارکنوں کو جنسی طور پر ہراساں کرنے جیسے واقعات درپیش ہوئے۔

- مذکورہ تینوں اضلاع میں لیبر انسپکشن کی صورت حال کو دیکھا جائے تو ضلع فیصل آباد میں 26 فیصد ضلع لاہور میں 35 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 38 فیصد اداروں میں لیبر انسپکشنز ہوتی ہیں ان انسپکشنز کے دوران ضلع فیصل آباد میں 10 فیصد، ضلع لاہور میں 5 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں صرف 8 فیصد کارکنوں سے سوالات وجوابات کا سلسلہ قائم ہوا۔

گراف 5: اداروں میں لیبر انسپکشن کی صورت حال اداروں کی فیصد تعداد جن میں کارکنوں نے ہاں میں جواب دیا۔

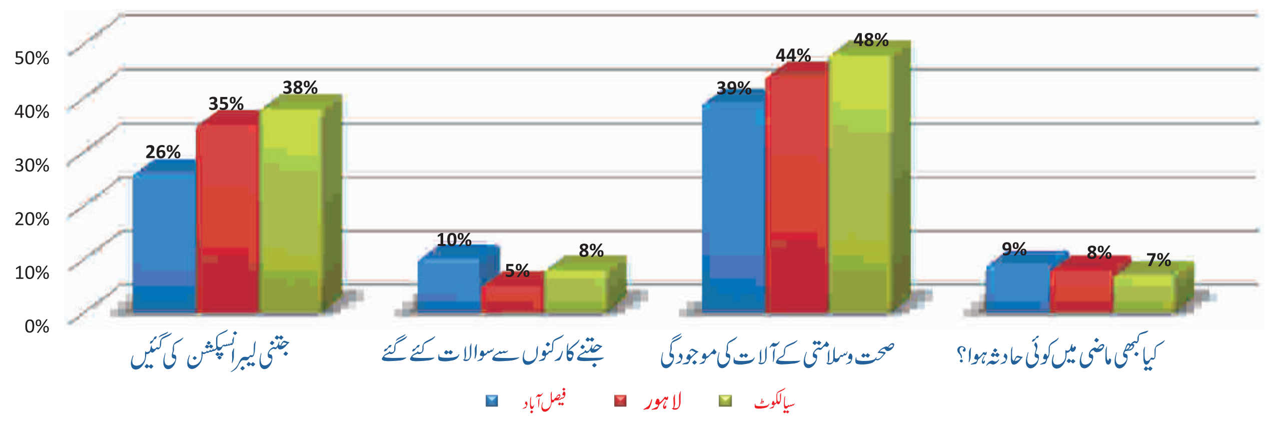

- ان مذکورہ صنعتوں میں صحت وسلامتی کے سامان اور آلات کے حوالے سے دیکھا جائے تو ضلع فیصل آباد میں 39 فیصد ضلع لاہور میں 44 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 48 فیصد فیکٹریوں میں صحت وسلامتی کا سامان اور آلات موجود ہونے کا بتایا گیا۔

- ان تینوں اضلاع کی صنعتوں میں چھوٹے موٹے حادثات کی صورت حال یہ بیان کی گئی ۔ ضلع فیصل آباد میں 9 فیصد، ضلع لاہور میں 8 فیصد اور ضلع سیالکوٹ میں 7 فیصد حادثات رونما ہوئے۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اس سروے کے نتائج سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ رجسٹرڈ ٹریڈ یونینز کی تعداد تشویشناک حد تک کم ہے اور ان میں سے بھی حقیقی نمائندہ ٹریڈ یونینز کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ جبکہ ان میں سے اکثریت یونینز مالکان کی پروردہ ہیں۔

- بہت کم یونینز میں خفیہ بیلٹ الیکشنز اور ریفرنڈم کا انعقاد ہوتا ہے اور بہت کم یونینز سی بی اے یونین بن کر مالکان سے باضابطہ معاہدے کرتی ہیں۔

- لیبر انسپکشن کی صورت حال خاصی مخدوش ہے اور ان انسپکشنز میں بھی کارکنوں سے سوالات وجوابات کا فقدان ہے جس کی وجہ کارکنوں پر مالکان کا دباؤ اور روزگار کا عدم تحفظ ہے ۔

- صحت وسلامتی کا جدید سامان اور آلات بھی کم فیکٹریوں میں موجود ہیں اور صحت وسلامتی (OSH) کا قانون صوبہ پنجاب میں ابھی ابتدائی مراحل میں ہے ۔ جب یہ باقاعدہ اسمبلی سے منظور ہوکر لاگو ہوجائے تو شاید صورت حال میں بہتری آسکے ۔ یہی وجہ ہے کہ فیکٹریوں میں چھوٹے بڑے حادثات رونما ہوتے رہتے ہیں۔

- فیکٹریوں میں زیادہ تر مصنوعات کارخانوں کے اندر ہی تیار ہوتی ہیں جبکہ ان کے کچھ حصے فیکٹریوں سے باہر بذریعہ ٹھیکیدار پیس ریٹ پر تیار کروائے جاتے ہیں اور اسی طرح یہ لیبر سپلائی چین (Supply Chain) کے زمرے میں آتی ہے۔

اس تمام صورت حال نے ایک دفعہ پھر پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کے اس دعویٰ کو صحیح ثابت کر دیا ہے کہ جب تک پاکستان میں تمام فیکٹریوں میں حقیقی نمائندہ یونینز معرض وجود میں نہیں آتیں۔ان فیکٹریوں میں تمام روزمرہ کے قوانین پر بھی عملدرآمد ممکن نہیں ہے اور اگر پاکستان کے مالکان اور حکومت نے بین الاقوامی برادری میں بنیادی لیبر معیارات پر عملدرآمد کے سلسلہ میں سرخرو ہونا ہے تو مالکان اور حکومت کو کارکنوں کے سب سے اولین حق یعنی تنظیم سازی اور اجتماعی سودا کاری کی آزادی کے حق کا حقیقی معنوں میں احترام کرنا ہوگا اور حقیقی یونینز کو تسلیم اور برداشت کرتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی اور برابری کی سطح پر معاملات طے کرنا ہوں گے بصورت دیگر لمبے عرصہ تک صنعتی کارکنوں سے روا رکھے جانے والے سلوک اور غیر قانونی اقدامات کو ملکی اور بین الاقوامی سطح پر نظروں سے اوجھل نہیں رکھا جاسکتا اور اگر اس کے خلاف کوئی منفی ردعمل سامنے آیا تو اس کی تمام تر ذمہ داری مالکان اور حکومت پر عائد ہوگی ۔جس کا نقصان یقینی طور پر تمام متعلقہ فریقین (اسٹیک ہولڈرز) کو ہوگا۔اس سلسلہ میں تینوں فریقوں کو فوری نوعیت کی حکمت عملی اور تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے جس سے جی ایس پی پلس کی رعایت برقرار رہے۔

حرفِ آخر

مملکت خداداد پاکستان کو جی ایس پی پلس کی سہولت سے استفادہ کرتے ہوئے 3 سال مکمل ہو چکے ہیں اور اس امر سے حکومت آجر اور ٹریڈ یونین بخوبی آگاہ ہیں کہ اس رعایت کو برقرار رکھنے کے لئے کونسی ذمہ داریاں پورا کرنی ضروری ہیں۔

جہاں تک مزدور تنظیموں اور پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کا تعلق ہے تو ہم دلی طور پر اس امر کے خواہاں ہیں کہ پاکستان کو ملنے والی جی ایس پی پلس کی یہ رعایت ہر صورت میں برقرار رہے، تاکہ اس سے ملک کو اقتصادی طور پر اور صنعت کو منافع کی شکل میں اس سے بدستور فائدہ اٹھانے کا موقع میسر رہے، لیکن مزدور تنظیموں کی یہ بھی بنیادی اور اہم ذمہ داری ہے کہ وہ مزدوروں کو درپیش بنیادی اور سلگتے ہوئے مسائل کی نشاندہی کریں جن کو حل کئے بغیر کوئی بھی فریق اپنی بین الاقوامی ذمہ داریوں سے سرخرو نہیں ہوسکتا۔ ہم نے بارہا اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ مزدوروں کے اہم اور روز مرہ مسائل کے حل کے لئے سب سے اہم اور بنیادی عنصر مزدوروں کی ٹریڈ یونین ہی ہے، لیکن ہمیں افسوس ہے کہ ہماری حکومت اور تاجر آج بھی حقیقی نمائندہ ٹریڈ یونین کی تشکیل اور رجسٹریشن میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں اور آجر حضرات صحیح نمائندہ یونین کو برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

اس امر کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ملک بھر میں اور صوبائی سطح پر کتنے صنعتی اور تجارتی ادارے رجسٹرڈ ہیں اور ان میں کتنے اداروں میں ٹریڈ یونینز موجود ہیں اور پھر جعلی اور پاکٹ یونینز کو بھی شمار کرلیا جائے تو بھی رجسٹرڈ اداروں اور رجسٹرڈ یونینز کا تناسب کیا ہے۔ جہاں تک محکمہ محنت کی استعداد کار اور لیبر قوانین پر موثر عملدرآمد کی کاوشوں کا تعلق تو یہ امر سب پر واضح ہے کہ موجودہ کم افرادی قوت اور کم وسائل کے ہوتے ہوئے موثر لیبر انسپکشن ممکن نہیں ہے اور یہ حکومتی سطح پر پالیسی کا سوال ہے کہ حکومت محکمہ محنت کو کس قدر مضبوط اور موثر دیکھنا چاہتی ہے آج بھی جو اہم مسائل درپیش ہیں۔ ان پر غور کرنا اور ان کا تدارک بنیادی طور پر حکومت اور آجروں کی ذمہ داری ہے کچھ اہم مسائل کا ہم ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ ملک بھر میں کل افرادی قوت کتنی ہے ان میں کتنے لوگ باروزگار ہیں اور ان میں کتنے مزدوروں کو سوشل سکیورٹی اور ای او بی آئی میں رجسٹرڈ کیا گیا ہے۔ کیا حکومت کی طرف سے اعلان کردہ کم از کم اجرت تمام مزدوروں کو مل رہی ہے اور اگر نہیں مل رہی تو نادہندگان کے خلاف کیا کاروائی ہوئی ہے۔ مزدوروں کے حالات کار اور اوقات کار کیا ہیں اور بغیر اوورٹائم بارہ بارہ گھنٹے کی ڈیوٹی کیوں لی جارہی ہے۔ ملک بھر میں بچوں کی مزدوری، گروی مزدوری اور جبری مشقت کی کیا صورتحال ہے اور اس کی مکمل بیخ کنی کے لئے کتنی سنجیدہ کوششیں بروئے کار لائی گئی ہیں۔ بہت سے اداروں اور بالخصوص ایکسپورٹ پراسسنگ زونز کو لیبر قوانین پر عملدرآمد کی صورت میں فیکٹریوں اور اداروں کو نقصان ہوتا ہے یا ان کی برامد کرنے کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے خواتین کارکنوں کی تنخواہوں اور امرات میں صنفی امتیاز کیوں موجود ہے اور اس کو کس طرح ختم کیا جاسکتا ہے۔ بہت بڑے غیر رسمی شعبہ کو کب تک اور کیونکر لمبے عرصے کے لیے لیبر قوانین کے اطلاق سے محروم رکھا جاسکتا ہے۔ وسیع تر زرعی شعبہ، گھریلو ملازمین، گھروں میں رہ کر کام کرنے والے ملازمین اور دیگر بے شمار ایسے شعبوں سے مزدور لیبر قوانین سے استفادہ کر سکیں گے، جبکہ ان شعبوں میں خواتین ورکرز کی بھاری تعداد موجود ہے۔ کوئی چاہے یا نہ چاہے یہ تمام تر مسائل بار بار سر اٹھاتے رہیں گے اور ان سے متعلقہ مزدور کسی نہ کسی شکل میں اپنا احتجاج اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے رہیں گے۔

یہ سمجھ لینا قطعی خود فریبی اور خوش فہمی ہوگی کہ ان مسائل کو لمبے عرصہ تک متعلقہ فریقین یا عالمی برادری کی نظروں سے اوجھل رکھا جاسکتا ہے۔ آج کئی ایسے ذرائع موجود ہیں جن سے زمینی حقائق تک پہنچنا اور صحیح صورتحال سے آگاہ ہونا کوئی دشوار نہیں ہے۔ ان 3 سالوں میں مزدوروں کے حوالے سے 8 بنیادی لیبر معیارات پر عملدرآمد کے لئے کس قدر سنجیدہ کوششیں کی گئی ہیں اور ان کے کیا نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ اس امر کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے ایک وسیع تر سہ فریقی فورم کا انعقاد یعنی مرکزی اور صوبائی سطح پر سہ فریقی لیبر کانفرنسیں ایک بہتر فورم بن سکتی ہیں جہاں پر تمام متعلقہ فریق اپنا اپنا نقطہ نظر اور اس سلسلہ میں ہونے والی پیش رفت سے تمام شرکا کو آگاہ کرسکیں اور اس ضمن میں جو دشواریاں، کمیاں اور خامیاں موجود ہیں۔ ان کو سامنے لاکر ان کے حل کے لئے ایک موثر پروگرام حکمت عملی اور طریقہ کار وضع کیا جاسکے۔ **گزشتہ تین سالوں میں ملکی برآمد کنندگان نے جی ایس پی پلس کی تجارتی رعایت سے بھرپور فائدہ اٹھایا لیکن ان فوائد میں مزدوروں کو جائز حصہ دینے کے تیار نظر نہیں آتے لہذا ہماری نظر میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مالکان اور حکومت جی ایس پی پلس کی شرائط پر عمل درآمد نہیں کرنا چاہتے تو پھر رعاتیوں سے کیوں فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔**

حوالہ جات

- 2010ء میں اٹھارویں ترمیم کے بعد لیبر قوانین میں صوبہ پنجاب، صوبہ خیبر پختونخواہ، صوبہ سندھ اور صوبہ بلوچستان کی حکومتوں نے جو قوانین بذریعہ صوبائی اسمبلیز اور بذریعہ ایکٹس بنائے، صوبائی انڈسٹریل ریلیشن ایکٹس اور صوبائی اور حکومتوں کی مختلف دستاویزات سے یہ مواد حاصل کیا گیا۔
- روزنامہ ڈان کراچی 27 جنوری 2016
- روزنامہ دی نیوز لاہور 2 نومبر 2016
- ایکسپورٹ پراسنگ زونز اتھارٹی کی ویب سائٹ www.epza.gov.pk
- اکنامک سروے آف پاکستان 2015,2016
- آئی ایل او ایکسپرٹ کمیٹی کی رپورٹ (CEACR) 2016
- محکمہ محنت پنجاب کا 2014,2015,2016 کا دستیاب دستاویزی ریکارڈ
- ای او بی آئی، پنجاب کا 2014,2015,2016 کا دستیاب دستاویزی ریکارڈ
- سوشل سیکورٹی ڈیپارٹمنٹ پنجاب 2014,2015,2016 کا دستیاب دستاویزی ریکارڈ
- جی ایس پی پلس سکیم اور پاکستان میں میارات محنت پر عمل درآمد کے چیلنجز پر پاکستان ورکرز کنفیڈریشن 2015 کی رپورٹ۔
- لیبر فورس سروے 2014,2015
- یورپی کمیشن کی جی ایس پی رپورٹ برائے 2014-2015 بمعہ جوائنٹ اسٹاف ورکنگ ڈاکومنٹ

ضمیمہ 1: سروے کا طریقہ کار و دورانیہ

لاہور، فیصل آباد اور سیالکوٹ میں زیادہ تر اُن فیکٹریوں کا سروے کیا گیا جو اپنی مصنوعات کو یورپی یونین سمیت دیگر ممالک کو برآمد کرتی ہیں۔ سروے کے فارم متعلقہ فیکٹری کے مزدوروں کے ساتھ بحث کے ذریعے بھروائے گئے۔ ان تینوں شہروں میں سروے فارم بھروانے کا یہ عمل تقریباً ڈیڑھ ماہ کے عرصہ میں، یکم اکتوبر 2016 سے 25 نومبر 2016 تک مکمل ہوا۔

ڈیڑھ ماہ تک کیئے گئے سروے میں، لاہور، فیصل آباد اور سیالکوٹ میں پاکستان ورکرز کنفیڈریشن سے ملحقہ فیڈریشنز، جن میں پاکستان ورکرز فیڈریشن، متحدہ لیبر فیڈریشن پاکستان مزدور محاذ اور آل پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کی مقامی قیادت نے اِس سروے کو مکمل کروانے میں بھرپور تعاون کیا، سروے کا طریقہ کار اس طرح سے ترتیب دیا گیا تھا کہ سب سے پہلے جس فیکٹری کا سروے کرنا مقصود ہوتا اُس فیکٹری کے محنت کشوں میں سروے فارم تقسیم کیا جاتا اور اُنہیں سروے فارم میں درج سوالات کے بارے میں مکمل آگاہی دی جاتی۔ کچھ محنت کش تو سروے فارم کو فوری طور پر مکمل کر کے سروے کرنے والے کے حوالے کر دیے لیکن ایسا بھی ہوتا کہ کچھ ورکرز وہ سروے فارم مکمل کر کے اگلے یا اُس سے اگلے روز واپس کرتے۔ جن فیکٹریوں میں محنت کشوں کی یونینز موجود تھیں اُن فیکٹریوں کے محنت کشوں کی معلومات اُن فیکٹریوں کے محنت کشوں سے بہتر تھیں، جن میں مزدوروں کی یونینز موجود نہیں تھیں، سروے کے دوران اِس بات کو با آسانی محسوس کیا جا سکتا تھا کہ محنت کش کسی انجانے خوف کا بھی شکار ہیں۔ دوران سروے یہ بات بھی مشاہدے میں آئی کہ فیکٹری میں کام کرنے کے باوجود محنت کش فیکٹری کے اندر کے حالات سے پوری طرح آگاہ نہیں ہیں، یا اُن کے پاس فیکٹری سے متعلقہ مکمل معلومات نہیں ہیں۔ اِس طرح کی صورت حال میں سروے جیسا اہم کام خاص مشکلات کا بھی شکار رہے۔ اِس سروے کے دوران، فیکٹری میں کام کرنے والی خواتین سے معلومات کا حصول تقریباً ناممکن رہا۔ پنجاب کے جن تینوں شہروں میں سروے کیا گیا، دوران سروے پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کے رہنما اُن شہروں کے چیمبرز آف کامرس محکمہ محنت، محکمہ سوشل سکیورٹی اور محکمہ ای او بی آئی کے رہنماؤں اور افسران سے بھی ملاقاتیں کیں۔

ضمیمہ 2 : سروے فارم برائے معلومات ایکسپورٹ انڈسٹری

1:۔حصہ اول۔ادارے کے بارے میں معلومات

1:۔فیکٹری/ادارہ کا نام بمعہ مکمل ایڈریس--------------------------------

2:۔تیار کردہ مصنوعات کی نوعیت--

3:۔کیا فیکٹری/ادارہ کسی چیمبر یا ایسوسی ایشن کی ممبر ہے؟----------------------------

4:۔مصنوعات کی مارکٹنگ (ا):۔مکمل برآمد (ب):۔جزوی برآمد

5:۔خام مال کا حصول (ا):۔صرف مقامی (ب):۔امپورٹڈ خام مال

6:۔دسمبر 2015 تک ایکسپورٹ کردہ مصنوعات کی اوسط سالانہ مقدار------------------

7:۔دسمبر 2016 تک ممکنہ ایکسپورٹ کردہ مصنوعات کی اوسط سالانہ مقدار---------------

8:۔دسمبر 2015 تک ایکسپورٹ شدہ مصنوعات کی اوسط سالانہ آمدن-----------------

9:۔دسمبر 2016 تک ممکنہ ایکسپورٹ کردہ مصنوعات کی اوسط سالانہ آمدن--------------

10:۔زیادہ تر مصنوعات کن ممالک کو برآمد ہوئیں؟ (ا):۔یورپی یونین (ب):۔دیگر ممالک

11:۔کیا مصنوعات کی مکمل تیاری فیکٹری کی چار دیواری کے اندر ہوتی ہے؟ □ ہاں □ نہیں

12:۔کیا کچھ حصہ کسی اور جگہ سے تیار کروایا جاتا ہے؟ □ ہاں □ نہیں

13:۔باہر کن شرائط پر مال تیار کروایا جاتا ہے؟------------------------------

14:۔کیا یہ کام کسی مڈل مین کے زریعے ہوتا ہے؟ □ ہاں □ نہیں

15:۔ان باہر کے مزدوروں کی کوئی قابل ذکر مراعات

(ا):۔سوشل سیکورٹی (ب):۔ای او بی آئی (ج):۔کم از کم اجرت (د):۔سروس ریکارڈ وغیرہ

16:۔مزدوروں کی کل تعداد (ا):۔مستقل (ب):۔ڈیلی ویجز (ج):۔پیس ریٹ

(د):۔کنٹریکٹ (ر):۔کنٹریکٹ بذریعہ ادارہ (س):۔کنٹریکٹ بذریعہ تیسرا فریق

(ص):۔مرد کارکنوں کی تعداد (ط):۔خواتین کارکنوں کی تعداد (ع):۔بچوں کی تعداد اگر کوئی ہو

2:۔شرائط ملازمت، اجرتیں، اوقات کار

17:۔ورکرز کو تقرری کے لیٹرز دیئے جانے کی صورت حال--------------------------

18:۔ دسمبر 2015 تک سوشل سیکورٹی میں باضابطہ رجسٹرڈ کارکنوں کی تعداد-----------------

19:۔دسمبر 2016 تک سوشل سیکورٹی میں باضابطہ رجسٹرڈ کارکنوں کی تعداد-----------------

20:۔دسمبر 2015 تک EOBI میں باضابطہ رجسٹرڈ کارکنوں کی تعداد--------------------

21:۔دسمبر 2016 تک EOBI میں باضابطہ رجسٹرڈ کارکنوں کی تعداد--------------------

22:۔دسمبر 2015 تک کارکنوں کو ملنے والی قابل ذکر مراعات---------------------------

23:۔دسمبر 2016 تک کارکنوں کو ملنے والی اضافی مراعات----------------------------

24:۔دسمبر 2015 تک ادارہ میں رجسٹرڈ یونینز کی تعداد--------------------------

25:۔دسمبر 2016 تک ادارہ میں رجسٹرڈ یونینز کی تعداد--------------------------

26:۔فیکٹری میں عمومی اوقات کار------------------------------

27:۔خواتین ورکرز کے اوقات کار----------------------------------

28:۔ادارہ میں اوور ٹائم ملتا ہے؟ اگر ملتا ہے تو (ا):۔سنگل (ب):۔دوگنا ملتا ہے

29:۔کیا غیر ہنر مند مزدوروں کو کم از کم اجرت ملتی ہے؟ □ ہاں □ نہیں

30:۔کیا غیر ہنر منداور ہنر مند مزدوروں کی اجرات میں فرق ہے؟ □ ہاں □ نہیں

31:۔رجسٹرڈ یونین میں خواتین کارکنوں کی نمائندگی ہے؟ □ ہاں □ نہیں

32:۔ایک یونین کی صورت میں خفیہ بیلٹ الیکشن ہوتے ہیں؟ □ ہاں □ نہیں

33:۔ایک سے زائد یونین کی صورت میں ریفرنڈم ہوتا ہے؟ □ ہاں □ نہیں

34:۔کیا یونین ڈیمانڈ نوٹس دیتی ہے؟ □ ہاں □ نہیں

35:۔مالکان/انتظامیہ کے ساتھ باضابطہ تحریری معاہدہ ہوتا ہے۔ □ ہاں □ نہیں

36:۔یونین مالکان کی حمایت یافتہ ہے یا مزدوروں کی حقیقی نمائندہ-----------------

37:۔کیا ریٹائرمنٹ کے بعد مزدوروں کو تمام واجبات ادا کئے جاتے ہیں ہاں نہیں

38:۔واجبات میں کیا کیا شامل ہوتا ہے؟ (ا):۔گریجویٹی (ب):۔چھٹیوں کے پیسے

(ج):۔دیگر مراعات

3:۔خواتین کارکنوں کے بارے میں خصوصی معلومات بشمول امتیازی سلوک

39:۔کیا مرد اور خواتین کی ایک جیسے کام کی اجرات برابر ہے □ ہاں □ نہیں

40:۔اگر فرق ہے تو کتنا فرق ہے؟------------------------------

41:۔خواتین کارکنوں کو دوران زچگی چھٹیاں ملتی ہیں؟ □ ہاں □ نہیں

42:۔اگر ملتی ہیں تو کتنے دن کی ملتی ہیں؟------------------------------

43:۔کیا دوران زچگی علاج معالجہ کی سہولت ہے؟ □ ہاں □ نہیں

44:۔کیا کبھی عورتوں کو جنسی طور پر ہراساں کرنے کا واقعہ ہوا ہے؟ □ ہاں □ نہیں

45:۔اگر ہوا ہے تو اسکی رپورٹ ہوئی ہے؟ □ ہاں □ نہیں

46:۔کیا 5% پرافٹ تقسیم ہوتا ہے؟ □ ہاں □ نہیں

47:۔میرج گرانٹ اور ڈیتھ گرانٹ ملتی ہے؟ □ ہاں □ نہیں

48:۔کون سے مزدور میرج گرانٹ اور ڈیتھ گرانٹ کے حق دار ٹھہرائے جائے ہیں؟-----------

49:۔مزدوروں کے بچوں کو ورکرز ویلفیئر سکول میں داخلہ ملتا ہے؟ □ ہاں □ نہیں

50:۔اگر کوئی ورکر فوت ہو جائے تو گروپ انشورنس ملتی ہے؟ □ ہاں □ نہیں

51:۔فیکٹری میں صحت وسلامتی کے آلات موجود ہیں؟ □ ہاں □ نہیں

52:۔فیکٹری میں کبھی شدید حادثہ ہوا ہے؟ □ ہاں □ نہیں

53:۔زخمیوں کو معاوضہ ادا کیا جاتا ہے؟ □ ہاں □ نہیں

54:۔کیا ادارہ میں کبھی لیبر انسپکشن ہوئی ہے؟ □ ہاں □ نہیں

55:۔اگر ہوئی ہے تو ورکرز سے بھی سوالات کئے گئے ہیں؟ □ ہاں □ نہیں

56:۔کیا کبھی انٹرنیشنل آڈٹ ہوا ہے؟ □ ہاں □ نہیں

57:۔ضلع بھر میں دسمبر 2015 تک رجسٹرڈ کارخانوں کی تعداد--------------------

58:۔ضلع بھر میں دسمبر 2016 تک رجسٹرڈ کارخانوں کی تعداد--------------------

59:۔فیکٹری/ادارہ کے بارے میں کوئی خصوصی معلومات-------------------------

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن

بدلتی ہوئی عالمی اور ملکی صورت حال کے تناظر میں جبکہ سرمایہ دارانہ استحصالی نظام کی گرفت زیادہ مضبوط ہونے کی وجہ سے نیو ورلڈ آرڈر نے مزدوروں کے مسائل اور مشکلات میں زیادہ اضافہ کیا تو ملک کی تمام اہم چھ مزدور فیڈریشنوں جن میں متحدہ لیبر فیڈریشن، پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن، آل پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن، آل پاکستان ٹریڈ یونین آرگنائزیشن، آل پاکستان فیڈریشن آف ٹریڈ یونین اور وفاقی تنظیم برائے بنکس و مالیاتی ادارہ جات شامل ہیں نے اپنے تمام اختلافات اور نظریاتی کشمکش کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی تمام تر توجہ منظم مزدوروں کو ایک مشترکہ مضبوط پلیٹ فارم پر مجتمع کرتے ہوئے موجود تقاضوں اور چیلنجز کا سامنے کرنے کے لئے مورخہ 18 مارچ 1995ء میں لاہور میں مندوبین کے ایک بڑے اجلاس میں پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کی بنیاد رکھی جس کے بانی صدر جنرل سیکرٹری اور چیئرمین بالترتیب گل رحمٰن، خورشید احمد اور مرحوم ایس پی لودھی تھے۔ پاکستان ورکرز کنفیڈریشن کے اغراض و مقاصد درج ذیل طے ہوئے۔

پاکستان بھر میں محنت کشوں کی ٹریڈ یونینز میں تنظیم، مزدوروں کی تنظیمی قوت کو قومی سطح پر موثر بنایا اور منوانا، مزدوروں کے ساتھ ساتھ کسانوں، دانشوروں، خواتین، نوجوانوں اور دیگر مظلوم طبقات کے سماجی، سیاسی و معاشی حقوق کے لئے جدوجہد، کم از کم اجرتیں مہنگائی کے تناسب سے، بہتر حالات کار و شرائط کار، تنظیم سازی اور اجتماعی سودا کاری کی رکاوٹوں کا خاتمہ، محنت کی عظمت اور وقار کو تسلیم کروانا، مزدوروں کے معاشی، سماجی اور سیاسی و بنیادی حقوق کے تحفظ، آئی ایل او کے کنونشنز کے اطلاق، مزدوروں کے سماجی تحفظات (سوشل سیفٹی نیٹ) گروپ انشورنس، گریجوایٹی، پنشن، رہائش ٹرانسپورٹ ان کے بچوں کے لئے تعلیم صحت اور دیگر متعلقہ امور بارے جدوجہد، مزدوروں کے لئے فنی تعلیم و تربیت کا بندوبست، صنعتی علاقوں اور مزدوروں بستیوں میں معقول رہائش، صحت مند ماحول کی فراہمی اور پیشہ ورانہ بیماریوں سے تحفظ کی جدوجہد، ٹھیکیداری، ورک چارج، نام نہاد عارضی، وقتی کنٹریکٹ کی مختلف شکلوں اور طریق ملازمت کے ذریعے مزدوروں کے استحصال کے خلاف جدوجہد، ملک کی ترقی و خوشحالی کے حصول، ظالمانہ معاشرتی اور اقتصادی نظام سے آزادی اور سماجی انصاف پر مبنی استحصال سے پاک معاشرہ کے قیام کے لئے جدوجہد، بچوں اور خواتین کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک، جبری مشقت اور بیگار کے خاتمہ کی جدوجہد، پالیسی ساز اداروں میں محنت کشوں کی آبادی کے تناسب سے نمائندگی کے لئے جدوجہد، سرکاری شعبے کے تمام حساس صنعتی، تجارتی اور خدمات کے اداروں کی نجکاری کے خلاف اقدامات، سرکاری شعبے کے صنعتی، تجارتی اور قومی خدمات کے اداروں کی بہتر کارکردگی کے لئے بدعنوان عناصر کے محاسبے کے لئے جدوجہد اور عمومی طور پر وہ تمام اقدامات کرنا جو محنت کشوں اور ان کی تنظیموں کی فلاح و بہبود کے لئے ضروری ہوں۔

پاکستان ورکرز کنفیڈریشن ٹریڈ یونین تحریک کا ایک اہم سنگ میل ہے جس نے عملاً اس امر کا اظہار کیا کہ مزدور طبقے کو درپیش مشترکہ مسائل اور چیلنجز سے نبٹنے کے لئے مزدور تنظیموں میں یہ وصف اور بالغ نظری موجود ہے کہ وہ اپنے تنظیمی اور نظریاتی اختلافات کو پس پشت ڈال کر مزدور طبقے کے وسیع تر مفاد کے لئے کم از کم پروگرام پر متفقہ پلیٹ فارم پر جدوجہد کے لئے تیار اور کوشاں ہو سکتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ پاکستان کی مجموعی ٹریڈ یونین تحریک کی صورت حال اس قدر مضبوط نہیں ہے کہ جو فیصلہ کن نتائج کے حصول کی پوزیشن میں ہو، کیونکہ منظم مزدور طبقہ کی تعداد 5 فیصد سے بھی کم ہے اور پھر نیو ورلڈ آرڈر، نجکاری، رائٹ سائزنگ، ڈاؤن سائزنگ، ڈیلی ویجز، ٹھیکیداری اور دیگر مزدور دشمن اقدامات کی وجہ سے ٹریڈ یونین تحریک اپنی بقاء کی جدوجہد کے دور سے گزر رہی ہے۔ اس کے باوجود پاکستان ورکرز کنفیڈریشن نے اپنے قیام سے لے کر آج تک ملکی اور عالمی سطح پر مختلف فورمز اور سیمینارز میں رسمی اور غیر رسمی شعبوں کے مزدوروں کی بھرپور ترجمانی کی ہے۔ کنفیڈریشن نے مختلف ادوار اور اوقات میں مشترکہ جلسوں، ریلیز کے ذریعے محنت کشوں کے مسائل، مطالبات اور مشکلات کو ہمیشہ اجاگر کیا ہے۔

اگرچہ کنفیڈریشن کی بنیاد چھ ملک گیر تنظیموں نے رکھی تھی، لیکن اب اس میں دیگر بہت سی ملک گیر اور صوبائی سطح پر منظم تنظیموں نے بھی شمولیت اختیار کر کے اس اتحاد کو مزید مضبوط کر دیا ہے۔ اس وقت مرکزی اور صوبائی سطح کی اہم فیڈریشنز کنفیڈریشن کا حصہ ہیں۔ اس وقت مرکزی سطح پر صدر ظہور اعوان، جنرل سیکرٹری نور محمد، چیئرمین عزیز عباسی اور چیف آرگنائزر محمد یعقوب ہیں جبکہ چاروں صوبوں میں صوبائی ڈھانچے بھی منظم اور فعال ہیں۔

پاکستان اور یورپی یونین کے مابین جی ایس پی پلس (GSP Plus) کا معاہدہ جنوری 2014 سے لاگو ہے جس کے تحت پاکستانی برآمدی اشیاء کی یورپی یونین کی منڈیوں میں دس سال کے لئے ترجیحاتی بنیادوں پر کھپت ہوگی۔ اس معاہدہ سے نہ صرف پاکستان کے برآمدی سیکٹر کی ترقی کے لئے بہتر مواقع کی راہیں کھل گئی ہیں بلکہ اُس کے ساتھ ساتھ پاکستانی معیشت کے اندرونی چیلنج کو احسن طریقے سے منظّم کرنے کی بھی صورت نکل آئی ہے۔ اِس معاہدے کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ تجارت میں اضافہ ہونے سے جو فائدے ہوں گے ان سے پاکستان میں گورنس میں بہتری لانے اور پائیدار ترقی کرنے میں مدد ملے گی۔ یہ ترجیحاتی سہولت 27 بین الاقوامی انسانی حقوق، محنت اور ماحولیاتی کنونشن پر عمل درآمد سے مشروط ہے۔ تاکہ جی ایس پی پلس سے ہونے والے فوائد کو جاری رکھا جائے۔ مزید براں اس سے بین الاقوامی ادارہِ محنت کے تحت آٹھ بنیادی محنت کے معیارات (Standards) پر مؤثر طور پر عمل درآمد ہوگا۔ جس پر بہتر طور عمل کرنے سے ملک میں محنت سے متعلق نظم ونسق کو مثبت طور پر تقویت حاصل ہوگی۔ اور ایسا کرنے سے ایک طویل مدت کے لئے پاکستان میں چھ کروڑ سے زیادہ مزدوروں کو فائدہ ہوگا۔

عالمی ادارہِ محنت کے معیارات سہ فریقی مشاورت کا نتیجہ ہیں ان پر عمل درآمد کے لئے سب فریقوں کی فعال شراکت کی ازحد ضرورت ہے۔ پاکستان ورکرز کنفیڈریشن نے GSP Plus کی شرائط کے نفاذ اور نگرانی کے عمل میں موثر شراکت کا فیصلہ کیا ہے۔ اور محنت کے معیارات میں بہتری لانے کے لئے تجاویز پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ فریڈرک ایبرٹ اسٹیفٹنگ ایک جرمن فاؤنڈیشن ہونے کے حوالے سے سماجی جمہوریت کی اقدار کے فروغ کا عزم رکھتی ہے۔ اور تمام دنیا میں مختلف النوع موضوعات پر مکالمے کے لئے پلیٹ فارم مہیا کرتی ہے۔

FES اس پر یقین کرتی ہے کہ جمہوری حکمرانی کا سماجی عدل سے متعلق تمام سوالات پر توجہ دینا بہت اہم ہے اس لئے ٹریڈ یونینز اس بات میں اہم فریق ہیں کہ مطلوبہ سماجی بہبود سے وابستہ ترقی کو یقینی بنائیں FES سنجیدگی سے اس بات کی امید رکھتی ہے کہ اس رپورٹ میں آگے بڑھنے کے لئے جو تجزیئے اور تجاویز پیش کئے گئے ہیں ان سے مختلف مراحل پر ترقی کے لئے اقدامات سے متعلق مکالمے سے GSP Plus کے اہداف کو پورے کرنے میں مدد ملے گی۔

رولف پاش
ریزیڈنٹ ڈائریکٹر
فریڈریک ایبرٹ اسٹیفٹنگ، پاکستان

عبدالقادر
پروگرام کوآرڈینیٹر اینڈ ایڈوائیزر

Imprint:
Friedrich-Ebert-Stiftung
Pakistan
1st Floor, 66-W, Junaid Plaza, Jinnah Avenue, Blue Area, Islamabad, Pakistan.

Phone: +92 51 2803391-4
Fax: +92 51 2803395
Email: info@fes-pakistan.org
www.fes-pakistan.org

Disclaimer:
The views expressed in this publication are not necessarily those of the Friedrich-Ebert-Stiftung.

Commercial use of all media published by the Friedrich-Ebert-Stiftung (FES) is not permitted without the written consent of the FES.

EFQM Committed to excellence

FRIEDRICH EBERT STIFTUNG